المصالح العقلیۃ للاحکام النقلیۃ

از

اشرف علی تھانوی

المصالح العقلیہ

للاحکام النقلیہ

کامل ہر سہ حصہ

از تصانیف

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا حافظ

اشرف علی صاحب تھانوی

جس میں

ترتیب ابواب فقہیہ تمام شرعی احکام کی عقلی حکمتیں

اور سب کا عین مقتضائے عقل ہونا ثابت کیا گیا ہے

ادارہ اشرف العلوم

ادارہ اشرف العلوم

کی

چند مطبوعات

بہشتی زیور مدلل مکمل | مع حوالہ کتب و

عربی عبارات مع حاشیہ تمام و غیرہ

بوادر النوادر | حضرت حکیم الامت کی آخری

تصنیف جو تمام تصانیف اور مواعظ و ملفوظات

کا لب لباب ہے مکمل دو جلد

حبیب خدا | صلی اللہ علیہ وسلم کی مفصل

سوانح و حالات طیبہ از حکیم الامت تھانوی

مسئلہ تقدیر | از حضرت حکیم الامت

[illegible]

رقصہ اسمعیل از حضرت حکیم الامت

پردۂ شرعی | عورتوں کے پردہ

پر حکیم الامت کے تین رسالے

نئی روشنی | کے شبہات کا جواب

جدید علم کلام

کا اصولی جواب

گاؤں میں جمعہ | قائم کرنے کے

احکام و تحقیق از حضرت حکیم الامت

حیات المسلمین

[illegible]

قال اللہ تعالیٰ

يُرِيدُ اللهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ الآیۃ

75

چوں کریمہ بالا دال ست

بر مصالح عقلیہ در احکام نقلیہ بعبارۃ النص و بر اشتمال احکام سمعیہ

عامہ بر مصالح حکمیہ عامہ بدلالۃ النص و رسالہ مسمیٰ بہ

المصالح العقلیۃ للاحکام النقلیۃ

کہ ایں حصہ اول ازاں ست

افادات حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ

است بود از جملہ کافیہ منجملہ چنیں مصالح مودعہ شرائع پس افادۃ للطالبین لہا ونفعا للراغبین فیہا

بانتظام احقر العباد محمد زکی دیوبندی

مکتبہ اشرف العلوم دیوبند از نو شائع گردید

(پرنٹنگ پریس دہلی)

المصالح العقلیۃ للاحکام النقلیۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ احقر مدعا نگار ہے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں جن کے بعد اُن کے امتثال قبول کرنے میں اُن میں کسی مصلحت و حکمت کے معلوم ہونے کا انتظار کرنا بالیقین حضرت سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ بغاوت ہے جس طرح دُنیوی سلطنتوں کے قوانین کی وجوہ و اسباب اگر کسی کو معلوم نہ ہوں اور وہ اِس معلوم نہ ہونے کے سبب اُن قوانین کو نہ مانے اور یہ عذر کر دے کہ بدون وجہ معلوم کئے ہوئے میں اِس کو نہیں مان سکتا تو کیا اس کے باغی ہونے میں کوئی عاقل شبہ کر سکتا ہے۔ تو کیا احکام شرعیہ کا مالک اِن سلاطین دنیا سے بھی کم ہو گیا۔ غرض اس میں کوئی شک نہ رہا کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں لیکن اسی طرح اس میں بھی شبہ نہیں کہ با[وجود] اِس کے پھر بھی اُن احکام میں بہت سے [illegible] اسرار بھی ہیں اور گو مدار ثبوت احکام کا اُن پر نہ ہو جیسا اوپر مذکور ہوا [illegible] یہ خاصیت ضرور ہے کہ بعض

کے لئے اُن کا معلوم ہو جانا احکام شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا ہونے کے لئے ایک درجہ
میں معین ضرور ہے گو اہلِ یقین راسخ کو اس کی ضرورت نہیں لیکن بعض ضعفاء کے دل کی تسلی
بخش و قوت بخش بھی ہے (اور اس وقت ایسی طبائع کی کثرت ہے) اسی راز کے سبب
بہت سے اکابر و علماء مثل امام غزالی و خطابی و ابن عبد السلام وغیرہم رحمہم اللہ
تعالیٰ کے کلام میں اس قسم کے لطائف و معانی مذکور بھی پائے جاتے ہیں چونکہ ہمارے زمانہ
میں تعلیم جدید کے اثر سے جو آزادی طبائع میں آگئی ہے اُس سے بہت سے لوگوں میں
ان مصالح کی تحقیق کا شوق اور مذاق پیدا ہو گیا ہے اور گو اس کا اصل علاج تو یہی تھا کہ
اُن کو اس سے روکا جاوے (چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مُضر بھی ہوتا ہے) لیکن
تجربہ سے اس میں باستثناء طالبین صادقین کے عام لوگوں کو اس سے روکنے کے
مشورہ دینے میں کامیابی متوقع نہیں تھی اس لئے تسہیلاً للطامہ و تبصراً علی العامہ
بعض اہلِ علم بھی جستہ جستہ اس میں تحریر و تقریر کرنے لگے ہیں اور اگر ان تقریرات و
تحریرات میں حدودِ شرعیہ کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی تو اُن کو کافی سمجھ کر کسی نئے مجموعہ
کی ضرورت نہ ہوتی مگر علوم حقہ و اتباع علوم حقہ کی قلت اور آراء فاسدہ اور اتباع اہواء
مختلفہ کی کثرت کے سبب بکثرت اُن میں تجاوز عن الحدود سے کام لیا گیا ہے چنانچہ
اس وقت بھی ایک ایسی ہی کتاب جس کو کسی صاحبِ قلم نے لکھا ہے مگر علم و عمل کی کمی کے
سبب تمام تر رطب و یابس و غث و سمین سے بھرے ایک دوست کی بھیجی ہوئی میرے
پاس دیکھنے کی غرض سے آئی ہوئی رکھی ہے اُس کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسی
کتابوں کا دیکھنا تو عامہ کو مُضر ہے مگر عام مذاق کے بدل جانے کے سبب بدون اسکے
کہ اُس کا دوسرا بدل لوگوں کو بتلایا جاوے اس کے مطالعہ سے روکنا خارج عن القدرۃ

ع‍ عام آدمیوں کو ۱۲ منہ

ہے اِس لئے اِس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسا مستقل ذخیرہ ان مضامین کا ج
اِن مفاسد سے مبرا ہو ایسے لوگوں کے لئے مہیا کیا جاوے تا کہ اگر کسی کو ایسا شوق ہ
تو وہ اس کو دیکھ لیا کریں کہ اگر صورت منافع نہ ہوگا تو دافع مضار تو ہوگا البتہ جس
طبیعت میں مصالح کے علم سے احکام الٰہیہ کی عظمت و وقعت کم ہوجاوے یا وہ ان
مدار احکام سمجھنے لگے کہ اُن [illegible] کو مستقل اعتقاد کرے یا اُن کو مقصو
بالذات سمجھکر دوسرے طریق سے اُن کی تحصیل کو بجائے اقامت احکام کے قرا
دے لے جیسا کہ اوپر بھی ان مضار کی طرف اجمالاً اس قول میں اشارہ بھی کیا گیا ہے "چنا
بعض اوقات یہ مذاق [illegible] طبائع والوں کو ہرگز اِس کے مطالعہ ک
اجازت نہیں ہے۔ بہرحال [illegible] آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ احقر
غایت بے تعصبی سے اِس میں بہت سے مضامین کتاب مذکور بالا سے بھی جو کہ موصوف الصدر
لکھے لے لیے ہیں اور اس میں احکام مشہورہ کی کچھ کچھ وہی مصلحتیں مذکور ہوں گی جو اصول شرعیہ
سے بعید نہ ہوں اور افہام عامہ کے قریب ہوں۔ مگر یہ مصلحتیں نہ سب منصوص ہیں اور
نہ سب مدار احکام ہیں اور نہ ان میں انحصار ہے محض ایک نمونہ ہے اِس مبحث میں ہما
زمانہ سے کسی قدر پہلے زمانہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البال
لکھ چکے ہیں سُنا ہے کہ ترجمہ اُس کا بھی ہوچکا ہے مگر عوام کو اُس کا مطالعہ مناسب
نہیں کہ غامض[عہ] زیادہ ہے اور اِس ہمارے زمانہ میں بھی ایک مصری فاضل ابراہیم
آفندی اعلیٰ المدرس بالمدرسۃ الخدیویہ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام اسرار الشریعہ

عہ اور بہت زیادہ ان مضامین کا حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ تھا جیسا کہ بعد اخذ کے حجۃ اللہ کے دیکھنے سے معلوم
ہوا مگر بعض جگہ پہلے اکابر سے وللہ الحمد علیٰ ان اخذ نالم یکن من غیر الماخذ ۱۲ منہ +

ہے اور جو ۱۳۲۵ھ میں مصر کے مطبع الواعظ میں چھپی ہے اور اس کے قبل ایک رسالہ حمیدیہ شائع ہو چکا ہے مگر یہ دونوں نئی کتابیں عربی زبان میں ہیں جن میں سے حمیدیہ کا ترجمہ اردو تو کئی سال ہوئے شائع ہو چکا ہے اور اس دوسری کتاب اسرار الشریعۃ کا ترجمہ کاندھلہ میں مولوی حافظ محمد اسمٰعیل صاحب کر رہے ہیں میرے اس مجموعہ کے ساتھ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنا معلومات میں ترقی دیگا اور چونکہ طرز ہر ایک کا جدا ہے اس لئے ایک کو دوسرے سے مغنی نہ سمجھا گیا میں نے ان دونوں کتابوں کا ذکر اس مصلحت سے بھی کیا ہے اور اس لئے بھی کہ میرے اس عمل کو تفرد نہ سمجھا جاوے اور اس تفرد کے شبہ کو صاحب حجۃ اللہ البالغہ نے بھی خطبہ میں اس کی اصل کو کتاب و سنت کے اشارات واضحہ سے نکال کر رفع فرمایا ہے اور بطور مثال کے اس کے بعض بعض ماخذ کو بھی بیان فرمایا ہے اور نام اس کا المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ رکھتا ہوں حق تعالیٰ اس کو اس کے موضوع میں نافع اور تردداتِ وشکوک فی الاحکام کا دافع فرماوے۔ والسلام

کتبہ اشرف علی عفی عنہ یکم رجب یوم الخمیس ۱۳۳۴ھ

ؐ اور تتمیم فائدہ کیلئے بعض دوسری مفید کتب کا بھی پتہ دیتا ہوں جن کا مطالعہ اس موضوع میں بصیرت بڑھاوے گا۔ الانتباہات المفیدۃ للاحقر

العقل والنقل للمولوی شبیر احمد الدیوبندی سلمہٗ مواعظ ہفت اختر

وعظ روح الارواح۔

رسالہ الحق جو پرچہ الرشاد میں نکلتا ہے۔ مآل التہذیب تو مقالے ۱۲ منہ

اسرارِ وضو

طہارت کے چار مراتب ہیں۔ مرتبہ اوّل ظاہر کو ناپاکیوں اور پلیدیوں سے پاک کرنا۔ مرتبہ دوم اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچانا۔ مرتبہ سوم دل کو اخلاقِ مذمومہ و رزائل سے صاف کرنا۔ مرتبہ چہارم۔ اپنے ضمیر کو ماسوی اللہ سے صاف کرنا۔

پس جبتک انسان عقائد فاسدہ سے اپنے دل کو پاک و صاف نہ کر لے تب تک وہ اُن احادیث نبویہ الطہور شطر الایمان و نصف الایمان کا مصداق نہیں ہو سکتا کیونکہ ایمان کو دل سے تعلق ہے پس جب تک دل خیانتوں سے پاک نہ ہو جائے تب تک طہارت نامکمل ہے۔

یہ ایمان کے مقامات ہیں اور ہر ایک مقام کا ایک طبقہ ہے جو شخص ادنیٰ طبقہ سے نہ گذرے وہ اعلیٰ کو نہیں پہنچ سکتا۔ طہارت کے سِر کو کوئی نہیں پہنچ سکتا جبتک دل کو اخلاقِ مذمومہ سے پاک کر کے اخلاقِ محمودہ سے معمور نہ کر لے اور اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک اعضاء کو گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے پاک کر کے عبادات و طاعات الٰہی سے معمور نہ کرے۔

جو شخص محض اپنے اوقاتِ عزیزہ کو استنجا و شست و شوئے دہن و دست و پا و درستی لباس و صفائیِ ظاہر و طلبِ آب جاری میں صرف کرتا اور اپنے باطن کی صفائی کا خیال نہیں رکھتا وہ وسوسۂ شیطان و مرض مالیخولیا میں مبتلا ہے بلکہ طہارتِ ظاہر محض صفائیِ باطن کی دلالت کے لئے مقرر ہوئی ہے شست و شوئے رُو و دست و پا تحریک دل کے لئے ہے۔ ہمارے تمام ظاہری اقوال و افعال حرکات و سکنات کا اثر ہمارے قلب پر بالضرور پڑتا ہے۔ یا یوں کہو کہ جو کچھ

ہمارے باطن میں مرکوز ہے حرکات ظاہری ہی اس کی آئینہ دار ہیں لیکن اس کا یہ
مطلب نہیں کہ ظاہر ضروری نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ظاہر کے ساتھ باطن بھی ضروری ہے

احکام الٰہی میں وجود اغراض متعددہ ہونے کی حکمتیں

یہ بات ثابت و مسلم ہے کہ خدا کی پیدا کردہ
اور یہ ہیں مصالح و اغراض متعددہ ہوتے
ہیں ایسا ہی اس کے احکام میں بھی متعدد حکمتیں
و اسرار موضوع ہیں چنانچہ ایک ایک جڑی بوٹی اور دوا میں اس نے صدہا اوصاف و
خواص رکھے ہیں حتیٰ کہ ایک ہی دوا سے کئی کئی امراض کا دفعیہ ہو جاتا ہے لہذا بقاعدہ
مزبورہ ذیل میں جس قدر وضو کی حکمتیں و اسرار ہم بیان کریں گے وہ سب اس میں
پائی جاتی ہیں بلکہ اور بھی بہت سی حکمتیں اس میں ہیں اور دوسرے احکام میں ایسی بھی ہیں
جہاں تک ہمارا علم نہیں پہنچا۔

اول حکمت وضو ترک غفلت

اب ہم ترتیب وار وضو کی حکمتیں آیات قرآنی
و احادیث نبویہ و کتب علم الابدان سے لیکر
بطور خلاصہ لکھتے ہیں لہذا واضح ہو کہ وضو انسان کو ظاہری و باطنی گناہوں اور
غفلت ترک کرنے پر آگاہ کرتا ہے اگر نماز بغیر وضو کے پڑھنی مشروع ہوتی تو
انسان اسی طرح بیہودہ غفلت میں سرشار رہتا ہے اور غافلانہ نماز میں داخل ہو جاتا
دنیاوی ہموم و شواغل میں پڑکر نشیلے آدمی کی طرح ہو جاتا ہے لہذا اس نشۂ غفلت
کو اتارنے کے لئے وضو مشروع ہوا ہے تاکہ انسان باخبر و باحضور ہو کر خدا
کے آگے کھڑا ہو۔

دوم حکمت وضو حفظ ماتقدم

مشاہدہ و طبی تجارب اس امر کے شاہد ہیں کہ

انسان کے اندرونی جسم کے زہریلے مواد اطرافِ بدن سے خارج ہوتے رہتے ہیں اور وہ ہاتھ پاؤں یا اطراف میں دسریہ آکر ٹھیر جاتے ہیں اور مختلف اقسام کے زہریلے پھوڑے و پھنسیوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور اطرافِ بدن کو دھونے سے وہ گندے مواد رفع ہوتے رہتے ہیں یا تو جسم کے اندر ہی ان کا جوش پانی سے بجھ جاتا ہے یا خارج ہوتا رہتا ہے۔

سوم حکمتِ وضو حصول حبِ الٰہی یہ نیت اطاعتِ الٰہی ظاہری و باطنی نظافت کا پابند خدا تعالیٰ کا محبوب بنجاتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ ترجمہ:۔ یعنی خدا تعالیٰ باطنی و ظاہری طہارت و صفائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے پس جس صفت سے انسان کو خدا تعالیٰ کا محبوب بننے کا شرف عطا ہو لازم ہے کہ اُس سے متصف رہے۔

چہارم حکمتِ وضو غلبہ ملکیت بر بہیمیت جب طہارت کی کیفیت نفس میں راسخ ہو جاتی ہے تو ہمیشہ کیلئے نورِ ملکی کا ایک شعبہ اُس میں ٹھیر جاتا ہے اور بہیمیت کی تاریکی کا حصہ مغلوب ہو جاتا ہے۔

پنجم حکمتِ وضو ازدیاد عقل طہارت سے طبیعت میں عقل کا مادہ بڑھتا رہتا ہے اور جہاں عقل تام ہوگی وہاں حضورِ الٰہی بھی تام ہوگا۔

ششم حکمتِ وضو عود نور و سرور گناہوں اور کسل کے باعث جو روحانی نور و سرور اعضاء سے سلب ہو چکا تھا وضو کرنے سے وہ بارہ اُن میں عود کر آتا ہے۔ یہی روحانی نور قیامت میں اعضاء وضو

میں نمایاں طور پر درخشاں ظاہر ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان امتی یأتون یوم القیامۃ غراً محجلین من آثار الوضوء فمن استطاع منکم ان یستطیل غرتہ فلیفعل

ترجمہ:۔ یعنی قیامت کے دن میری اُمت جب آوے گی تو وضو کے آثار سے اُنکے ہاتھ پاؤں اور چہرے روشن ہوں گے اس لئے تم میں سے جو کوئی اپنی روشنی بڑھا سکے وہ بڑھائے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے تبلغ الحلیۃ من المؤمن حیث یبلغ الوضوء

ترجمہ:۔ یعنی جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک مومن کو جنت کا زیور پہنایا جاویگا

ہفتم حکمت وضو قربِ ملائکہ طہارت کی وجہ سے انسان کو فرشتوں کے ساتھ قرب واتصال ہو جاتا ہے لہذا وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے دربار میں اس کو شرف باریابی عطا ہو کیونکہ طہارت کی وجہ سے انسان کو شیاطین سے بُعد ہو جاتا ہے۔

ہشتم حکمت وضو شعائر الٰہی میں بطہارت داخل ہونا چونکہ نماز عظیم الشان شعائر اللہ میں سے ہے لہذا شعائر الٰہی میں داخل ہونے کے لئے وضو لازم ٹھیرایا گیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مفتاح الصلوٰۃ الطہور یعنی نماز کی کنجی وضو ہے۔

نہم حکمت وضو عرضِ حال رعایا کو بغرض عرض مطلب وحال اور احکام شاہانہ سُننے کے لئے دربار شاہی میں جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وجہ سے تمام آداب وتعظیمات جو وقت حضوری دربار بجالاتے ہیں وہ

سوال ہی کی مد میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مگر جیسے عرض مطلب کے لئے زبان اور حکم سُننے کے لئے کان چاہئیں۔ ایسا ہی حضور دربار کے لئے ہاتھ، منہ، پاؤں کا دھونا اور درستی لباس کی ضرورت ہے اور یہ سب کچھ مد سوال وعرض حال ہی میں شمار کئے جاتے ہیں پس جب امراء وسلاطین کے حضور میں جاتے یا کسی عُمدہ اور پاکیزہ کام کا قصد کرتے ہیں تو ان اعضاء وضو کو دھو لیتے ہیں کیونکہ ان پر اکثر گرد وغبار ومیل کچیل کا اثر بوجہ ان کی برہنگی کے ہوتا رہتا ہے اور باہم ملاقات کے وقت بھی یہی اعضاء نظر پڑتے ہیں

دہم حکمت وضو حصول تقویت بیداری اعضائے رئیسہ

تجربہ سے شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے سے اور منہ اور سر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑا اثر ہوتا ہے اور اعضائے رئیسہ میں تقویت وبیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ غفلت اور خواب اور نہایت بیہوشی اس فعل سے دُور ہو جاتی ہے۔ اس تجربہ کی تصدیق حاذق اطباء سے ہو سکتی ہے کیونکہ جس کو غشی ہو یا زیادہ اسہال آتے ہوں یا کسی کی فصد لی گئی ہو اُس کے اعضاء مذکور پر پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ قریشی نے اپنی کتاب موجز میں۔ اور دیگر اطباء نے بھی لکھا ہے۔ فانہ ینعش الحرارۃ الغریزۃ ویقویہا وینفع الغشی الحادث عن الکرب الحماصی وغیرہ۔

ترجمہ:۔ یعنی منہ ہاتھ پاؤں پر پانی چھڑکنا حرارت غریزہ تازہ کو تازہ اور قوی کر دیتا ہے۔ اور حمام وغیرہ کی تکلیف سے جو بیہوشی پیدا ہو اس میں یہ امر نافع ہے یہی وجہ ہے کہ انسان کو امر ہوا کہ اپنے نفس کی کاہلی اور پژمردگی وسستی وکسالت کو بذریعہ وضو دُور کرے تاکہ خدا تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہونے کے لایق ہو سکے کیونکہ

وہ سدا ہوشیار و بیدار ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ط یعنی خدا تعالیٰ کو غفلت و نیند نہیں پکڑتی - پس غافل و کاہل اُس کے حضور میں کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ نشہ و مستی کی حالت میں نماز پڑھنا مشروع نہیں چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ط ترجمہ :۔ یعنی نماز کے نزدیک نہ جاؤ جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو۔

کسی نشہ باز کو کسی ظاہری حاکم و بادشاہ کے دربار میں بحالت نشہ جانے کی اجازت نہیں دی جاتی پس جبکہ نشہ باز و شرابی بحالت نشہ و غفلت ایک دنیاوی حاکم کے دربار میں باریاب نہیں ہو سکتا تو جو شخص نشہ باز و غافل جیسی حالت بنائے ہوئے ہو اُس کو احکم الحاکمین کے دربار میں کب شرف باریابی عطا ہو سکتا ہے۔ نشہ کی حالت میں نماز اسی لیے ممنوع ہوئی کہ نشہ باز کو بحالت نشہ معلوم نہیں ہوتا کہ منہ سے کیا کہہ رہا ہے اور اُس کے دل میں کیا گذر رہا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ یعنی نماز اس حالت میں پڑھو کہ تمھارے دل کو معلوم ہو جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہو یعنی اُن کلمات سے تمھارے دل کا واقف و دانا ہونا ضروری ہے جو تمھارے منہ سے نکل رہے ہیں اور جنکو تم اپنی زبان سے پڑھ رہے ہو۔

اختتام وضو پر دعائے توبہ پڑھنے کا راز

وضو میں ساتوں انداموں کو دھونا سات قسم کے گناہوں کو ترک کرنیکی طرف ایماء اور رجوع الی اللہ کی صورت اور صفائی ظاہر و باطن کی استدعا اور زبان حال کی دعا ہے اور اُس کے بعد دعائے توبہ کو زبان قال سے پڑھنا رحمت الٰہی کو جذب کرنے کے لیے بہت ہی مناسب و مؤکد مدعا ہے کیونکہ جب انسان کا ظاہری پانی

سے پاک ہوجاتا ہے تو یہ اُس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کا دل بھی اسی طرح پاک و صاف ہوجاوے مگر وہاں تو دست قدرتِ الٰہی کے سوا کسی اور کی دسترس نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے اِس مقصد کے حصول کے لئے اُسی کے آگے دستِ سوال پھیلایا جاتا ہے

اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین۔

ترجمہ :- یعنی اے خدا مجھے تائبین اور پاکیزہ دلوں کے گروہ میں کیجیو۔

جواب اس سوال کا کہ وضو کی ترتیب کیوں مامور بہا ہے

وضو کی ترتیب منصوص کا خلاف اس لئے ناجائز ہے کہ انسان سے احکام الٰہی کی مخالفت وگناہ کا ظہور اُس ترتیب سے ہوتا ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے لہٰذا اعضائے وضو کو بترتیب منصوص دھونا اُن کو گناہوں اور خدا کی نافرمانیوں سے دھونے اور تائب کرنے کی طرف اشارہ ہے مثلاً جس اندام کے ذریعہ سے انسان سے اولاً گناہ سرزد ہوا اُس کو سب سے پہلے دھونا سب سے پہلے اُس کے ترک گناہ اور توبہ کی طرف ایما ہے۔

خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے چہرے کے دھونے کا امر فرمایا جس میں مُنہ، ناک، آنکھیں شامل ہیں۔ پہلے کُلّی کے ذریعہ زبان کو صاف کیا جاتا ہے جس میں توبۂ زبان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ انسان کی زبان مخالفت احکام الٰہی میں سارے اندامون سے سبقت لے جاتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اکثر خطایا ابن ادم فی لسانہ یعنی بنی آدم سے اکثر گناہ اُس کی زبان کے ذریعہ سے صادر ہوتے ہیں اسی سے الفاظ کفر وغیبت ونمیمت وسب وشتم اور صدہا قسم کے لاطائل اور بیجا کلمات نکلتے ہیں پھر ناک میں پانی ڈالکر اُس کو صاف کیا جاتا ہے جو کہ مشموعات ممنوعہ

اور دماغی کبر و غرور سے توبہ کرنے کی علامت ہے پھر سارے چہرے کو مع دونوں آنکھوں و پیشانی کے دھویا جاتا ہے جو کہ مواجہ کے سارے گناہوں اور آنکھوں کی بدنظری کے چھوڑنے کی طرف اشارہ ہے پھر دونوں ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے جو ہاتھوں کے ترکِ ذنوب کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب انسان باتیں کرتا اور آنکھیں دیکھتی ہیں تو ہاتھ پکڑتے یا چھوتے ہیں۔ پھر سر کا مسح کیا جاتا ہے اور اس کو دھویا نہیں جاتا۔ کیونکہ سر سے بذاتہ کوئی مخالفت صادر نہیں ہوتی بلکہ باتباع زبان اور آنکھ اور ان کی مجاورت کے باعث ہوتی ہے لہٰذا سر کے لئے ایسا حکم ملا جو دھونے اور نہ دھونے کے درمیان ہو اور وہ مسح ہے۔ پھر کانوں کا مسح کیا جاتا ہے کیونکہ اکثر اوقات انسان کے کانوں میں بلا اختیار بغیر قصد آواز آپڑتی ہے لہٰذا اُن کے لئے بھی دھونے اور نہ دھونے کے درمیان یعنی مسح کا حکم ملا اور ایسا ہی مسح گردن کو سمجھو۔

اِن ہر سہ اندامہائے ممسوحہ یعنی سر، کان، گردن کے مسح میں سرکشی گردن کشی اور عدم سماعت حق کے قبیح اعمال سے توبہ کی طرف ایما ہے۔ دوسری وجہ ان مذکورہ بالا اندامون کے مسح کرنے کی یہ ہے کہ اگر ان کو دھونے کا امر ہوتا تو بڑا حرج ہوتا اور لوگ سخت تکالیف میں مبتلا ہوتے کیونکہ جس شخص کو پانچوں نمازوں میں پانچ بار وضو کی حاجت ہوتی اور اس کو سر پر پانچ بار پانی ڈالنا پڑتا تو بلاشبہ یہ فعل اس کے لئے سخت حرج میں داخل ہے حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ یعنی خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی حرج ڈالے۔

پھر پاؤں کو دھویا جاتا ہے کیونکہ آنکھیں دیکھتی اور زبان بات کرتی اور ہاتھ حرکت کرتے اور کان سنتے ہیں اور سب کے بعد پاؤں چلتے ہیں لہٰذا پاؤں کو دھونا

سب سے آخر ٹھیرا کیونکہ اُن سے مخالفت الٰہی کی حرکت سب سے آخر میں سرزد ہوتی ہے پس سب سے آخر اُن کی توبہ کی نوبت آئی ہے اور تین بار ہر اندام کو دھونا توبہ کے ارکانِ ثلثہ۔ ندامت برگناہ۔ ہوتترک اور آئندہ گناہ کو ترک کرنے کیلئے عزم بالجزم کی طرف ایماء ہے۔

حکمتِ طہارت صغریٰ و کبریٰ بطور اختصار

طہارت اس لئے کی جاتی ہے کہ باطن منور رہو جائے اور اُنس و سرور پیدا ہو اور افکار ردّیہ دُور ہو جاویں۔ اور تشویشات و پراگندگی اور پریشانی و افکار رُک جائیں۔ پس طہارت کی روح نور باطن و سرورِ دل و اطمینانِ خواطر ہے۔

سر اور کانوں کے مسح کیلئے جدید پانی لینے کی حکمت

وضو میں مسح سر و کانوں کیلئے جدید پانی لینا گناہ ممسوح کی تجدید توبہ کی طرف ایماء ہے۔

مٹی اور پانی ہی سے طہارت مشروع ہونے کا راز

مٹی و پانی سے طہارت کا مشروع ہونا فطرتِ مستقیمہ و عقولِ سلیمہ کے موافق ہے۔ (۱) خدا تعالیٰ نے پانی اور مٹی کے درمیان قدرۃً و شرعاً اخوت ڈالی لہذا اِن دونوں کو طہارت کے لئے جمع کیا۔ وجہ یہ ہے کہ آدم اور اُس کی اولاد کو خدا تعالیٰ نے اِن ہی سے پیدا کیا۔ گویا ہمارے والدین اور اُن کی ذریت کے لئے مٹی اور پانی والدین ہیں۔ (۲) خدا تعالیٰ نے ہر زندہ چیز کی زندگی پانی اور مٹی سے ٹھیرائی اور اِن ہی سے بنی آدم اور چرندوں پرندوں درندوں کی قوت بنائی کیونکہ مٹی اور پانی جو عام ہے ہر جگہ مل سکتے ہیں۔ (۳) منھ کا مٹی سے آلودہ کرنا خدا تعالیٰ

کو پسند آتا ہے۔ چونکہ ان دونوں اشیاء کا عقد آپس میں قدرتی طور پر محکم اور قوی ہے۔ لہٰذا شرعاً بھی ان کا آپس میں عقد ٹھیرانا خوب و مناسب تر ہے۔

بطور استحباب وضو کا باقی پانی پینے کا راز

وضو کا بچا ہوا پانی پینے میں یہ راز ہے کہ جس طرح انسان اپنے ظاہری اندامون پر پانی ڈالکر ظاہری اندامون کے گناہوں سے تائب اور طالب مغفرت ہوتا ہے ایسا ہی متوضی کی طرف سے وضو کا بقیہ پانی پینے سے یہ ایماء ہوتا ہے کہ اے میرے خدا جس طرح تو نے میرے ظاہر کو پاک کیا ایسا ہی میرے باطن کو پاک و صاف کر۔

وضو کیلئے سات اندام مخصوص ہونے کی وجہ

(۱) انسان کی بناوٹ اور وضع پر غور کرو تو تم پر واضح ہو گا کہ اس کے سات اخلاقی اعضاء جن پر تمام شرائع و قوانین کا دار مدار ہے وہ ذو وجہین و ذو قوتین یعنی دو رُخے اور دوہری قوتوں والے ہیں۔ اور وہ سند رجہ ذیل ہیں۔
زبان۔ آنکھ۔ کان۔ دماغ۔ سر جس میں ناک بھی شامل ہے۔ ہاتھ۔ پاؤں بشرمگاہ یہی اعضاء ہیں جنکے ساتھ اخلاقی شریعت بلکہ قوانین معاش و معاد کا تعلق ہے اور وہ ذو وجہین اس طرح ہیں کہ ان ہی سے تو انسان خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہو کر اپنے لئے سات دوزخ کی راہ بناتا ہے اور ان ہی کے وسیلے سے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری و اطاعت کر کے سات بہشت اپنے اعمال حسنہ کے بدلہ میں اور ایک زائد بطور انعام واکرام پاتا ہے۔ کیونکہ کریم کا یہ طریق ہے کہ وہ اپنی خوشی و رضا کے اظہار میں حق معوض سے بڑھکر اجرت دیا کرتا ہے۔

(۲) وضو میں سات اندامون کو دھوتا سا توں قسم کے اصول جرائم سے تائب

ہو نیکی طرف ایماہے۔ چنانچہ آیت۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ
میں ہر طہارت کنندہ کو باطنی پاکیزگی و صفائی اور انابت الی اللہ اور ترک گناہ کی طرف
توجہ دلائی گئی ہے پس سات اندامون کے لئے وضو کا مخصوص ہونا ان کو ساتوں قسم کے
گناہوں سے دھونے اور سیئات سے دست برداری دینے کی طرف اشارہ ہے تاکہ
انسان آثارِ دوزخ سے نجات پائے اور قابلِ دخولِ بہشت ہو۔ اسی امر کی طرف
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہیں ما منکم من احد یتوضأ فیسبغ
الوضوء ثم یقول اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین
الا فتحت لہ ابواب الجنۃ الثمانیۃ یدخل من ایھا شاء۔

ترجمہ:۔ یعنی تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو پورا پورا وضو کرے اور پھر
اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین۔ پڑھے مگر اس کے لئے
آٹھوں بہشتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے داخل ہو
یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو کا تقرر منجملہ اور وجوہ کے
توبہ و صفائی دل کے لئے بھی ہے اور ساتوں اندامون کا دھونا اسی وجہ سے ہے
کہ یہی اعضاء درکات جہنم اور یہی اعضاء درجاتِ بہشت کے راستے ہیں ؎

راہِ جنت نار و این اعضائے تست * ہر چہ کاری بدروی برپائے تست

یہی سات اعضاء ہیں جن کے ذریعہ سے نفس امارہ کی ناپاک و ناجائز
حرکات کا صدور ہوتا ہے ؎

قصۂ نفس از پیری اے پسر قصۂ دوزخ بخواں باہفت سر

(۴) خدا تعالیٰ نے انسان کو ایسی فطرت پر پیدا کیا ہے کہ وہ جو کچھ آنکھ سے دیکھے

ہے۔ کان سے سنتا ہے، ناک سے سونگھتا ہے، زبان سے چکھتا ہے، ہاتھ سے چھوتا ہے اس کا اثر اس کے دل پر پہنچتا ہے۔ اور ایک خیال اس میں پیدا ہوتا ہے جو اس کے اخلاق پر اثر کرتا ہے انسان کے دل کے اندر سے نکلنے والی چیزوں کی بہ نسبت وہ چیزیں زیادہ ہیں جو باہر سے اُس کے دل کے اندر جاتی ہیں۔ بلکہ ٹھیک ٹھیک یوں کہنا چاہیئے کہ جو کچھ انسان کے دل سے نکلتا ہے وہ وہی ہے جو باہر سے اُس کے دل میں جاتا ہے پس صفاء دل کیلئے ان اعضاء سبعہ کا دھونا بڑا مفید ہے جن کا اثر انسان کے اندر دل میں جاکر پیدا ہوتا ہے کیونکہ جیسا کہ ظاہری اندامون کو دھونے سے ان میں نشاط و سرور و نور پیدا ہوتا ہے ایسا ہی دل میں بھی اثر ہوتا ہے۔

ہر اندام وضو کو تین بار دھونیکا راز

(۱) ہر اندام وضو کو تین بار دھونا تین ارکان توبہ کی طرف ایماء ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

موجودہ حالت گناہ سے نکلنا۔ ندامت بر کردہ۔ آئندہ کیلئے ترک گناہ کا عزم بالجزم

(۲) ہر اندام وضو کو تین بار تک دھونا اس لئے مقرر ہوا کہ تین سے کم دھوتے میں نفس پر پورا پورا اثر نہیں پیدا ہوتا اور یہ امر تفریط میں داخل ہے اور زیادہ دھونے میں افراط و اسراف ہے کیونکہ اگر دھونے کے لئے ایک حد معین نہ ہوتی تو بعض اوہامی انسان سارا دن ہاتھ پاؤں ہی دھونے میں گذار دیتے اور ان کی نماز کا وقت گذر جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے۔ فرمایا نعم ولو کنت علی ضفۃ نھر جار۔

ترجمہ:۔ یعنی بیشک وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے خواہ تم نہر جاری کے کنارہ

پر بیٹھکر وضو کرو۔

اور گو بعض صورتوں میں اندا موں پر بار بار پانی ڈالنے سے پانی تو ضائع نہیں ہوتا مگر متوضی کا وقت ضرور ضائع ہوتا ہے اور وقت کا ضائع کرنا بڑا بھاری اسراف ہے

حکمۃ السواک فی الاسلام

(۱) یوں تو بالعموم دانتوں کو صاف کرنا اور اُجلا بنانا بڑے بڑے فوائد پہنچنی ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بات بھی نہایت ہی انسب اور معمدہ ہے کہ جب کسی عالیشان دربار میں جانا ہو تو قبل از حضور دربار ظاہری شکل و شباہت کا سنوارنا اور دانتوں کو صاف کرنا بھی بڑا ضروری ہے۔ کیونکہ بات چیت کرنے کے وقت دانتوں کی زردی اور میل نظر پڑنے سے طبائع سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے۔ پس احکم الحاکمین رب العالمین سے بڑھکر کس کا دربار عالیشان ہو سکتا ہے جس کے لئے یہ اہتمام کیا جائے کیونکہ ان اللہ جمیل یحب الجمال۔ یعنی خدا تعالیٰ خوب ہے اور وہ خوبی کو پسند کرتا ہے سو جبکہ یہ بات ٹھیری تو دانتوں کے میل اور بُوئے دہن کو وہ کب پسند کر سکتا ہے اس وجہ سے اعظم شعائر اللہ یعنی نماز پڑھنے سے پہلے جیسا کہ دیگر قاذورات اور میل کچیل کو صاف کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے ایسا ہی دانتوں کے میل و منہ و مسوڑوں کی عفونت کو رفع کرنا بھی مستحسن ہے یہی وجہ ہے کہ نماز سے پہلے مسواک کا استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ تعظیم شعائر اللہ کے لئے جو امور بجالائے جاتے ہیں اُن سے جسمانی فوائد حاصل ہونے کے علاوہ اُخروی اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔

(۲) اگر بہت دنوں تک مسواک نہ کی جاوے تو مسوڑوں اور دانتوں میں بقیہ وذائے غذا کے رہنے اور میل جم جانے سے منہ میں تعفن اور بدبو ہو جاتی ہے اور جب

انسان مسجد کے اندر نمازیوں میں جاکر کھڑا ہوتا ہے تو اُس کی بُو سے اُن کو اور ارواح طیبہ ملائکۃ اللہ کو ایذا پہنچتی ہے اور یہ امر عند اللہ وعند الناس مقبوح و مکروہ ہے۔

وضو باسم خدا مقرر ہونے کا راز

جبکہ طہارت نماز حسب فرمودۂ خداوند کریم مقرر ہوئی تو لازم ہے کہ اُسی کے نام و نیت سے شروع بھی ہو تاکہ ثواب ہو۔ انما الاعمال بالنیات ؎

سید الاعمال بالنیات گفت　　　نیت خیرت بسے گلہا شگفت

کیونکہ اگر وضو محض حسب عادت بحالت غفلت کیا جاوے اور اُس میں اطاعت امر الٰہی و قربت الی اللہ کا خیال نہ ہو تو اُس پر ثواب مترتب نہیں ہوتا اس لیے وضو باسم اللہ مقرر ہوا تاکہ نماز و نیاز و قربت الٰہی و انابت الی اللہ کا خیال دل میں پیدا ہو اور انسان حجاب غفلت سے باہر آوے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔ یعنی جس نے وضو کرنے میں خدا کا نام نہیں لیا اُس کا وضو نہیں ہوتا۔ (ابن ماجہ)۔

جواب اس سوال کا کہ جبکہ منھ ہاتھ پاؤں کو تین تین بار دھویا جاتا ہے تو سر اور کانوں کا مسح تین تین بار کیوں نہ شروع ہوا

دراصل جیسا کہ دیگر اعضاء کا دھونا تین تین بار مشروع ہوا ہے ایسا ہی سر اور کانوں کا مسح بھی تین تین بار تھا مگر بوجہ رفع حرج دو بار معاف اور ایک بار باقی رہا۔ شرح مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مجتبائی صفحہ ۲۱۴ اور ۲۸ ملاحظہ ہو۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ درحقیقت سر اور کانوں کو نہ دھونا اور پانی

مسح کرنا رفع حرج کے لئے مقرر ہوا ہے اور اگر ان کے دھونے میں بھی تثلیث ہوتی تو رفع حرج کی حکمت ضائع ہو جاتی کیونکہ جس اندام پر تین بار ہاتھ پھیرے جائیں وہ قریباً سارا تر ہو جاتا ہے۔
سخت سرد ممالک میں سر اور کانوں کو سردی سے بچانے کے لئے بڑا اہتمام کیا جاتا ہے پس جن کو ایسے ممالک میں پانچ بار روزمرہ سر اور کانوں کو دھونا پڑتا اُن کے لئے یہ امر باعث ہلاکت ہو۔ غرض تھا یہی وجہ ہوئی کہ بطور احتیاط و حفظ تقدم سر اور کانوں کا مسح ایک ایک بار مشروع رہا۔

وضو میں ہر داہنے عضو کو پہلے دھونے کی وجہ اور استنجا اور ناک جھاڑنے کا بائیں ہاتھ سے مخصوص ہونے کا راز

(۱) وضو کو ہر داہنے عضو سے شروع کرنا اس واسطے ٹھیرا ہے کہ ہر داہنے عضو کو بائیں پر فضیلت ہے اور فضیلت کا کام پہلے فضیلت والے ہی کو دیا جاتا ہے ع کہ دارد فضیلت یمیں بر یسار۔ لہٰذا جو چیزیں دونوں جانب مستعمل ہیں اُن میں تو دائیں عضو کو مقدم رکھا اور جو ایک جانب مستعمل ہیں اگر وہ محاسن اور طیبات کی قسم سے ہوں تو اُن کے ساتھ داہنی طرف کو خاص کرنا مناسب ہے یہی قانون خدا تعالیٰ کے ہاں جاری ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ (پارہ ۱۱ سورہ ہود) یعنی خدا تعالیٰ فضیلت والی چیز کو اُس کی فضیلت عطا فرماتا ہے۔
(۲) جس کو مرتبہ عدالت و اعتدال کی ورزش مقصود ہوتی ہے وہ ہر چیز کو

اُس کا حق عطا کرتا ہے کھانے پینے اور پاکیزہ چیزوں کے لئے داہنے ہاتھ کو اور نجاست دُور کرنے کے لئے بائیں ہاتھ کو خاص کرتا ہے۔ ابن ماجہ میں ہے عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یحب التیامن فی الطھور وترجل اذا ترجل وفی انتعال اذا انتعل۔

ترجمہ:۔ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دائیں طرف سے وضو شروع کرنا شانہ کرنا اور پاپوش پہننا پسند فرماتے تھے۔ شارح ہندی نے بھی ان امور کی وجہ یہی فضیلت و شرافت بیان کی ہے۔

(۴) جبکہ یہ بات مسلّم ہو چکی ہے کہ انسان کے ہر فعل مناسب و نامناسب کا اثر انسان ہی کے دل پر پڑتا ہے تو اس سے واضح ہوا کہ جس فعل کو اپنے مناسب طریق سے پھیر کر غیر مناسب طور پر کیا جاوے اُس کا اثر بھی دل میں غیر مناسب ہی پیدا ہوگا یہی وجہ ہے کہ دستِ راست سے استنجا کرنا ناک جھاڑنا اور دستِ چپ سے بغیر عذر کے کھانا پینا موجب غموم و ہموم و باعث قساوتِ قلب ہے۔

وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا راز

(۱) تقویت و تصفیہ خون دل و جگر کے لئے ہاتھوں کا دھونا مفید ہے چنانچہ حاذق اطبا پر یہ امر مخفی نہیں ہے اور یہ امر بوجہ احسن اُسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ ہاتھوں کی وہ تمام رگیں جو بواسطہ اور بغیر واسطہ دل اور جگر کو پہنچتی ہیں وہ دھونے میں شامل ہو جائیں اور جو رگیں دل و جگر تک پہنچتی ہیں وہ کچھ ہاتھ کی انگلیوں سے اور کچھ کفِ دست و ساعد سے اور کچھ کہنیوں سے شروع ہوتی ہیں اسی وجہ سے کہنیوں تک ہاتھوں کا دھونا مقرر ہوا تاکہ تمام رگیں دھونے میں داخل ہو جائیں

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہاتھوں کے اور منہ کے دھونے سے دل اور جگر کو تقویت پہنچتی ہے اور پانی کا اثر رگوں کے ذریعہ سے اندر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ آیا ہے یعنی وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ تو جو لوگ فن سرجری (جراحی) جانتے ہیں یا ماہر ہیں وہ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ اکحل رگ جس کا دوسرا نام ہفت اندام اور تیسرا ابھر البدن ہے جب کبھی دل و جگر یا جلدی بیماریوں کے دفع کرنے اور تصفیہ خون کے لئے اس رگ کا خون نکالنا تجویز کرتے ہیں تو کہنی کے برابر سے ہی اس رگ پر نشتر لگا کر خون نکالا کرتے ہیں کیونکہ اس جگہ میں یہ رگ ظاہر و باہر بھی ہوتی ہے۔ نیز علاوہ دل و جگر کے اس کا اثر سارے بدن پر حاوی بھی ہے پس ہاتھوں کا دھونا کہنیوں تک بھی اس لئے مقرر ہوا کہ ابھر البدن کے ذریعہ سے پانی کا اثر پورا پورا اندر چلا جائے۔

(۳) جبکہ وضو میں اصل اطرافِ بدن کا دھونا مقرر ہے تو ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا اس لئے ٹھیرا کہ اس سے کم کا اثر نفس انسانی پر کچھ محسوس نہیں ہوتا کیونکہ کہنی سے کم عضو نا تمام ہے۔

وضو میں ناک کو صاف کرنے کی حکمت

(۱) ہر مذہب و ملت کے لوگ ناک کی بلغمی رطوبتوں کو رفع کرنا پسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر ناک کو اندر سے نہ دھویا جائے تو ناک کی منجمد بلغم سے دماغ میں برا اثر پہنچتا ہے جو بسا اوقات باعثِ ہلاکت ہوتا ہے نیز اہل عرب کے عرف میں ناک کے لفظ کو عزت اور بڑائی کے محل پر استعمال کرتے ہیں چنانچہ جب وہ کسی کیلئے بد دعا کرتے ہیں تو کہتے ہیں ارغم اللہ انفہ یعنی خدا تعالیٰ اس کی ناک خاک آلود کرے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اُس کو عزت و بڑائی کے مقام سے ذلت میں گرائے یعنی ناک کو دھونا اپنے کبر و غرور کو چھوڑنے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں اپنی کسرنفسی دکھانے کی طرف اشارہ ہے۔ (فتوحات مکیہ)

وضو میں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونیکا راز

(۱) پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے میں یہ راز ہے کہ وہ رگیں جو پاؤں سے دماغ کو پہنچتی ہیں وہ کچھ پاؤں کی انگلیوں سے اور کچھ ٹخنوں سے شروع ہوتی ہیں اور ان سب کو دھونے میں شامل کر لینے سے دماغ کے بخارات رد یہ بجھ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پاؤں کا دھونا ٹخنوں تک وضو میں مقرر ہوا۔ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ یعنی پاؤں کو ٹخنوں تک دھو لو۔

(۲) چونکہ پاؤں اکثر ٹخنوں تک ننگے رہتے ہیں اور ان پر اجرام موذیہ اور گرد و غبار پڑتا رہتا ہے لہذا پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے کا امر ہوا۔

(۳) پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے میں یہ راز بھی ہے کہ اس سے کم ناتمام عضو ہے لہذا سارے عضو کا دھونا مقرر ہوا تاکہ اس دھونے کا اثر بالاستیعاب ہو۔

بحالت عدم موزہ وضو میں پاؤں کو دھونیکا راز اور موزہ کے مدام نہ ہونیکا راز

پاؤں کا ظاہر حال اس امر کا مقتضی ہے کہ جب پاؤں پر موزے نہ پہنے ہوں تو ان کو وضو میں دھونا ہی لازم ہے کیونکہ ننگے پاؤں پر گرد و غبار و اجرام پڑتے اور جمتے رہتے ہیں اس لئے بحالت برہنگی ان کا دھونا ہی فرض ہے ہم قبل ازیں لکھ چکے

ہیں کہ اطراف بدن کے اندا موں کے دھونے کا امر اس لئے بھی ہوا کہ جسم کے اندرونی حصے کے زہریلے مواد خارج ہو کر ان میں جمع ہوتے رہتے ہیں اور ان کی سمیت جوش مار کر خطرناک امراض کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور دھونے سے جوش سمیت دھیما پڑ جاتا ہے یا کہ از راہ مسامات خارج ہو جاتا ہے اور جب برہنہ اطراف بدن کو دھویا نہیں جاتا تو گرد و غبار پڑنے سے مسامات بند ہو جاتے ہیں اور مسامات کے بند ہونے سے زہریلے مواد پھر اندر کی طرف جا کر موجب ایذا و درد ہوتے ہیں پس عدم موزہ کی حالت میں دھونا مقرر ہوا تا کہ اس تنگی میں جو اعضاء جسم بسبب اور گرد و غبار جمع ہوا ہے وہ زائل ہو جاوے جیسا اس شرح میں اول بیان ہوا اور موزہ کی دواماً اجازت نہ ہوئی تاکہ جو خبیث مادے باطن سے ظاہر کی طرف آ کر جمع ہوئے ہیں وہ زائل ہو جاویں جیسا اس شرح میں دوسری حکمت بیان کی گئی ہے اور یہ دونوں فائدے پاؤں پر مدام موزہ رکھنے میں کہ اس حالت میں وہ کبھی نہ دھلتا یا پاؤں پر محض تھوڑے سے پانی سے مسح کرنے میں حاصل نہ ہوتے یہی وجہ ہے کہ مسح موزہ کی انتہائی مدت تین دن رات سے زیادہ مقرر نہیں ہوئی بلکہ موزہ پر مسح کرنے والے مقیم کو تو ہر ایک دن اور رات کے بعد اور مسافر کو ہر تین دن اور رات کے بعد دھونے کا امر ہوا نیز محض مسح صرف تو بو اناپت کی طرف تو توجہ دلاتا لیکن دھونے میں تقویت دماغ اور صفائی جلد و انکشاف مسامات بھی مقصود ہے خلاصہ یہ کہ اگر پاؤں پر صرف مسح ہی ہوتا تو اور جو باقی اہم مقصود ہیں وہ حاصل نہ ہوتے۔

طہارت معنوی پر عام نظر

اخلاق فاسدہ و اوہام باطلہ سے پاک رہنے کا سبق سکھانا اسلام کا خاصہ ہے کیونکہ اوہام

باطلہ واعمالِ واخلاقِ فاسدہ نفسِ انسانی کو ایسے گندہ کرنے والے ہیں جیسے انسانی جسم غلاظتوں اور نجاستوں سے ناپاک ہوجاتا ہے اِس لئے اسلام نے اِن سب سے پاک وصاف ہونے کا امر فرمایا اِسی طہارتِ معنوی میں یہ بھی داخل ہے کہ شہوت بیجا و حرص نفسانی کی آلودگی اور رعونیتِ نفس یعنی خود بینی سے پاک وصاف ہوجاوے کہ اِس حکم الٰہی میں تمام لوگوں کے ساتھ شامل ہونے سے انسان کو اپنے اور دوسرے کے درمیان مساوات اور برابری حقوق کا پتہ ملتا ہے خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا ہو اِسی طرح کسی کی حق تلفی نہ کرنا بھی طہارت معنوی میں داخل ہے اور طہارتِ جسم میں اِس طہارتِ باطن کی طرف بھی اشارات ہیں چنانچہ مختصراً کچھ اشارات لکھے جاتے ہیں طہارتِ صغریٰ کے بھی اور طہارتِ کبریٰ کے بھی۔

طہارتِ دست حسب فرمودہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طہارت شطر ایمان ہے پس مومن کو لازم ہے کہ طہارت کے معنی مقصودہ و مرادات مطلوبہ کو سمجھ کر اُس کی عظمتِ شان کا حق بجا لائے ہاتھوں سے کسی ایسی حرام چیز کو پکڑنے اور لینے سے پاک وصاف وطاہر رکھے جس میں حکم الٰہی کی مخالفت ہو ناحق کسی کو نہ مارے نہ کسی کا مال چھینے نہ کسی کو ضرر دینے کے لئے دست درازی کرے چنانچہ ایک حدیث شریف میں اِسی طرف ایما ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ترجمہ۔ یعنی مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت ہیں۔

طہارتِ دہن جب منہ کو صاف کرنے کے لئے منہ میں پانی ڈالے تو اُس وقت حرام چیزوں کے کھانے پینے اور حرام باتیں منہ سے نکالنے کی طہارت کو ملحوظ رکھے یعنی ایسے اقوال کو منہ سے نکالنے اور ایسی اشیاء کے کھانے کو

اپنے مُنہ سے نفی کرنے کے لئے مستعد رہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اُس کا مُنہ روحانی نجاست سے آلودہ ہو کر مستحق لعنت بنے اور ایسی چیزوں کے کھانے پینے اور ایسے اقوال مُنہ سے نکالنے کے لئے تیار رہے جن سے اُس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملے اور ملاء اعلیٰ میں مستحق صفت و ثنا ہو۔

طہارت بینی جب ناک کو پاک کرنے کے لئے ناک میں پانی ڈالے تو غیر اور جھوٹی کی خوشبو سونگھنے کے لئے آمادہ ہوا اور بدبو یا اور شرارت کی بو کو پھینک دے۔ ناک کی طہارت میں ننگ و خود بینی سے پاک رہنے کو غور کرے کیونکہ ننگ و خود بینی و عار ایسے امور ہیں جن سے انسان میں اپنے ہی بنی نوع پر بلندی اور بڑائی چاہنے کا اور نافرمانیٔ الٰہی کا خیال و مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔

طہارت چہرہ اپنا چہرہ دھونے کے وقت ماسوائے الٰہی سے اپنی تمام اُمیدیں اور توجہات ایسے اعمال بجا لانے سے منقطع کر دے جن کا رُخ و رجوع خدا تعالیٰ کی طرف نہ ہو اور اپنے مُنہ پر آب شرم ڈالے اور بے شرمی سے پردہ شرم کو خدا تعالیٰ اور لوگوں کے آگے سے نہ اُٹھا دے اور اپنی آبرو کو غیر اللہ کے لئے صرف نہ کرے۔

طہارت گردن مسح گردن کے وقت حرص و ہوائے نفسانی سے اپنی گردن کو چھڑاتے پر اور خدا تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری و اطاعت کا حق ادا کرنے پر اور گردن کشی کا خیال چھوڑنے پر آمادہ ہو تاکہ اسی اشیاء کے حلقۂ اطاعت سے اپنی گردن چھڑا کر آزاد ہو جائے۔ جو حضور الٰہی سے مانع ہیں۔

طہارت پشت پیٹھ دھونے کے وقت تکیہ بر ماسوی اللہ سے اور کسی حق گو

وعادل کی غیبت کرنے سے دست برداری کو مد نظر رکھے۔

طہارتِ سینہ	سینہ دھونے کے وقت اپنے سینہ سے مخلوق الٰہی کے ساتھ کینہ کرنے کے اور تمام و سوسا شیطانی کے خیالات کو نکال ڈالے۔
طہارتِ شکم	اپنے شکم دھونے کے وقت اشیاء حرام و مشتبہ کھانے اور پینے سے طہارت شکم کو مدنظر رکھکر ایسی نجاستوں سے اپنے شکم کو پاک رکھے
طہارتِ شرمگاہ وران	شرمگاہ وران دھونے کے وقت تمام امور ممنوعہ کے لئے بیٹھنے اور اٹھنے سے اپنے آپ کو بچاوے۔
طہارتِ قدم	پاؤں دھونے کے وقت حرص و ہوائے نفسانی کیلئے چلنے اور ایسے امور کی طرف قدم زنی کرنے سے اپنے قدموں کو بچاوے جو

اس کے دین میں مضر ہوں اور جن سے کسی مخلوق الٰہی کو ضرر پہنچے ؎

خدا را براں بندہ بخشائش است ۔ کہ خلق از وجودش در آسائش است

باب التیمم

تیمم کو خلیفہ وضو و غسل ٹھیرانے کی وجہ

(۱) خدا تعالیٰ کی عادت یوں جاری ہے کہ بندوں پر جو چیز دشوار ہوتی ہے وہ اُن پر آسان و سہل کر دیتا ہے اور آسانی کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جس کام کے کرنے میں دقت ہو اس کو ساقط کر کے اُس کا بدل کر دیا جاوے تاکہ اِس بدل سے اُن کے دل ٹھکانے رہیں اور جس چیز کا وہ غایت درجہ التزام کر رہے

تھے دفعتہً اُس کے ترک کر دینے سے جبکہ بدل نہ ہوتا اُن کے دل متردد اور پریشان نہ ہوں اور ترک طہارت کے عادی نہ ہوجائیں لہذا خدا تعالیٰ نے بموقع ضرورت تیمم کو خلیفہ وضو و غسل ٹھیرایا اور منجملہ طہارت کے تیمم بھی بوجہ مشابہت کے ایک قسم کی طہارت ٹھیر گیا۔

وضو و غسل کے تیمم میں فرق نہونیکی وجہ

علامہ ابن قیم اس امر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں واما کون تیمم الجنب کتیمم المحدث فلما سقط مسح الراس والرجلین بالتراب عن المحدث سقط مسح البدن کلہ بالتراب عنہ بطریق الاولیٰ اذ فی ذالک من المشقۃ والحرج والعسر ما ینا قض رخصۃ التیمم و یدخل اکرم المخلوقات علی اللہ فی شبہ البھائم اذا تمرغ فی التراب فالذی جاءت بہ الشریعۃ لا مزید فی الحسن والحکمۃ والعدل علیہ وللہ الحمد۔

ترجمہ۔ یعنی جنبی اور بے وضو کا تیمم یکساں ہونے میں یہ حکمت ہے کہ جب کہ بے وضو آدمی کے لئے تیمم میں ہاتھ اور منہ پر مسح کرنے کے بعد سر اور پاؤں کا مسح ساقط ہوگیا تو ان ہی اعضا یعنی ہاتھ اور منہ پر مسح کرنے کے بعد جنبی کیلئے سارے بدن کا مسح بدرجۂ اولیٰ ساقط ہوجانا چاہئے کیونکہ سارے بدن کے مسح کرنے میں تکلیف اور حرج ہے جو رخصت تیمم کے لئے منافی و مناقض ہے اور سارے بدن پر جنبی کو مٹی ملنے میں خدا تعالیٰ کی افضل مخلوقات یعنی انسان کو خاک میں لوٹنے میں بہائم کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے پس جو کچھ شریعت حقہ نے مقرر کیا ہے حسن اور خوبی اور عدل میں اُس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

مٹی سے تخصیص تیمم کی وجہ

حضرت علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین عن رب العالمین میں مٹی سے تخصیص تیمم کے سوال پر کچھ جوابات لکھے ہیں جن کا خلاصہ ترجمہ ہم یہاں اردو میں لکھتے ہیں۔

سوال۔ تیمم ایک وجہ سے خلاف عقل ہے کیونکہ مٹی خود آلودہ ہے وہ نہ پلیدی اور میل کو دور کرتی ہے اور نہ بدن اور کپڑے کو پاک کر سکتی ہے۔

جواب۔ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کی ہر چیز کو مٹی اور پانی سے پیدا کیا۔ ہماری سرشت کی اصل یہی دونوں چیزیں ہیں جن سے ہمارا نشوونما ہماری تقویت وغذا ہوتی ہے جس کا ہم کو مشاہدہ ہو رہا ہے پس جبکہ خدا نے اس مٹی اور پانی کو ہمارے نشوونما و تقویت غذا کے اسباب ٹھیرائے تو ہمارے پاک اور ستھرے ہونے کے لئے اور عبادات میں مدد لینے کے لئے بھی انھیں کو وضع فرمایا وجہ یہ کہ مٹی وہ اصل چیز ہے جس سے بنی آدم وغیرہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ ادھر پانی ہر چیز کی زندگی کا باعث ہے۔ الغرض اس عالم کی تمام اشیاء کی پیدائش کی اصل یہی دونوں چیزیں ہیں مٹی اور پانی جن سے خدا نے اس عالم کو مرکب کیا ہے پس جبکہ ہماری ابتدائی پیدائش اور تقویت اور نشوونما مٹی اور پانی سے ہوتی ہے تو جسمانی و روحانی پاکی کے لئے بھی انھیں کو خدا نے ٹھیرایا۔

(۲) عادۃً پلیدی و گندگی کو زائل کرنیکا رواج پانی سے بکثرت ہے اور جب بحالت مرض و عدم وجود آب عذر لاحق ہوجاوے تو طہارت کے لئے پانی کے دوسرے ساتھی اور ہمسر یعنی مٹی کو بہ نسبت کسی دوسری چیز کے مقرر کرنا زیادہ مناسب ہے۔ (۳) تیمم کے لئے زمین اس واسطے خاص کی گئی ہے کہ زمین

کہیں بھی ناپید اور مفقود نہیں ہوتی تو ایسی چیز اس قابل ہو سکتی ہے جس سے لوگوں کی دقت رفع ہو سکے۔

(۴) مُنہ کو خاک آلودہ بنا نا کسرِ نفس وانکسار و عاجزی پر دلالت کرتا ہے اور یہ امر خدا تعالیٰ کو بہت پسند ہے سو تیمم کے لئے مٹی استعمال کرنے میں خاکساری اور ذلت پائی جاتی ہے اور ذلت کی شان طلب عفو کی مناسب ہے یہی وجہ ہے کہ سجدہ کرنے میں اپنے مُنہ کو مٹی سے نہ بچانا پسندیدہ اور مستحب ٹھہرایا گیا ہے۔

تیمم میں دو اندامیوں کے مخصوص ہونیکی وجہ اور پاؤں اور سر پر مسح تیمم مشروع نہ ہونے کا راز

تیمم دو اندامیوں ہاتھوں اور مُنہ کے ساتھ مخصوص ہونا اور پاؤں اور سر پر تیمم مشروع نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ مٹی کا سر پر ڈالنا ناپسند و مکروہ امر شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مٹی کا سر پر ڈالنا مصائب اور تکالیف کے وقت لوگوں میں مروّج ہے اس وجہ سے سر پر مٹی ملنا مشروع نہیں ہوا کیونکہ یہ امر عند اللہ و عند الناس مکروہ و ناپسند ہے اور تیمم میں پیروں پر ہاتھ پھیرنے کا اس لئے حکم نہیں دیا گیا کہ پیر تو خود ہی گرد و غبار سے آلودہ رہتے ہیں اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے جو پہلے سے نہ پائی جاتی ہو تاکہ نفس میں اس کے کرنے سے تنبیہ پائی جاوے حضرت ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ تیمم کے دو اندامیوں کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔ واما کونہ فی عضوین ففی غایۃ الموافقۃ للقیاس والحکمۃ فان وضع التراب علی الرؤس مکروۃ فی العادات وانما یفعل

عند المصائب والنوائب والرجلان محل ملابسۃ التراب فی اغلب الاحوال وفی تتریب الوجہ من الخضوع والتعظیم للہ والذل لہ والانکسار للہ ما ھو من احب العبادات الیہ وانفعہا للعبد (اس عبارت کا اکثر ترجمہ اوپر ہو چکا ہے) (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ تیمم صرف دو ایسے مغسول اندامون میں مشروع ہے جو وضو کرنے میں مدام دھوئے جاتے ہیں اور دو ممسوح اندامون سے تیمم ساقط ہو گیا کیونکہ پاؤں پر موزے پہنکر اور سر پر ہر حال میں مسح ہوتا ہے پس جبکہ دو مغسول اندامون کے لیے صرف مسح پر اکتفا کیا گیا تو دو ممسوح اندامون کو تو ساقط ہی کر دینا مناسب ہے کیونکہ اگر ان پر بھی مٹی سے مسح مشروع ہوتا تو اس سے حکمت سہولت و آسانی میں فرق آتا جو مصلحت الٰہی کے برخلاف ہے۔

باب الغسل

حائض و جنبی کے مسجد میں داخل نہ ہونیکی وجہ

جنبی اور حائض کو مسجد کے اندر جانا اس لئے ناجائز ہوا کہ مسجد نماز اور ذکر الٰہی کرنے کی جگہ ہے اور شعائر الٰہی میں سے ہے اور کعبہ کا ایک نمونہ ہے اس لئے اسکے اندر جانا ایسی ناپاک حالت میں ناجائز ہوا۔ وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ۔

جس مکان میں کتا یا جنبی یا تصویر ہو اسمیں ملائکہ رحمت کے نہ آنے کی وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لا یدخل الملائکۃ بیتا

فیہ صورۃ ولا کلب ولا جنب یعنی جس مکان میں تصویر ہوتی ہے نہ اس میں فرشتے آتے ہیں اور نہ جس میں کتا ہو اور نہ جس میں جنبی آدمی ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں سے فرشتوں کو نفرت ہے کیونکہ فرشتوں کے اندر جو صفات پائی جاتی ہیں یعنی تقدس اور نجاست ظاہری و معنوی مثلاً بت پرستی اور ان کے سے نفرت یہ سب چیزیں ان صفات کی منافی اور باطل ہیں اس لئے ضدین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔

کافر کے مسلمان ہونیکے وقت اس کیلئے غسل کرنے کی وجہ

ایک شخص اسلام لایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہانے کا امر فرمایا اور دوسرے شخص کو ارشاد کیا کہ کفر کی علامت کو اپنے آپ سے دور کر دے یعنی سر منڈا دے اس میں بھید یہ ہے کہ اس شخص کو ظاہر میں بھی ایک بری چیز سے باہر آجانا متمثل ہو جاوے اور نیز اس کو آگاہ کیا گیا کہ جیسا وہ اپنے ظاہر بدن کو غسل دیتا ہے ایسا ہی اپنے باطن کو بھی تمام سابقہ عقائد باطلہ سے دھو ڈالے۔

طہارت حیض کے بعد غسل واجب ہونیکی وجہ

حیض کے خون کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اذی یعنی گندگی فرمایا ہے پس جب گندگی سے بار بار جسم آلودہ ہو اس سے نفس انسانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ دوسرا جریان خون سے لطیف پٹھوں کو ضعف پہنچتا ہے اور جب غسل کیا جاوے تو ظاہری اور باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے اور پٹھے تر و تازہ ہو جاتے ہیں اور ان میں وہی پہلی قوت عود کر آتی ہے۔

اسی گندگی کے سبب خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورت کے حالتِ حیض کے متعلق ارشاد فرمایا ہے فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ۔ ترجمہ:- یعنی حیض کے دنوں میں عورتوں سے کنارہ کرو اور اُن کے نزدیک مت جاؤ یعنی اُن سے صحبت نہ کرو جبتک کہ وہ حیض سے پاک نہ ہولیں۔

جنبی و حائض کے لئے قرآن کریم اور نماز پڑھنا ناجائز ہونے کی وجہ

جنابت اور حیض دونوں ایسی التیں ہیں جن کو قربِ الٰہی کے ساتھ منافات اور جن میں نجاست سے اختلاط ہے اور نماز و قرآن کریم کا پڑھنا خدا سے ہمکلام ہونیکا مرتبہ ہے اور خدا کی ہمکلامی کے شرف سے انسان تب ہی مشرف ہو سکتا ہے کہ ہر قسم کی نجاستوں سے پاک و مطہر ہو کیونکہ خدا پاک ہے اُس کو ناپاکی سے نفرت ہے۔

منی نکلنے سے غسل واجب ہونیکی وجہ اور بول و براز سے عدم وجوب غسل کا راز

(۱) خروج منی سے غسل کا واجب و لازم ہونا اور بول سے واجب ہونا شریعت اسلامیہ کی بڑی خوبیوں سے اور رحمت و حکمت و مصلحت الٰہی سے ہے کیونکہ منی سارے بدن سے نکلتی ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے منی کا نام سلالہ رکھا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ۔ یعنی ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے کھنچے ہوئے جوہر سے۔ صراح میں لکھا ہے سلالہ بمعنی انچہ بیروں کشیدہ شود از چیزے و آب پشت مردم پس منی انسان کے سارے بدن کا ست ہوتا ہے جو بدن سے رواں ہو کر بالآخر پشت کے راستہ سے نیچے آتی اور عضو تناسل سے خارج ہوتی ہے اِس کے نکلنے سے بدن کو بہت ضعف پہنچتا ہے اور بول و براز تو صرف کھانے پانی کے فضلے ہوتے ہیں

جو مثانہ و معدہ میں جمع رہتے ہیں اس لئے منی کے نکلنے سے بہ نسبت خروج بول
و براز کے جسم کو بہت کمزوری لاحق ہوتی ہے اور پانی کے استعمال سے وہ کمزوری نہیں رہتی۔

(۲) جنابت سے جسم میں گرانی و کاہلی و کمزوری و غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور
غسل سے دل میں قوت و نشاط اور روح اور بدن میں سبکساری پیدا ہوتی ہے چنانچہ
حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غسل جنابت کے بعد میں ایسا معلوم
ہوا کہ گویا اپنے اوپر سے ایک بوجھ اتار دیا ہے ایسا امر ہے جس کو ہر ایک سلیم طبع
اور صحیح فطرت والا جانتا ہے۔

(۳) جنابت سے انسان کو ارواح طیبہ یعنی فرشتوں سے بعد و دوری پیدا
ہوتی ہے اور جب غسل کرتا ہے تو وہ بعد اور دوری ہٹ جاتی ہے اس لئے بعض
صحابہ کرام سے مروی ہے کہ جب انسان سوتا ہے تو اس کی روح آسمان کی طرف
چڑھتی ہے اگر پاک ہو تو اس کو سجدہ کرنے کا امر ہوتا ہے اور اگر جنابت میں ہو تو اس کو
سجدہ کا اذن نہیں دیا جاتا یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ
جنبی جب سونے لگے تو وضو کرے۔

(۴) جب انسان مجامعت سے فارغ ہوتا ہے تو اس کا دل انقباض اور
تنگی کی حالت میں ہوتا ہے اور اس پر تنگی اور ظلمت سا طاری ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو
نہایت تنگی اور گھٹن میں پاتا ہے اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں
اور اپنے بدن کو ملتا اور غسل کرتا ہے اور اچھے کپڑے بدل کر خوشبو لگاتا ہے تب
اس کی تنگی دور ہو جاتی ہے اور بجائے اس کے بہجت و خوشی معلوم ہوتی ہے پہلی
حالت کو حدث اور دوسری کو طہارت کہتے ہیں۔

(۵) حاذق طبیبوں نے لکھا ہے کہ جماع کے بعد غسل کرنا بدن کی تحلیل شدہ قوتوں اور کمزوریوں کو لوٹا دیتا ہے اور بدن و روح کے لئے نہایت نافع اور مفید ہے۔ اور جنابت میں رہنا اور غسل مذکور نہ کرنا بدن و روح کے لئے سخت مضر ہے اس امر کی خوبی پر عقل و فطرت صحیحہ کافی گواہ ہیں۔ اگر شارع علیہ السلام خروج بول و براز سے غسل کرنا لازم ٹھیراتے تو لوگوں کو سخت حرج ہوتا اور محنت اور مشقت میں پڑ جاتے جو کہ حکمت اور رحمت و مصلحت الٰہی کے خلاف ہے۔

(۶) جماع میں تلذذ ہوتا ہے اور اس سے ذکر الٰہی میں غفلت پیدا ہو جاتی اس لئے اس کی تلافی کے لئے غسل کیا جاتا ہے۔

(۷) منی کے نکلنے سے بدن کے تمام مسامات کھل جاتے ہیں اور کبھی اس وقت پسینہ نکلتا ہے اور پسینہ کے ساتھ اندرونی حصہ بدن کے گندے مواد بھی خارج ہوتے ہیں جو کہ مسامات پر آکر ٹھیر جاتے ہیں اگر ان کو دھویا نہ جاوے تو خطرناک امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے

باب نواقض الوضوء والتیمم

خروج بول و براز و ریح سے امر وضو کی وجہ

خروج ریح و بول و براز کی بدبو سے اندرونی حالت نفس کو ایک قسم کی نجاست و یبوست و ضعف لاحق ہوتا اور ملائکہ سے بعد ہو جاتا ہے اور شیاطین و جنات اس کو گھیر لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خروج ریح و بول و براز کے وقت اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث

[illegible] پڑھنے کا امر فرمایا تھا اے میرے خدا میں تجھ سے [illegible] اور
[illegible] بخشش اور مغفرت چاہتا ہوں
[illegible] ۔

[illegible]

[illegible] کے نشانات کی تعظیم و ادب [illegible] تقویٰ ہے لہذا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے [illegible] اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة
ولا تستدبروها یعنی جب تم پاخانہ [illegible] قبلہ کو منہ کرو اور نہ اس کو پشت کرو۔
(۳) اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ہونا چونکہ
ایک باطنی امر ہے اس واسطے ظاہر میں بھی کوئی قرینہ جو تعظیم قلبی کا قائم مقام ہو پایا

جانا ضروری ہے۔ پس جبکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا تعظیم قلبی اور یادِ الٰہی میں جمع خاطر ہونے کا قائم مقام ٹھیرا اور قائم مقام ہونے کی یہ شرط ہے کہ یہ ہیئت تعظیم الٰہی کے لئے مخصوص رہے پس جو ہیئت نماز کی ہیئت کے بالکل منافی اور اُس کی ضد ہے یعنی حالت پاخانہ پیشاب جماع الیٰ بالنّی ان میں قبلہ کو نہ منہ کیا جاوے نہ پشت کیونکہ اس میں بے ادبی ہے۔

نیند سے وضو ٹوٹنے کی وجہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں العینان وکاء السہ فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ۔ یعنی سُرین کا بند آنکھیں ہیں کیونکہ جب آدمی لیٹ جاتا ہے تو اُس کے جوڑ ڈھیلے ہوجاتے ہیں اور ریح وغیرہ کے نکلنے کا گمان غالب ہوتا ہے۔

پاخانہ جانے اور اُس سے نکلنے کے وقت اعوذ و غفرانک پڑھنے کی وجہ پاخانہ کو جانے کے وقت اعوذ باللہ من الخبث والخبائث پڑھنا اس لئے مستحب ہے کہ اس جگہ شیاطین جمع رہتے ہیں اس لئے کہ ان کو نجاست بھاتی ہے اور پاخانہ سے نکلنے کے وقت غفرانک کہے کیونکہ پاخانہ میں ذکر الٰہی ترک ہوجاتا ہے اور شیاطین سے مخالطت کا وقت ہوتا ہے اس سے مغفرت مانگنی مناسب ہے۔

تین ڈھیلوں سے امر استنجا کی وجہ اور گوبر اور ہڈیوں سے منع استنجا کا راز عن ابی ھریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما انا لکم مثل الوالد لولدہ اعلمکم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا وامر بثلاثۃ احجار ونھی عن الروثۃ والرمۃ ونھی ان یستطیب الرجل بیمینہ۔

ترجمہ۔ یعنی حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فرماتے ہیں کہ میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں تم کو آداب سکھاتا ہوں جب تم پاخانہ کو جاؤ تو قبلہ رُو اور قبلہ پشت ہو کر نہ بیٹھو اور استنجا میں تین ڈھیلوں کا امر فرمایا اور گوبر اور ہڈیوں سے اور داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے کو منع فرمایا سو قضاء حاجت کے وقت قبلہ رو و قبلہ پشت ہو کر نہ بیٹھنے اور داہنے ہاتھ سے استنجا نہ کرنے کی وجہ کا ذکر تو قبل ازیں لکھا گیا ہے اب بقیہ اجزاء حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) استنجا کے لئے تین ڈھیلے اس لئے مقرر فرمائے کہ صفائی کے لئے ایک حد کا مقرر کرنا ضروری تھا ورنہ وہمی آدمی سارا سارا دن استنجا ہی کرنے میں گذار دیتے باوجود اس قدر تاکید شدید کے ہم بعض وہمیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ہی استنجا کیلئے ڈھیلوں کا ڈھیر لگا دیتے ہیں اور پانی کے کئی کئی مٹکے خالی کر دیتے ہیں اور تین سے کم ڈھیلوں میں بخوبی صفائی اور پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی اور تین میں صفائی ہو جاتی ہے اور تین سے زیادہ میں تضیع اوقات اور وہم کا بڑھانا ہے اور گوبر و ہڈیوں سے استنجا اس لئے منع ہوا کہ ان میں اکثر موذی جانور سانپ بچھو وغیرہ اور بعض قسم کے کاٹنے والے کیڑے بیٹھے رہتے ہیں لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنظر شفقت و رحمت اپنی اُمت کو اُن سے استنجا کرنا منع فرمایا تاکہ استنجا کرنے والے کو کوئی موذی جانور نہ کاٹے اور ایذا نہ پہنچائے وجہ یہ ہے کہ اکثر ہوام اور موذی جانور سانپ بچھو ہزار پا وغیرہ کی پیدائش گوبر اور ہڈیوں میں سے ہوتی ہے اور انہی سے ان کی خوراک و پرورش ہوتی ہے اور ان کے سوراخ دار جگہوں میں ایسے جانور گھسے رہتے ہیں اس لئے کہ جہاں کسی چیز کی پیدائش و خوراک کا سامان ہو وہاں اُس کا اکثر قیام رہتا ہے یہی وجہ

ہے کہ ان سے استنجا کرنا منع ہوا تاکہ ان کے اندر سے نکلکر کوئی زہریلا جانور استنجا کرنے والے کو ایذا نہ پہنچائے۔

(۲) گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنا موجب امراض شدیدہ ہے کیونکہ ان میں زہریلے حشرات کے رہنے اور ہڈی کے متعفن ہونے سمی اور قاتل آثار ہر وقت موجود رہتے ہیں اگرچہ ان میں کسی وقت کیڑے نہ بھی موجود رہیں لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لوگوں کو محض بنظر شفقت و مرحمت ان ضرروں سے بچنے کے لئے گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنا منع فرمایا ہے اور ہڈیوں کے باب میں ایک اور حکمت بھی وارد ہے انہ زاد اخوانکم من الجن وہ اس کے علاوہ ہے۔

قہقہہ اور قے اور نکسیر سے امر وضو کا راز

بہتا ہوا خون اور قے کثیر بدن کو آلودہ کرنے والی اور نفس کو پلید کرنیوالی چیزیں ہیں اور نماز میں قہقہہ لگانا ایک قسم کا جرم ہے جس کا کفارہ ہونا چاہئے اگر ان چیزوں سے شارع وضو کا حکم دے تو کچھ عجب نہیں ہے اور قہقہہ کا جرم ہونا اس لئے ہے کہ نماز میں قہقہہ کسی نفسانی پلیدی کے باعث ہوتا ہے جس کا ازالہ وضو سے کرنا لازم ہوا۔

حاجت بول و براز کے وقت منع نماز کی وجہ

(۱) نفس کے اندر وضو کا اثر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ جب نفس کو اور کاموں سے فراغت ہو اور فراغت اس وقت ہو سکتی ہے کہ جب شکم کے اندر نفخ وغیرہ سے تردد اور اضطراب بھی نہ ہو لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے لا یصلی احدکم وھو یدافع الاخبثان۔ یعنی تم میں سے

کوئی شخص نماز کو کھڑا نہ ہو جب اُس کو پاخانہ پیشاب کی سخت حاجت ہو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگاہ فرمایا ہے کہ نفس کے کسی اور طرف مشغول ہونے میں بھی حدث کے معنی پائے جاتے ہیں کیونکہ ایسی حالت میں نماز کی طرف انسان کی توجہ نہیں ہو سکتی بلکہ وہ پاخانہ اور پیشاب کی مدافعت میں مشغول ہو جاتا ہے

(۲) حبس بول و براز سے دل میں انقباض اور پراگندگی و عدم حضور کا لاحق ہونا یقینی ہے اور جب حضور نہ ہو اور پراگندگی رہے تو نماز ناقص رہے گی لہذا ایسے سبب کو رفع کرنے کا حکم ہوا جو نماز میں پراگندگی اور عدم حضور کا باعث ہو چنانچہ علامہ حکیم محمد تونسیؒ اپنی کتاب کنوز الصحۃ میں لکھتے ہیں ان حصر البول فے المثانۃ مدۃ طویلۃ مضر تنشاء عنہ عوارض خطرۃ کسلسل البول والحصاۃ وغیر ذلک فیجب علی الانسان ان یبول کلما احس بالبول ولا یحصرہ مطلقا ویرحم اللہ القائل ؎

لا تحبس الفضلات عند انهضامها ولو كنت بين المرهفات الصوارم

ترجمہ: بول کو بہت دیر تک مثانہ میں روکنا ضرر رساں ہے اس سے خطرناک امراض سلسل البول اور سنگ مثانہ وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں پس انسان پر لازم ہے کہ جب بول کی حاجت ہو تو اسی وقت بول کرے اور اس کو ہرگز روک نہ رکھے چنانچہ کسی نے اس بارہ میں کہا ہے کہ جب فضلات ہضم ہو چکیں تو ان کو مت روکو اگرچہ تم چلتی تلواروں کے درمیان ہو۔

باب المسح علی الخفین

مسح موزہ کا راز۔ چونکہ وضو کا اُن اعضاء ظاہرہ کے دھونے پر مدار تھا جو جلد جلد گرد و غبار

میں آلودہ ہوتے رہتے ہیں اور پاؤں موزوں کے پہننے سے اعضاء باطنہ میں داخل ہوجاتے ہیں اور نیز عرب میں موزوں کے پہننے کا بہت دستور تھا اور ہر نماز کے وقت اُن کے اُتارنے میں ایک قسم کی دِقت تھی اس واسطے فی الجملہ ان کے پہننے کی حالت میں پاؤں کا دھونا ساقط کردیا گیا اور حکم دیا گیا کہ موزے کے اوپر مسح کیا کریں تاکہ پیروں کا دھونا یاد رہا وے کیونکہ مسح بھی پیروں کے دھونے کا ایک نمونہ ہے

موزہ کے نیچے کی جانب مسح مشروع نہونیکی وجہ

اگر مسح موزہ نیچے کی جانب مشروع ہوتا تو بڑا حرج تھا کیونکہ نیچے کی جانب مسح کرنے میں زمین پر چلتے وقت گرد سے موزوں کے آلودہ ہونیکا گمان غالب ہے لہذا عقل کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اوپر کی جانب مسح کیا جاوے۔

مسح موزہ مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کیلئے تین دن رات مقرر ہونیکی حکمت

جہاں آسانی کردی گئی ہے وہاں کوئی ایسی چیز بھی مقرر کی گئی ہے کہ جس کی وجہ سے نفس کو عبادت مطلوبہ کے ترک کرنے میں مطلق العنانی نہ ہوجاوے لہذا شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے اس بات کے حاصل کرنے کے لئے ایسی چند باتیں مسح موزہ کے ساتھ بھی مقرر کردیں مثلاً ایک تو مسح کی مدت مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات مقرر فرمائی اس لئے کہ ایک دن رات کی ایسی مدت ہے کہ اس کا التزام اور انتظام ہوسکتا ہے بہت سی چیزوں کو جن کا التزام کرنا چاہتے ہیں اسی مدت کے ساتھ اس کا التزام رکھتے ہیں اور تین دن رات کی مدت بھی ایسی ہی ہے یہ دونوں مدتیں مقیم و مسافر پر اُن کی رفع حرج اور تکلیف کے موافق تقسیم کردی گئی ہیں پھر شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے اس میں یہ دوسری شرط لگادی کہ موزوں کو طہارت کی حالت میں پہنا ہو تاکہ پہننے

والے کے دل میں اس وقت کی طہارت کا نقشہ جما رہے اس لئے کہ موزوں کی حالت میں گرد و غبار کا اثر کم ہوتا ہے پس وہ اس طہارتِ مسح سے اُس طہارت غسل کو یاد کر لیتا ہے اور اس قسم کے مذکرات کا نفس کی تنبیہ پر پورا اثر ہوتا ہے۔

باب المیاہ

جواب اُس سوال کا کہ کیا کنویں سے رفع ناپاکی کے لئے ڈول نکالنا موافق عقل ہے۔ اسلامی فقہ کے اس مسئلہ کے متعلق بعض فلاسفروں کا اعتراض ہے۔ من العجب انہ لو وقع فی البیر نجاسۃ نزح منہا دلاء معدودۃ فاذا جعل الدلو فی البیر تنجس وما اصاب حیطان البیر من ذلک نجسہا وکذلک ما بعدہ من الدلاء الی ان تنتھی النوبۃ الی الدلو الاخیر فانہ ینتزل ثم یصعد طاھرا فیقشر النجاسۃ کلہا من قعر البیر الی رؤسہ قال بعض المتکلمین ما رأیت اکرم من ھذا الدلو ولا اعقل۔

ترجمہ:۔ تعجب کی بات ہے کہ اگر کنویں میں نجاست پڑ جاوے تو اُس سے چند ڈول نکالے جائیں پس جب کنویں میں ڈول پڑتا ہے تو وہ بھی نجس ہو جاتا ہے اور جو پانی اس ڈول سے کنویں کی دیواروں کو لگتا ہے وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ ڈول کے اُترنے کی آخری نوبت تک دیواریں پانی سے ناپاک ہوتی رہتی ہیں۔ پھر جب آخری ڈول اوپر آتا ہے تو سب نجاست کو کنویں کی تہ سے لیکر اُسکے سرے تک اوپر لے آتا ہے۔ بعض متکلمین کہتے ہیں کہ ہم نے اس ڈول سے بزرگ اور عاقل تر کوئی اور ڈول نہیں دیکھا۔

جواب - ڈول نکالنے کی حکمت ظاہر ہے کہ کنویں کے پانی کو ڈول کے ذریعہ سے جاری کیا جاتا ہے تاکہ جریان آب سے نجاست کے اجزاء خارج ہو جائیں۔

باوجود وقوع نجاست جاری پانی پاک ہونیکی وجہ

جس رکے ہوئے قلیل پانی میں نجاست پڑ جائے بوجہ رکاوٹ اکثر تو اس کا رنگ و بو اور ذائقہ متغیر ہو جاتا ہے اور اگر متغیر نہ بھی ہو تب بھی بوجہ قلت اس میں نجاست سرائت و مؤثر ہو جاتی ہے مگر جاری پانی میں نجاست کے اجزاء بوجہ جریان قائم نہیں رہ سکتے کیونکہ نجاست کے اجزاء اس کے جریان کے ساتھ خارج ہو جاتے ہیں۔

قلیل پانی کی نجاست کی حکمت اور آب قلیل وکثیر کی حد مقرر ہونیکا راز

پانی کی ضرورت تمام اشیاء عالم میں نظر آتی ہے چنانچہ اس کا کثیر الوجود ہونا خود اس بات پر دال ہے کہ تمام حیوانات کو اس کی ضرورت رہتی ہے عالم کے تمام جانداروں کا اسی پر آمد و رفت کرنا اور ان کی زندگی کا اسی پر موقوف ہونا عیاں ہے لہذا پانی کی اس قدر کثرت استعمال اس امر کی مقتضی ہوئی کہ جن پانیوں میں درندوں اور نجاستوں کا اثر پڑ کر آدمیوں کو ضرر دیں ان کی حد بنی آدم کو بتائی جائے تاکہ وہ آگاہ ہو کر ان نقصانات اور ضرروں سے بچیں اور جو حد ضرر سے زائد ہو اس کی اجازت دی جاوے پس جو حکم پانی قلیل کے لئے ہے اگر وہی کثیر کے لئے ہوتا تو دنیا میں لوگوں کے بڑے بڑے نقصانات ہوتے اور وہ دقتوں میں پڑ جاتے اور انکی زندگیاں انپر دو بھر ہو جاتیں اس لئے ضرور ہوا کہ پانی کے لئے حد قلیل وکثیر متمیز ہو تاکہ اس میں وقوع نجاست سے ایک دوسرے کے احکام میں التباس ہو کر لوگوں پر حرج وعسر واقع نہو۔

وجہ خصوصیت آب دہ در دہ

جیسا کہ نجاست کی قلت وکثرت کی حد کا تعین ہونا ضروری تھا کہ اگر وہ قلیل اور کثیر پانی میں پڑ جاوے تو اُس کا پاک وناپاک ہونا معلوم ہو سکتا ہو ایسا ہی پانی کی قلت وکثرت کی حد کا متعین ومقرر ہونا ضروری ہے تاکہ رفع شک اور وہم ہو لہذا دس جو جمع کثیر کا ابتدائی عدد ہے اس امر کا معیار مقرر ہوا کیونکہ یہ عدد پانی کی کثرت پر دلالت کرتا ہے پس جہاں اس قسم کی کثرت پانی میں ہو وہاں قلیل ناپاکی جو بو یا ذائقہ یا رنگ آب کو تغیر نہ کر سکے وہ مؤثر نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ جہاں دہ در دہ گز پانی ہو وہاں قلیل ناپاکی کا مؤثر ہونا قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو پاک گنا جاتا ہے کیونکہ دہ در دہ کا حاصل ضرب یکصد کی کثرت کو پہنچتا ہے۔

چوہے اور بلی کا جھوٹا پاک ہونیکی وجہ

اگر شریعت کا حکم اِن جانوروں کی نجاست کا ہوتا تو اس میں اُمت پر حرج عظیم ومشقت کثیر واقع ہوتی کیونکہ یہ جانور شب وروز لوگوں کے فرشوں اور کپڑوں اور ماکولات ومشروبات پر پھرتے رہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلی کے باب میں اس امر کی طرف ایما فرماتے ہیں۔ انہا لیست بنجسۃ انہا من الطوافین علیکم والطوافات۔

کُتے اور بلی کے جھوٹے میں فرق ہونیکی وجہ

(۱) کُتا ایک ملعون جانور ہے جس سے فرشتے نفرت رکھتے ہیں وجہ یہ ہے کہ کُتا شیطان سے بہت مشابہت رکھتا ہے کیونکہ اس کی فطرت میں غصہ ولعب اور گندگی سے آلودہ رہنا اور لوگوں کو ایذا دینا اور شیطانی الہام کو قبول کرنا پایا

ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ بغیر عذر کتے سے مخالطت کرنے سے دو قیراط ثواب کم ہو جاتا ہے (۲) کتا جو چیز کھاتا ہے اُس کے ساتھ اُس کا منھ آلودہ ہو جائے تو منھ کو صاف نہیں کرتا بخلاف بلی کے کہ وہ اپنے منھ کو پونچھ کر چاٹ کر صاف کر لیتی ہے

برتن میں کتے کے منھ ڈالنے یا اُس سے پانی وغیرہ پینے سے اس برتن کو سات بار دھونے سے اُسکے پاک ہونیکی حکمت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوہ سبع مرات وعفروہ الثامنۃ بالتراب۔ یعنی کسی برتن میں کتا پانی پی جائے یا کھا جائے تو اُس برتن کو پاک کرنے کے لئے سات بار دھو ڈالو اور آٹھویں بار اُس کو مٹی سے مانجھ دو کتے کے لعاب کی رطوبت کا اثر بہت قوی اور زہریلا ہوتا ہے اور وہ برتن وغیرہ ہر ایک چیز میں یکساں ہوتا ہے جو شخص کتے کا پس خوردہ یا کتے کے متاثر برتن وغیرہ میں کھانا کھائے یا پانی وغیرہ پیئے بالضرور اُس میں اُسکی درندگی و بداخلاقی کا اثر سرایت کر جاتا ہے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُس برتن کو جس میں کتے نے پانی پیا یا کھایا ہو اُس کو بکثرت دھونے کا حکم فرمایا اور سات بار کی تعداد کثرت سے دھونے کی تاکید پر دال ہے اور سات بار تک دھونیکی تعیین اس امر پر دال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نور نبوی سے اس حد تک دھونے سے پلیدی کا اثر رفع ہونے کا علم ہو چکا تھا لہذا یہ حد مقرر فرما دی اور آٹھویں بار مٹی سے مانجھنا اس لئے فرمایا کہ زہریلے مادہ کی رطوبت کا اثر جو برتن وغیرہ میں سرایت کر جائے اُس کو مٹی کا مادہ نمک رفع کر دیتا ہے۔

عبادات کیلئے تخصیص اوقات کی حکمتیں

(۱) جیساکہ انسان پر ظاہر ہے کہ تغیر اوقات و تبدیل حالات

سے جسمانی تبدیلیاں مشاہدہ میں آرہی ہیں ایسا ہی تغیر اوقات کے ساتھ اس پر روحانی تبدیلیاں بھی واقع ہوتی رہتی ہیں اور جیسا کہ ان تغیر اوقات کا اثر انسان کے جسم پر پڑتا ہے ایسا ہی اس کی روحانیت پر بھی اثر ہوتا ہے۔

تبدیل اوقات وحالات کے بعض دوروں کا وقت تو روزانہ ہوتا ہے اور وہ روزانہ پانچ نمازوں کے اوقات ہیں اور بعض اوقات کا دور ہفتہ کے دور کیساتھ ہوتا ہے اور وہ روز جمعہ کا وقت ہے اور بعض اوقات کا دور سال کے دور کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور وہ رمضان شریف کی دو عیدیں ہیں۔

(۲) لوگوں کے اعمال کا درگاہ الٰہی میں دوشنبہ و پنجشنبہ کو پیش ہونا جو احادیث نبویہ میں مذکور ہے اور رمضان میں قرآن کریم کا نازل ہونا فضیلت اوقات اور انسانی حالات کی خصوصیتوں کی طرف ایماء ہے۔

(۳) جیسا کہ جسم کی حفاظت کے لئے بطور حفظ ماتقدم خداتعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء وادویہ واغذیہ حسب مناسبت وقت استعمال کی جاتی ہیں ایسا ہی روحانیت کی حفاظت کے لیے خداتعالیٰ کے فرمودہ احکام کی بجاآوری بمناسبت اوقات معینہ کی جاتی ہے۔ (۴) نماز کے لئے وقت کا مقرر کرنا ضروری ہے کیونکہ وقت کے تعین سے انسانوں کے دلوں کو اس کی طرف توجہ رہتی ہے اور ان کو جمعیت رہتی ہے اور یہ جھگڑا نہیں رہتا کہ ہر شخص اپنی رائے پر چلے کیونکہ جس امر کی تعیین نہ ہو اس میں ہر شخص اپنی رائے کا دخل دینا چاہتا ہے خواہ اسمیں اسکا نقصان ہی کیوں نہ ہو

(۵) اگر عبادات کے لئے اوقات معین نہ ہوتے تو اکثر لوگ تھوڑی ہی نماز روزہ کو زیادہ خیال کرتے جو بالکل رائیگاں اور غیر مفید ہوتا تعیین اوقات میں یہ بھی

ایسا ہے کہ اگر کوئی شخص ان اوقات کی پابندی سے آزاد رہنا چاہے اور ان کے ترک کرنے کے جیسے حوالے کرے تو اس کی گوشمالی ممکن ہو سکے۔

(۶) حکمت الٰہی کا اقتضا ہوا کہ انسان کو زمانہ کے ہر ایک محدود حصہ کے بعد نماز کی پابندی کا اور اس کے لئے تعیین وقت کا حکم دیا جاوے تاکہ نماز سے قبل اس کا انتظار کرنا اور اس کے لئے تیار رہنا اور نماز کے بعد اس کے نور کا اثر اور اس کی رنگت کا باقی رہنا بمنزلہ نماز ہی کے ہو جاوے اور غفلت کے اوقات میں خدا تعالیٰ کا ذکر مدنظر رہا کرے۔ اور اس کے اطاعت میں دل متعلق رہے اس میں مسلمان کا حال اس گھوڑے کی طرح رہتا ہے جس کی اگاڑی پچھاڑی بندھی ہوتی ہے اور ایک دو دفعہ کودتا ہے اور پھر بےبس ہو کر رہ جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی بھی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی۔

(۷) تقرر اوقات خمسہ میں پابندی اوقات کی طرف اور امور مہمہ میں تاخیر نہ کرنیکی طرف ایماء ہے لا تؤخر عمل الیوم لغد یعنی آج کا کام کل پر نہ چھوڑو۔

وجہ تعیین اوقات پنجگانہ نماز خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے پنجگانہ اوقات کی خصوصیت کی فلاسفی اور حقیقت سمجھنے کے لئے اوقات خمسہ کے اوصاف مؤثرہ کی طرف توجہ دلائی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السمٰوات والارض وعشیا وحین تظھرون۔

ترجمہ:۔ خدا تعالیٰ کی یاد کا وقت ہے جب تم شام کرو اور جب صبح کرو اور اس کی خوبیاں کی جاتی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور پچھلے وقت اور دوپہر میں۔

عبارت قرآنی سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان اوقات میں زمین و آسمان کے اندر تغیرات عظیمہ واقع ہوتے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کے جدید تسبیح و تحمید کا موقع آتا ہے اور ان تغیرات کا اثر انسانی روح اور جسم دونوں پر واقع ہوتا ہے۔ الغرض پنجگانہ نمازیں کیا ہیں وہ تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہیں یعنی تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہیں جو تم پر وارد ہوتے ہیں اور تمہاری فطرت کے لئے ان کا وارد ہونا ضرور ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

وجہ تعیین نماز ظہر

(۱) پہلے جب کہ تم مطلع کئے جاتے ہو کہ تم پر ایک بلا آنے والی ہے مثلاً جیسے تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ جاری ہو یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری تسلی اور خوش حالی میں خلل ڈالا۔ سو یہ حالت زوال کے وقت سے مشابہ ہے کیونکہ اس سے اپنی خوش حالی کی زوال کے مقدور ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے اس کے مقابل پر نماز ظہر متعین ہوئی جس کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے تاکہ جس کے قبضہ میں زوال ہے اس کی قدرت کو یاد کر کے اس کی طرف توجہ کی جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زوال کی ساعت کی نسبت فرمایا ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اس لئے میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی عمل آسمان کی طرف صعود کرے۔ نیز اس وقت کے تغیر کا بھی یہی مقتضا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کی جاوے چنانچہ اس تغیر کے آثار جو جسم انسانی پر ظاہر ہوتے ہیں طبیبوں نے اپنی طبی کتابوں میں بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ مفرح القلوب شرح قانونچہ میں لکھا ہے کہ نوم بعد زوال کہ مسمی است بہ حیلولہ لکونہ حائلاً بین النائم والصلوۃ محدث

نسیان است۔ ترجمہ: یعنی دوپہر کے بعد نیند جس کو جیلولہ کہتے ہیں نسیان کا
مرض پیدا کرتی ہے اور جیلولہ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ سونے والے اور نماز کے
درمیان حائل ہو جاتی ہے سو اس سے بچنے کے لئے بھی بچائے [illegible]
[illegible] ہے۔

ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کی حکمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں
اذا اشتد الحر فابردوا بالظہر فان
شدۃ الحر من فیح جہنم۔ ترجمہ: یعنی جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے
پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کا جوش ہے۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ جنت و
جہنم کا خدا تعالیٰ کے ہاں خزانہ ہے اس خزانہ میں اس عالم میں کیفیات [illegible]
اور مناظر کا فیضان ہوتا رہتا ہے۔

وجہ تعیین نماز عصر

(۲) دوسرا تغیر اس وقت تم پر آتا ہے جبکہ تم بلا کے
محل سے بہت نزدیک کئے جاتے ہو مثلاً جبکہ تم بذریعہ
وارنٹ گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے پیش ہوتے ہو یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارا
خوف سے خون خشک اور تسلی کا نور تم سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے سو یہ حالت
تمہاری اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب سے نور کم ہو جاتا ہے اور نظر اس پر
جم سکتی ہے اور صریح نظر آتا ہے کہ اب غروب نزدیک ہے جس سے اپنے کمالات
کے زوال کے احتمال قریب پر استدلال کرنا چاہیے اس روحانی حالت کے مقابل
نماز عصر مقرر ہوئی ہے تاکہ اس زوال کے مالک کی طرف توجہ کرنا جالب[عہ] اسکی رحمت
کا ہو۔ نیز یہ ایسا وقت ہے کہ اس وقت کی غفلت کا کوئی تدارک نہیں۔ اس وقت

عہ یعنی رحمت کا ذریعہ ہو ۱۲ مصحح

کی غفلت جسمانیت پر بھی بہت برا اثر ڈالتی ہے چنانچہ محمد ارزانی حکیم لکھتے ہیں کہ

نوم آخر روز کہ مسمی است بہ قیلولہ باعث آفات کثیرہ است بہ ہلاکت ہم کشد

ترجمہ :۔ یعنی عصر کے وقت کی نیند جس کو عربی میں قیلولہ کہتے ہیں بہت بیماریاں پیدا کرتی ہے بسا اوقات اس وقت کی نیند سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔

سو اس کا یہی مقتضی ہے کہ بجائے نوم و غفلت کے عبادت میں مشغول ہو۔

وجہ تعیین نماز مغرب

(۳) تیسرا تغیر تم پر اس وقت آتا ہے جب اس بلا سے رہائی پانے کی کوئی امید منقطع ہو جاتی ہے مثلاً تمہارے نام فرد قرارداد جرم لکھی جاتی ہے اور مخالفانہ گواہ تمہاری ہلاکت کیلئے گذر جاتے ہیں یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور تم اپنے تئیں ایک قیدی سمجھنے لگتے ہو سو یہ حالت اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور تمام امیدیں دن کی روشنی کی ختم ہو جاتی ہیں اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز مغرب مقرر ہوئی تاکہ اس ہول کا علاج ہو

وجہ تعیین نماز عشاء

(۴) چوتھا تغیر تم پر اس وقت آتا ہے جب بلا تم پر وارد ہی ہو جاتی ہے اور اس کی سخت تاریکی تم پر احاطہ کر لیتی ہے مثلاً جبکہ فرد قرارداد جرم اور شہادتوں کے بعد حکم سزا تم کو سنایا جاتا ہے اور قید کے لئے ایک پولیس مین کے تم حوالے کئے جاتے ہو سو یہ حالت اس حالت سے مشابہ ہے جبکہ رات پڑ جاتی ہے اور ایک سخت اندھیرا چھا جاتا ہے اس روحانی حالت کے مقابلہ پر نمازِ عشا مقرر ہوئی ہے تاکہ ان بلیات قریبۃ الوقوع باعتبار القدرۃ سے تم ببرکت طاعت کے محفوظ رکھے جاؤ اور

رات اور تاریکیوں کو مصائب کے ساتھ اور دن اور روشنیوں کو آرام و نجات کیساتھ قدرتی مناسبت ہے چنانچہ عرب کا ایک شاعر بھی اس قدرتی مناسبت کو یوں بیان کرتا ہے ؎

ألم تر أن الليل لما تراكمت	دجاه بدا وجه الصباح ونوره
فلا تصحبن اليأس إن كنت عالما	لبيبا فإن الدهر شتى أموره

کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب اندھیری رات چھا جاتی ہے تو اس کے بعد صبح ظاہر ہو جایا کرتا ہے۔ پس اگر تو دانا ہے تو نا امید نہ ہو کہ زمانہ کے مختلف امور ہوتے رہتے ہیں۔

وجہ تعیین نماز فجر

(۵) پھر جبکہ تم مدت تک اس مصیبت کی تاریکی میں بسر کرتے ہو تو پھر آخر خدا کا رحم تم پر جوش مارتا ہے اور وہ تمھیں اس تاریکی سے نجات دیتا ہے اور تاریکی کے بعد آخر کار پھر صبح نکلتی ہے اور پھر وہی روشنی دن کی اپنی چمک کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے سو اس حالت نورانی کے مقابل پر نماز فجر مقرر ہے خدا تعالیٰ نے تمھارے فطرتی تغیرات میں پانچ نمازیں تمھارے لئے مقرر کیں۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمھارے نفس کے فائدے کیلئے ہیں۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچے رہو تو تم پنجگانہ نمازوں کو ترک نہ کرو کہ وہ تمھارے اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظل ہیں وہ آنے والی بلاؤں کا علاج ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ یہ نیا دن کس قسم کی قضاء و قدر تمھارے لئے لائے گا پس تم قبل اس کے کہ دن چڑھے اپنے مولیٰ کی جناب میں تضرع کرو تاکہ تمھارے لئے خیر و برکت کا دن چڑھے۔ یہ ایسا وقت ہے کہ اگر اس وقت انسان خدا تعالیٰ سے غافل ہو تو اس کی روحانیت پر بہت

بڑا اثر پڑتا ہے اور سویا ہو تو اس کی جسمانیت کو سخت ضرر پہنچتا ہے۔ چنانچہ صاحب مفرح القلوب لکھتا ہے۔ ”انوم با مداد کہ مسمی است بجیلولہ سخت زیاں دار د خاصۃً اگر معدہ خالی بود“۔ یعنی فجر کی نیند جس کو عربی میں جیلولہ کہتے ہیں سونے والے کو سخت زیاں پہنچاتی ہے خاصکر اگر معدہ خالی ہو تو بہت زیادہ ضرر پہنچتا ہے۔

اوقات نماز کے لئے اول و آخر مقرر ہونے کا راز | اگر لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ تمام لوگ ایک ہی وقت کے اندر یعنی جس میں نماز پڑھنے سے زیادہ وسعت گنجائش نہ ہوتی نماز پڑھیں اور اس سے آگے پیچھے نہ پڑھ سکیں تو اس میں حرج عظیم تھا اس واسطے اوقات کے اندر کسی قدر توسیع اور گنجائش بھی کر دی گئی اور اوقات اوائل اور اواخر کے لئے حدیں جو منضبط اور محسوس ہیں مقرر کی گئیں۔

پابندی اوقات کی حکمتیں | پابندی اوقات میں ایک قدرتی تاثیر ہے کہ وقت معین کے آنے پر قلب انسانی میں بے انتہا جذب و میلان اس فرض منصبی کے ادا کرنے کے لئے پیدا ہو جاتا ہے اور روحانی قویٰ اس مفروض عمل کی طرف طوعاً و کرہاً منجذب ہو جاتے ہیں جونہی اس غیر مصنوعی ناقوس (اذان) کی آواز سنائی دیتی ہے ایک دیندار مسلمان فی الفور اس عمل سے متاثر ہو جاتا ہے گویا پابند صلوٰۃ ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے کیونکہ ایک نماز کے ادا کرنے کے بعد معاً دوسری نماز کی تیاری اور فکر ہو جاتی ہے

باب الاذان

حکمت اذان نماز | نماز کی جماعت ایک ضروری امر ہے اور ایک وقت

اور ایک جگہ میں لوگوں کا اجتماع بدون اعلام اور آگاہ ہونے کے دشوار ہے نیز حکمتِ الٰہی کا اقتضا یہ بھی ہوا کہ اذان کے اندر صرف اعلام اور تنبیہ نہ پائی جائے بلکہ وہ شعائرِ اسلام میں سے ایک شعار ٹھہرایا جائے اور لوگوں پر اس کے الفاظ پکارے جائیں اور اس نشان میں مذہب کی عزت کی جائے اور اس کا قبول کر لینا لوگوں کے لئے دینِ الٰہی کے تابع ہو جانے کی پہچان ہو اس لئے یہ بات ضروری ہوئی کہ ذکرِ الٰہی اور شہادتین سے اس کی ترکیب ہو اور نماز کے لئے بلانا بھی اس میں پایا جائے جو کہ مضمون ہے حی علی الصلوٰۃ کا اگر جو چیز اس سے منظور ہے وہ اس سے صراحۃً سمجھ میں آ جائے۔

کان میں انگلی رکھ کر اذان دینے کی حکمت

ابن ماجہ میں حدیث ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امر بلالاً ان یجعل اصبعیہ فی اذنیہ قال انہ ارفع لصوتک۔ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلال رضؓ کو امر فرمایا کہ اذان دینے کے وقت اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں میں ڈال کر اذان دیا کریں۔ فرمایا اس طرح کرنے سے تمہاری آواز بلند ہوگی۔

نوزائیدہ بچے کے کان میں اذان دینے کا راز

(۱) جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں اذان دینے کی وجہ یہ ہے کہ جو آواز بچے کے کان میں پہلے پڑتی ہے اس کا اثر اس کے دماغ میں مستقل اور اس کی فطرت میں مرکوز ہو جاتا ہے۔ اس لئے شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچے کے کان میں اذان دینا ٹھہرایا کہ اس کی فطرت میں پہلی آواز جو اس کی ولادت کے بعد جا کر قائم ہو وہ توحیدِ الٰہی اور رسالتِ نبوی کی آواز ہو کیونکہ وقتِ ولادت

کی آواز بچے کی طرف طبیعت میں کالنقش فی الحجر ہو جاتی ہے۔

باب صفۃ الصلوٰۃ

نماز میں استقبال خانہ کعبہ کی وجہ

(۱) لوگوں میں قدیم الایام سے یہ طریق و عادت جاری ہے کہ جب کسی امیر و بادشاہ کی صفت و ثنا بیان کرتے ہیں تو اول اس کے روبرو کھڑے ہوتے ہیں اور پھر ثنا اور مدح سرائی میں مشغول ہوتے ہیں اور نماز میں یہی امور عبادت قرار دیئے گئے ہیں اور عبادت کی روح جو کہ خشوع و خضوع ہے وہ بغیر سکون اور ترک التفات امور مختلفہ کے حاصل نہیں ہو سکتی اور جب تک کہ عابد اپنی عبادت میں ایک معین و مقرر طرف کا التزام نہ کرے اس وقت تک یہ سکون نہیں ہوتا اسلئے نماز میں ایک خاص سمت مقرر ہوئی۔

(۲) ظاہر کو باطن کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے کہ ظاہری یک جہتی اختیار کرنا باطنی توجہ کو ایک طرف کر دینے میں مؤید ہوتا ہے اسلئے نماز میں استقبال قبلہ لازم ہوا

(۳) لازم ہے کہ جملہ خلایق کے لئے قبلہ ایک معین اور مقرر ہو تاکہ انکا ظاہری اتفاق باطنی اتفاق کا مؤید ہو اور جب باطن عبادات کے انوار و برکات کے حاصل کرنے میں سب متفق ہو جائیں تو اس سے تنویر دل میں عظیم الشان اثر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ بہت سے چراغ کسی مکان میں ایک ہی جگہ روشن کئے جائیں تو ان سے بڑی روشنی حاصل ہوتی ہے اس لئے جمعہ اور جماعتیں مشروع ہوئیں چنانچہ پانچوں جماعتوں میں ایک محلہ کے لوگوں کا اتفاق و اجتماع اور جمعہ میں

ایک شہر کے لوگوں کا اتفاق اور حج میں تمام جہان کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور اتفاق انوار عبادات کے زیادہ کرنے کا خاص طور پر موجب ہوتا ہے اور چونکہ تمام جہان کے لوگوں کا ایک ہی مکان میں ہر وقت جمع ہونا مشکل ہے تو اُس مکان کی جہت کو اُس مکان کے قائم مقام کر کے نمازوں میں اُس کے استقبال کا حکم ہوا۔

(۴) بہت صاف امر ہے اور عقلمند حقیقت شناس کے نزدیک کچھ بھی محل اعتراض نہیں کہ اُس ہادی کامل نے تمام دنیا کے متعارف عبادت کے طریقوں کے مقابلہ جن میں شرک اور مخلوق پرستی کے جزو اعظم شامل تھے اپنے طریق عبادت کو خالص کرنا منظور تھا اور ایک واضح اور ممتاز مسلک قائم کرنا ضرور تھا اس لئے واجب ہوا کہ وہ اپنی اُمت کے رُخ ظاہر کو بھی ایسی سمت کی طرف پھیرے جس میں قوائے روحانی کی تحریک ہو ہر ایک مسلمان کو یقین ہے کہ مکہ میں بیت اللہ کو توحید کے ایک بڑے واعظ نے تعمیر کیا اور آخری زمانہ میں اُسی کی اولاد میں سے ایک زبردست کامل نبیؐ مکمل شریعت لیکر ظاہر ہوا جس نے اِس پہلی تلقین و تعلیم کو پھر زندہ اور کامل کیا پس نماز میں جب اُدھر رُخ کرتے ہیں تو یہ تمام تصورات آنکھوں میں پھر جاتے ہیں اور اُس مصلح عالم کی تمام خدمات اور جانفشانیاں جو اُس نے اعلاء کلمۃ اللہ میں دکھلائیں یاد آجاتی ہیں۔

(۵) ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے تو مکین مقصود ہوتا ہے اور اس طرف کو آداب و نیاز بجالانے کو ہر شخص صاحب خانہ کیلئے سمجھتا ہے جیسے اگر کسی تخت نشین کے تخت کی طرف جُھک کر سلام کریں تو وہ صاحب تخت کو ہوتا ہے خود تخت کو نہیں چنانچہ لفظ بیت اللہ اِس جانب مشیر بھی ہے کہ

خانہ مقصود نہیں بلکہ صاحب خانہ مقصود ہے۔

نماز کیلئے مکان کی صفائی اور لباس کی ستھرائی کا راز

(۱) بادشاہوں کے دربار میں نظافت وطہارت مکان ولباس کا بھی لحاظ ہوتا ہے آپ کے دربار میں شامل ہونے والوں کیلئے پاک اور ستھری جگہ کا اور صاف لباس میں ہو کر داخل ہونیکا لحاظ ضروری ہوتا ہے پس جیسا کہ لباس کی صفائی اور مکان کی ستھرائی بادشاہوں کو پسند ہوتی ہے ایسا ہی اس خالق الکل واحکم الحاکمین و مالک الملک ، پاک ذات کو پاکیزگی اور ستھرائی لباس اور مکان کی اور نظافت دل کی مد نظر ہے کیونکہ وہ پاک ہے اور پاک کو چاہتا ہے اور ہر قسم کی گندگی اور میل سے اس کو نفرت وکراہت ہے بلکہ دوسرے بادشاہ بھی چونکہ اس پاک ذات کی تجلی دست قدرت سے قائم ہوتے ہیں اس لئے ان میں بھی پاکی ونظافت کا لحاظ اسی پاک ذات کے پرتو سے نقشبند ہوتا ہے جو کہ عین مناسب فطرت صحیحہ وسلیمہ ہے اور خدا تعالیٰ تو بالذات پاک ہے پس وہ پاکی اور طہارت کو بدرجۂ اولی چاہتا ہے اس لئے نماز میں پاکی مکان کی اور ستھرائی لباس کی ضروری شرائط قرار دیئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ فرماتا ہے وثیابك فطهر والرجز فاهجر یعنی اپنے لباس کو پاک کر اور گندگی سے کنارہ کر

(۲) ناپاکی اور میل سے شیاطین کو مناسبت ہے اس لئے خدا تعالیٰ کی حضور میں کھڑے ہونے کے وقت شیاطین کے ساتھ مناسبت رکھنے والی اشیاء سے بکلی قطع تعلق اور کنارہ چاہیئے ورنہ حضور دل میں خلل ہوگا۔

نماز کیلئے تعین ارکان وشروط کا راز

اگر لوگوں کے لئے عبادت کے ارکان اور شروط

معین نہ ہوں تو وہ بے بصیرتی سے ہاتھ پاؤں مارتے رہیں۔ پس احکام الٰہیہ
کی تکلیف جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ اُن کے لئے اوقات و ارکان و شروط سب
قرار دیئے جائیں۔ اور چونکہ دل کے اندر خدا تعالیٰ کے لئے خضوع کا ہونا اور اُس
کی طرف توجہ کا ہونا اور تعظیم اور رغبت اور خوف کے ہونا ایک پوشیدہ امر ہے اسلئے
خارج میں بھی اس کے واسطے کوئی ایسا امر ہونا چاہیئے جس سے اس کا انضباط
ہو سکے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دو چیزوں میں منضبط کیا ایک تو
کھڑا ہونا اور بدن کا قبلہ کی طرف کر کے کھڑا ہونا اور دوسرے یہ کہ زبان سے
اللہ اکبر کہے اس لئے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اُس کے
دل میں کوئی بات جمتی ہے تو اُس کی زبان اور تمام اعضاء اُسی کے موافق
حرکت کرتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ان فی جسد
ابن آدم مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ۔ یعنی آدمی کے بدن میں ایک گوشت
کا ٹکڑا ہے یعنی قلب، جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا بدن درست ہوتا ہے
اس لئے زبان اور دیگر اعضاء کا فعل دل کی حالت پر قرینہ قویہ اور اسکا قائم مقام
ہوتا ہے اور اسی چیز سے قلبی حالت کا انضباط ہو سکتا ہے اس لئے ان باطنی
حالات مطلوبہ کے مناسب ظاہری ارکان و شروط مشروع فرمائے گئے۔

حقیقتِ نماز

(۱) جب آدمی اپنے پروردگار سے کسی مصیبت کے رفع
ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی درخواست کرتا ہے اُس وقت
زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ تعظیمی افعال اور اقوال میں مستغرق ہو جائے تاکہ
اُس کی ہمت کا جو کہ اس درخواست کی روح ہے کچھ اثر پڑ سکے چنانچہ نماز سے

اسی وجہ سے مسنون ہوئی ہے پس نماز میں اصلی امور تین ہیں (۱) خدا تعالیٰ کی بزرگی اور جلال دیکھکر دل سے عاجزی کرنا (۲) خدا تعالیٰ کی عظمت اور اپنی خاکساری کو بذریعہ زبان خوش بیانی سے ظاہر کرنا (۳) اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضاء میں ادب کا استعمال کرنا۔ چنانچہ اس امر میں کسی کا شعر ہے ؎

افادتکم النعماء منی ثلاثۃ یدی ولسانی والضمیر المحجبا

یعنی تمہاری نعمتوں نے میری تین چیزیں تم کو حوالہ کردیں۔ میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل۔ افعال تعظیمی میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کے حضور میں کھڑا ہو کر مناجات کرے اور کھڑے ہونے سے بھی زیادہ تعظیم اس میں ہے کہ اپنی خاکساری اور پروردگار کی عزت و برتری کا خیال کرکے سرنگوں ہوجائے کیونکہ تمام لوگوں اور بہائم میں فطری امر ہے کہ گردن کشی غرور اور تکبر کی علامت ہے اور سرنگوں ہونا نیازمندی اور فروتنی کی علامت ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فظلت اعناقہم لہا خاضعین۔ یعنی ان کی گردنیں عاجزی سے اس نشانی کے سامنے جھک جائیں۔ اور اس سے بھی زیادہ تعظیم کی بات یہ ہے کہ اس کے حضور میں اپنے سر کو زمین پر رگڑ دے جو تمام اعضاء میں سے زیادہ بزرگ اور حواس انسانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے اور یہی تینوں قسم کی تعظیمیں تمام لوگوں میں رائج ہیں وہ ہمیشہ اپنے سلاطین اور امراء کے حضور میں انہی کو استعمال کرتے ہیں اور ان سب صورتوں میں وہ صورت سب میں عمدہ ہے جس میں یہ تینوں امر جمع ہوں اور اس کے ساتھ ہی ادنیٰ تعظیمی حالات سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو تاکہ دمبدم نیازمندی اور خاکساری کی حالت زیادہ ہوتی ہوئی معلوم ہو جو فائدہ اس

ترقی کی حالت ہیں ہوسکتا ہے وہ تنہا اعلیٰ درجہ کی تعظیم میں یا اعلیٰ حالت ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے میں معلوم نہیں ہوسکتا اور نماز میں یہی عمدہ صورت پائی جاتی ہے اور یہی تقرب کے اعمال اسی ترتیب سے اُس میں اصل قرار دیئے گئے ہیں۔

نماز میں ناف کے نیچے یا ناف اور سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے کی وجہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں عفت وستر عورت کی التجا اور ناف پر ہاتھ باندھنے میں اکل وشرب حلال ملنے کا ایما اور سینہ پر ہاتھ باندھنے میں سچ اور حق پر ثابت رہنے کی اور شرح صدر کی دعا ہے۔

جماعت کی صف میں ممانعت فرجہ[1] کی وجہ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ذکر کے حلقوں میں مل کر بیٹھنے سے دلجمعی خوب ہوتی ہے اور ذکر کی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور خطرات بند ہوتے ہیں اور اس بات کے ترک کرنے سے یہ باتیں کم ہو جاتی ہیں اور ان باتوں میں سے جس قدر کسی بات میں کمی ہوتی ہے اُسی قدر وہاں شیطان کو دخل ہوتا ہے۔

نماز میں مؤدب کھڑا ہونے کی حکمت

نماز میں تمام بدن کا جناب باری کے سامنے سکوڑ لینا نفس کو خدا تعالیٰ کے حضور میں مؤدب کھڑا ہونے پر آگاہ کرنے کے لیے ہے جیسا کہ ادنیٰ لوگوں کو بادشاہوں کے حضور میں عرض معروض کرتے وقت دہشت اور ہیبت کی حالت طاری ہوتی ہے مثلاً دونوں قدموں کا برابر رکھنا اور دست بستہ کھڑا ہونا اور نظر کو پست کرنا اور اِدھر اُدھر نہ دیکھنا اسی طرح نماز میں دست بستہ

[1] یعنی صف کے بیچ میں جگہ خالی رہنے کی ممانعت کی وجہ ۱۲

کھڑا ہونا خدا کے ماننے والے کی فطرت کا تقاضا ہے اور فرمانبرداری کے لئے جھکنا ایک تواضع ہے اور سجدہ میں گرنا کمال عبودیت کا اظہار ہے۔

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کو اٹھانے کا راز | ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں سب چیزیں تیری ہیں ان کا تو ہی مالک ہے میں خالی ہاتھ محتاج و فقیر تیری عطا و بخشش کا طالب و امیدوار بنکر تیرے حضور میں حاضر ہوتا ہوں اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ میں تمام طاقتوں اور قوتوں سے خالی ہوں سب قوتوں اور طاقتوں کا تو ہی مالک ہے پس اس کار خیر عبادت میں میری مدد فرما حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فیرفعہما الی الله معترفا ان الاقتدار لک لا لی وان یدی خالیۃ من الاقتدار یعنی خدا کی طرف دونوں ہاتھ اس امر کا اعتراف کرتا ہوا اٹھائے کہ طاقت اور قوت تیرا حق ہے مجھے کوئی قدرت و طاقت نہیں پس جب آدمی اللہ اکبر کہے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھاوے تاکہ معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کے ماسوا سے وہ دست بردار ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور میں آگیا۔

تکبیر تحریمہ میں عورت کا کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی وجہ | تکبیر تحریمہ میں عورت کا مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کا مرتبہ مرد سے نیچے ہے اور عورت کے ستر حال کے مناسب بھی اسی حد تک ہاتھ اٹھانے ہیں۔

نماز میں دست بستہ کھڑا ہونے کی وجہ

(۱) نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا اظہار سوال و احتیاج و افتقار و مسکنت و عجز و نیاز و زاری و ذلت کی طرف ایما ہے کیونکہ نماز شعائر الٰہی میں سے

ہے اس لئے اس میں مقصود بندگان شاہی سے اُس حالت میں مشابہت کا اظہار ہے جبکہ وہ حضورِ شاہی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور اُس حالت میں وہاں عاجزانہ درخواست کی جاتی ہے اس لئے یہاں بھی دعا کرنے سے یعنی اھدنا کہنے سے پہلے تعریف کی جاتی ہے اور اسی لئے نماز میں ایسی ہیئتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں جو مناجات کے وقت سلاطین کے سامنے اختیار کی جاتی ہیں چنانچہ تمام ہاتھ پاؤں سمیٹ لئے جاتے ہیں اور کسی قسم کی بے توجہی نہیں کی جاتی از سرتا پا مؤدب ہو کر کھڑا ہونا پڑتا ہے الغرض نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا قانونِ قدرت کی رُو سے بھی بندوں کے لئے مناسب ہے۔

نماز میں ادھر اُدھر دیکھنا لوگوں سے کلام کرنا منع ہونے کی وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لایزال اللہ تعالیٰ مقبلا علی العبد وھو فی صلوتہ مالم یلتفت فاذا التفت اعرض عنہ۔ ترجمہ۔ یعنی جب تک بندہ نماز میں رہتا ہے خدا تعالیٰ برابر اُس کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک وہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے پھر جب وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے تو خدا تعالیٰ اُس کی طرف متوجہ نہیں رہتا یعنی خدا تعالیٰ کی توجہ رحمت اُس سے ہٹ جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ جب کوئی بندہ خدا کی جانب متوجہ ہوتا ہے اُس کے لئے خدا کی بخشش کا دروازہ کھلجاتا ہے اور جب بندہ اِس سے اعراض کرتا ہے تو اِس سے صرف محروم نہیں رہتا بلکہ اپنی اعراض کی وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق بنتا ہے جب ایک دنیاوی بادشاہ و حاکم کے دربار میں جاتا ہے تو اُس کے روبرو نہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے نہ کسی اور سے کلام کرتا ہے نہ کوئی اور نامناسب کام کرتا ہے تو احکم الحاکمین کے دربار میں ایسے امور کب

جائز ہو سکتے ہیں لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اذا قام احدکم الی الصلوٰۃ فلا یمسح الحصی فان الرحمۃ تواجھہ۔ ترجمہ۔ یعنی تم میں سے جب کوئی نماز کو کھڑا ہو تو کنکریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ رحمت الٰہی اس کے روبرو ہوتی ہے۔ ایسا ہی ایک اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ ان ھذہ الصلوٰۃ لا یصلح فیھا شئی من کلام الناس انما ھی التسبیح والتکبیر و قرأۃ القراٰن ترجمہ۔ یعنی نماز میں لوگوں کی بول چال میں سے کچھ درست نہیں ہے نماز تو تسبیح اور تکبیر اور قرآن کریم کا پڑھنا ہے۔

نماز میں ثنا پڑھنے کی وجہ

(۱) سبحانک اللھم بمنزلہ سلام دربار کے ہے۔ (۲) بنی آدم میں یہ فطری امر ہے کہ جب کسی عالیشان امیر کبیر سے سوال کرتا اور اس سے اپنی حاجت روائی چاہتا ہے تو پہلے اس کی مدح و ثنا اور اس کی بزرگی و جلال اور اپنی مذلت اور انکسار بیان کرتا ہوا اپنی حاجت کا اظہار شروع کرتا ہے وہ ہی طریقہ یہاں بھی سکھایا گیا ہے تاکہ نفس انسانی کو خدا کی بزرگی اور اپنی پستی پر آگاہی ہو اور دل میں کمال حضور و انکسار پیدا ہو۔

ثنا و استفتاح کے بعد اعوذ پڑھنے کا راز

نماز میں ثنا کے بعد اعوذ پڑھنا اسواسطے مقرر ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاذا قرأت القراٰن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم ترجمہ۔ یعنی جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے تو شیطان مردود کے مکر سے اور اس کے وسواس سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ سے پناہ طلب کر چونکہ فاتحہ و سورۃ قرآن سے ہیں اس لئے ان سے پہلے اعوذ پڑھنا ضروری ٹھیرا۔

ابتدائے فاتحہ میں قرأت تسمیہ کی وجہ

ابتدائے فاتحہ میں بسم اللہ پڑھنے کا یہ راز ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے قرآن پڑھنے کے لئے پہلے اپنے پاک نام سے برکت حاصل کرنے کو مقرر فرمایا۔

نماز میں فاتحہ پڑھے جانے کا راز

نماز میں فاتحہ پڑھنا اس واسطے ضروری ہوا کہ وہ جامع دعا ہے خدا تعالیٰ نے بندوں کی طرف سے گویا اُن کو اس بات کی تعلیم کرنے کے لئے نازل فرمایا ہے کہ ہماری حمد و ثنا اس طرح کیا کرتے ہیں اور اس طرح خاص ہم سے استعانت چاہتے ہیں اور خاص ہمارے لئے عبادت کا اقرار کیا کرتے ہیں اور اسی طرح وہ راستہ جو ہر قسم کی بہتری کا جامع ہے مانگا کرتے ہیں اور اُن لوگوں کے طریقے سے جن پر ہمارا غصّہ ہوا ہے اور جو گمراہ ہیں پناہ مانگا کرتے ہیں اور بہتر دعا وہی ہوتی ہے جو جامع ہوتی ہے فاتحہ میں اوّل خدا تعالیٰ کی تعریف اور اُس کی تربیت عام اور اُس کی رحمت عامّہ اور خاصّہ اور اُسکی مالکیت اور اختیار جزا و سزا کا ذکر کرکے خدا سے ہدایت کی دعا مانگی جاتی ہے۔

فاتحہ کیساتھ ضم سورۃ کا راز

جبکہ فاتحہ عرض و سوال ہے تو سورۃ قرآن کا اسکے بعد پڑھنا اس سوال و عرض کا جواب ہے جسمیں مفصّل طور پر تمام انسانی کامیابیوں کا راز ہے۔ جب سوال اھدنا الصراط المستقیم کے بعد سورۃ پڑھی گئی تو بدلالت ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین کے یہ معلوم ہوا کہ سائل کا سوال پورا ہوگیا اور اُس کی اُمید پوری ہوگئی اس لئے اس انعام کے شکریہ میں آداب و نیاز بجا لانا اُس کے ذمّہ ضروری یہ حکمت بتی ہے کہ رکوع و سجود مثل آداب نیاز کے ہیں جو عطائے انعام کے وقت

جاتے ہیں گویا بندہ کا اپنے خدا تعالیٰ سے طلب ہدایت کا سوال ایسا ہوتا ہے جیسا مریض طبیب سے دوا کی درخواست کرتا ہے کہ امراض اعمال نامناسبہ و اعتقادات ردیہ سے خلاصی ہو پس خدا تعالیٰ اس کو فرماتا ہے کہ اپنے مرضوں کے رفع کی دوا میرے کلام سے لو اور اس سے کچھ پڑھ لو کیونکہ یہ دوا تمام امراض شرک و ریا و کبر و حسد وعقد و غیرہ کے لئے کافی و شافی ہے اس کی تلاوت سے تم کو اپنی بیماریوں کی دوا ملے گی اس لئے نماز میں فاتحہ کے علاوہ کچھ قدر قرآن کریم سے بھی پڑھتا ہے گویا فاتحہ ایسی ہے جیسے مریض طبیب کے آگے اپنا حال زار بیان کرتا ہے اور فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ کرنا ایسا ہے جیسا کہ طبیب کا بیمار کو دوا بتا دینا اور اس کا اس کو شکریہ سے قبول کر لینا۔

حقیقت رکوع و سجود

(۱) غور سے دیکھئے تو رکوع و سجود ان دونوں حالتوں پر دلالت کرتے ہیں جو بندہ سے اپنا اطاعت کو وقت سوال و استمداد مقرونہ انجاح حاجت ہونی چاہئیں جیسا اوپر بھی مذکور ہوا۔

(۲) جب احکم الحاکمین کا پروانہ قرآن کریم پڑھا گیا تو اس کی استقبال امر کے لئے جھکنا اور سجدہ کرنا جو اطاعت و فرماں برداری پر دلالت کرتے ہیں لازم ہوا کیونکہ جب حکام کی طرف سے رعیت کو حکم نامہ آتا ہے اور اس کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو اس حکم نامہ کی اطلاع یابی و اطاعت کا ایک نمونہ ظاہر ہوا کرتا ہے سو رکوع و سجود اس حکم الٰہی کی اطاعت پر دال ہیں جو اس کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

(۳) خدا کی عظمت کے خیال کرنے کے بعد جو اپنے نفس کی تحقیر کی کیفیت اپنے پر طاری ہونی چاہئے عالم اجسام میں اس کیفیت کے قائم مقام اور اس کے

مقابلہ میں اگر ہے تو جھک جانا ہے جس کو اصطلاحِ اسلام میں رکوع کہتے ہیں اور اُس کے علو مراتب غیر متناہیہ کے اعتقاد کے بعد جو اپنی پستی کے خیال کی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے اُس کے مقابلہ میں اور اُس کے قائم مقام اِس بدن کے احوال و افعال میں اگر ہے تو یہ ہے کہ اپنا سر اور منہ جو کہ محل عزت سمجھے جاتے ہیں زمین پر رکھے اور ناک اُس کے خاکِ آستانہ پر رگڑے اِس کو اسلام میں سجدہ کہتے ہیں۔

دہم۔ نماز میں انسان کو خدا تعالیٰ کے رو برو کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آداب خدمتگاران میں سے ہے یہ نماز کا پہلا حصہ ہے پھر رکوع جو دوسرا حصہ ہے یہ بتلاتا ہے کہ وہ تعمیل حکم الٰہی کو کس قدر گردن جھکاتا ہے اور سجدہ جو تیسرا حصہ ہے کمال آداب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو کہ عبادت کا مقصود ہے ظاہر کرتا ہے یہ آداب اور طریق ہیں جو خدا تعالیٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کئے ہیں اور جسم کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر اِن کو مقرر کیا ہے۔

نماز میں دو سجدے مقرر ہونے کی وجہ سجدہ اول نفس کو اس بات پر متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ میں اس خاک سے پیدا ہوا ہوں۔ اور دوسرا سجدہ اس بات پر دال ہے کہ میں اسی خاک میں لوٹ جاؤنگا

سورۂ فاتحہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھنے کی حکمت انسان کا خاصہ ہے کہ اُسکے دل پر کسی واعظ کی نصیحت کا اثر ایک ہی بار میں کچھ نہیں پڑتا اسی طرح انسان کے دل کا زنگ جو کہ اُسے محسوسات میں لگائے رکھنے سے پیدا ہو جاتا ہے ایک دفعہ کے تذکار سے دُور نہیں ہوتا۔ قانون قدرت میں بھی محسوسات میں جو زنگ زدہ اشیاء ہیں وہ ایک دفعہ کے

مصقلہ پھیرنے سے روشن اور چمکدار نہیں ہوتیں اسی طرح سورۂ فاتحہ بھی بڑی
بڑی روحانی بیماریوں کے زنگ کا مصقلہ تھی اسی واسطے ایک نماز میں یہ کئی
بار پڑھی جاتی ہے

پس کیا یہ مناسب نہ تھا کہ جیسے محلہ کے لوگوں کا روزانہ پنج وقتہ ایک جگہ
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اور منتظم ہو اور ایک بڑی جامع مسجد میں اکٹھے ہوا کریں اور ایک عالم حسب ضروریات
قوم ہر ہفتے تقریر (یعنی خطبہ) حمد و نعت کے بعد کیا کرے۔ اور عیدین میں سال
میں دو بار کسی قدر دور کے شہر والے لوگ ایک فراخ میدان میں جمع ہوں اور پھر
باقی ایک مقصود عظیم اور کثیر [illegible] دنیا کو آفتاب اسلام کی چمک دکھایا
تھا اور پھر ایک بار اُس پاک زمین پر یعنی اس فاران کی چوٹیوں پر جہاں سے
اول نور توحید چمکا تھا کل عالم کے خدا دوست حاضر ہوا کریں اور ساری بچھڑی ہوئی
متفرق جماعتیں اسی جنگل میں اکٹھی ہوا کریں اور وہاں نہ اُس اینٹ اور پتھر کے گھر کی
بلکہ اُس رب الارباب معبود الکل کی جس نے اُس ارض مقدسہ سے توحید کا
عظیم الشان واعظ بے نظیر ہادی نکالا حمد و ستائش کیا کریں اسی طرح جماعات
مختلفہ ہر سال اُس یادگار (بیت اللہ) کو دیکھکر ایک نیا جوش اور تازہ ایمان
دل میں پیدا کیا کریں جو بحسب تقاضائے فطرت ایسی یادگاروں اور نشانوں سے
پیدا ہونا ممکن ہے سخت جہالت ہے۔ اگر کوئی اہل اسلام جیسی موحد قوم کو مخلوق

پرستی کا الزام لگا دے۔ ایسے معترض شخص کو انسانی طبیعت کے عام میلان اور
جذبات کو مدنظر رکھکر ایک واجب القدر امر پر غور کرنا چاہیئے کہ اگر قرآن کے پورے
اور خالص معتقدین کی جماعتیں بت پرستی ہوتی تو اُن کو اپنے ہادی حقیقی محمد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روضۂ مقدسہ کے سامنے جھکنا کو نہایت صریح منع اللہ
تعالیٰ نے اس سے منع نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مرقد مبارک بنا دیا جو سجدے
دیا تاکہ توحید الٰہی کا پاک سرچشمہ ہر قسم کے شائبوں اور عکس ہائے الاشتراک سے
سے پاک و صاف رہے اور مخلوق کی فوق العادۃ تعظیم کا احتمال بھی اُٹھ جائے۔

نماز میں قومہ مقرر ہونے کی وجہ

چونکہ جب آدمی سجدہ کرنا چاہتا ہے تو سجدہ تک پہنچنے کے لئے اس کو جھکنا ضرور ہوتا ہے اور وہ
جھکنا رکوع نہ ہوتا بلکہ صرف سجدہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہوتا اس لئے ضرورت ہوئی کہ رکوع
اور سجدے کے درمیان میں ایک تیسرا فعل جو ان دونوں سے جدا ہے لایا جائے تاکہ رکوع
سجدے سے اور سجدہ رکوع سے علیحدہ ہو کر دونوں ایک مستقل عبادت ٹھہریں اور ہر ایک
کے لئے نفس کا ارادہ جدا ہو تاکہ نفس کو ہر ایک کے اثر معلوم کرنے میں تنبیہ و آگاہی
بھی جداگانہ ہو اور وہ تیسرا فعل قومہ ہے۔

نماز میں تعیین جلسہ کا راز

دو سجدے آپس میں اس وقت متمیز ہو سکتے ہیں کہ جب ایک تیسرا فعل ان کے درمیان میں حائل
ہو جائے اس لئے دو سجدوں کے درمیان جلسہ مقرر کیا گیا اور چونکہ قومہ اور جلسہ بدون
اطمینان کے ایک طرح کا کھیل ہوتا اور آدمی کی سبکساری پر دلالت کرتا جو شانِ عبادت
کے بالکل خلاف ہے اس لئے ان دونوں کو بھی اطمینان کیساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

حکمتِ تکرار بوقت رکوع و سجود

(۱) ہر مرتبہ جھکنے اور سر اٹھانے کے وقت تکبیر کہنے میں یہ راز ہے کہ نفس کو ہر مرتبہ خدا کی عظمت اور اس کی کبریائی پر آگاہی اور تنبیہ ہوتی رہے اور اسکو اپنی ذلت اور مسکنت پر توجہ پڑتی ہے۔

(۲) دوسرے اس امر میں یہ حکمت ہے کہ جماعت کے لوگ تکبیر کو سنکر امام کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا معلوم کرتے ہیں۔

ظہر و عصر کی نمازوں میں تخفیہ اور مغرب عشاء و فجر میں جہری قرأت پڑھنے کی وجہ

ظہر و عصر کی نمازوں میں خفیہ اور مغرب و عشاء و فجر کی نمازوں میں بلند قرأت پڑھنے کا تقرر نہایت مناسب اور حکمت الٰہی پر مبنی ہے کیونکہ مغرب و عشاء و فجر میں لوگوں کو اکثر شواغل و اقوال و اصوات و حرکات میں خاموشی اور اُن سے سکون و آرام ہوتا ہے اور ان وقتوں میں اُن کے افکار و ہموم بھی کم ہوتے ہیں لہٰذا ایسے اوقات کی قرأت دلوں میں زیادہ موثر ہوتی ہے کیونکہ دل تو افکار و ہموم سے خالی اور صاف ہونے سے اور کان اور شواغل و حرکات و اصوات کے نہ ہونے سے سمجھنے اور سننے پر آمادہ ہوتے ہیں چنانچہ رات کی بات کہی ہوئی کانوں سے گذر کر سیدھی دل پر جاکر لگتی ہے اور پکی اور موثر ہوتی ہے اس امر کی طرف خدا تعالیٰ بھی قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأً و اقوم قیلاً کا ترجمہ۔ یعنی رات کے اُٹھنے سے نفس خوب پامال ہوتا اور کچلا جاتا ہے۔ اور بات کہی ہوئی دل پر موثر اور پکی ہوتی ہے اور بیٹھ جاتی ہے غرض یہ امر مسلم ہے اور تجربہ بھی اسی امر کا گواہ ہے کہ خوش الحان آدمیوں

اور پرندوں اور باجوں وغیرہ کی آواز رات کو بہ نسبت دن کے دلوں کو زیادہ مؤثر اور خوش معلوم ہوتی ہے لہٰذا اِن اوقات میں جہری قرأت پڑھنی مقرر ہوئی جس میں وہ زیادہ مؤثر ہو۔

اسی طرح ظہر وعصر کی نمازوں میں قرآن کے آہستہ پڑھنے میں یہ حکمت ہے کہ دن میں بازاروں اور گھروں کے اندر شور وشغب رہتا ہے اور اس لئے اوقات ظہر وعصر میں کثرت مشاغل وحرکات اصوات ومتفرق امور وافکار سے دلوں کو فراغت کم ہوتی ہے اور بات پر خوب توجہ نہیں جمتی اس لئے ان وقتوں میں قرأت میں جہر نہیں مقرر ہوا۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی اسی امر کی طرف خدا تعالیٰ نے ایما فرمایا ہے ان لک فی النہار سبحاً طویلاً کا ترجمہ یعنی دن میں تجکو دور دراز شغل رہتا ہے اور اُس وقت پوری توجہ نہیں ہوتی اور رات میں دل کو زبان سے اور زبان کو کان سے پوری موافقت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فجر کی نماز میں سب نمازوں سے زیادہ لمبی قرأت کا پڑھنا سُنّت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز میں ساٹھ سے سَو آیت تک پڑھتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کی نماز میں سورۂ بقرہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سورۂ نحل اور سورۂ ہود اور سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ یونس وغیرہ لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ نیند سے جاگنے کے وقت دل کو فراغت ہوتی ہے اور مصلحت ہے کہ پہلے پہلے جو آواز کان سے گذر کر دل پر پڑے وہ خدا تعالیٰ کا کلام ہو جس میں انسان کیلئے سراسر بھلائی اور برکت اور خیر وخوبی بھری پڑی ہے اور اُس وقت وہ کلام دل میں بلا مزاحمت مؤثر ہوتا اور دل میں خوب جم جاتا ہے۔

جمعہ و عیدین وغیرہ میں جہری قرأت کی وجہ

جب دن کے وقت کوئی ایسی نماز پیش آجائے جو نماز کے علاوہ تبلیغ اسلام و تعلیم و وعظ و تربیت و تلقین کے لئے مقرر کی گئی ہو تو وہاں قرأت دن میں جہر اور آواز سے پڑھنی مقرر ہوئی ہے مثلاً جمعہ و عیدین اور استسقاء اور بعض آئمہ کے نزدیک کسوف کی نمازوں میں قرأت جہر سے پڑھی جاتی ہے کیونکہ ان وقتوں میں قرأت کا جہر سے پڑھنا لوگوں کے جمع ہونے کے مقصود کو مفید ہوتا ہے یعنی لوگوں کے لئے تعلیم و تبلیغ احکام اسلام و وعظ کی اغراض ہوتی ہیں لہذا ایسے موقعوں پر جہری قرأت کا پڑھنا ٹھہرایا گیا کیونکہ ان موقعوں پر عام لوگوں کے بڑے بڑے گروہ ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام سننا پایا جاتا ہے اور ان کو تبلیغ احکام کی جاتی ہے کیونکہ ان کو ایسے اجتماع کا موقع دیر کے بعد ملتا ہے اور یہ امر رسالت کے اعظم مقاصد میں سے ہے چنانچہ اس امر کے متعلق علامہ حضرت ابن قیم یوں فرماتے ہیں اذا اشتبه في ذلك تعارضت الاغراض قدم كالجامع العظيم في العيدين والجمعة والاستسقاء والكسوف فان الجهر حينئذ احسن وابلغ في تحصيل المقصود وانفع لجمهورهم وفيه من قراءة كلام الله عليهم وتبليغه في المجامع العظام ما هو من اعظم مقاصد الرسالة۔

الغرض ایسی نمازوں میں قرآن پاک کا جہر سے پڑھنا مقرر کیا گیا تا کہ لوگوں کو قرآن کے اندر تدبر کا موقع ملے اور انہیں قرآن کی عظمت بھی پائی جاتی

جمعہ و عیدین وغیرہ میں تقرر خطبہ کی وجہ

نماز جمعہ و عیدین و کسوف و استسقاء میں خطبہ بھی مقرر کیا گیا تا کہ جو لوگ ناواقف

ہیں وہ واقف ہو جائیں اور تبلیغ اسلام و تلقین احکام الٰہی اُن کو کما حقہٗ ہو جاوے اور وہ واقف و عالم ہو جاویں اور جو لوگ باوجود واقف و عالم ہونے کے غافل ہیں اُن کے لئے یاد دہانی ہو جاوے اور وہ ہوشیار ہو جائیں۔

نماز کے ہر دو رکعت کے درمیان التحیات مقرر ہونے کی وجہ

چونکہ اصل میں نماز دو ہی رکعت مقرر ہوئی تھی اور باقی رکعتیں اُن کی تکمیل کے واسطے ہیں اس واسطے ہر دو رکعت کے بعد تشہد مقرر ہوا تاکہ اصل اور فرع میں تمیز ہو جاوے اور اسی تمیز کے لئے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ بھی واجب ہوا اور آخری دو رکعتوں کے ساتھ ضم سورۃ مقرر نہیں ہوا۔

نماز میں تقرر تحیۃ کی وجہ

جب حکمنامہ الٰہی کے پڑھنے سے فراغت ہوئی اور حضور الٰہی میں بیٹھ جانے کی اجازت عطا ہوئی تو اُس سے پوچھا جاتا ہے کہ ہمارے حضور میں کیا تحفہ لائے ہو تو اُس وقت دو زانو بیٹھکر اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اے خدا تعظیمات قلبی اور عبادات بدنی اور مالی کا مستحق تو ہی ہے اور یہ تیری ہی حضور کے لائق ہے لہذا میرا اسار اموال و بدن اسی امر کے لئے تیرے حضور میں ہے۔

تحیۃ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سلام مقرر ہونیکا راز

نماز میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے بھی سلام مقرر کیا گیا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دل سے نہ بھلائیں اور ان کی رسالت کا اقرار کرتے رہیں اور نعمت اسلام اور آپ کی تبلیغ ہدایت کی قدر دانی کریں اور اُس کے شکریہ میں آپ پر سلام بھیجیں جن سے ہمکو

الناس لم یشکر اللہ یعنی جو لوگوں کا شکر گذار نہ ہو وہ خدا کا کب شکر کر سکتا ہے۔
اس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ حق ادا ہو جائے گا لہٰذا تحیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام مقرر ہوا۔

تحیہ نماز میں عام مومنین وصلحاء پر سلام مقرر ہونیکی حکمت

نماز میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین میں سلام کو عام کر دیا گیا یعنی ہم پر سلام اور خدا کے نیک بندوں پر سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے کی زبان سے یہ نکلا تو ہر ایک نیک بندے کو جو کہ آسمان و زمین میں ہے سلام پہنچ جائے گا اس میں نیز یہ سلام حق ہمدردی بنی نوع کی بجا آوری کے لیے ہے۔

حکمت اشارہ بالسبابہ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس میں بھید یہ ہے کہ انگلی کے اٹھانے میں توحید کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے قول و فعل میں مطابقت ہو جاتی ہے اور توحید کے معنی آنکھوں کے سامنے متمثل ہو جاتے ہیں۔

نماز میں حکمت منع اشکال مکروہہ

نماز میں ان امور کے عمل میں لانے کا حکم ہے جو وقار اور عادات حسنہ پر دال ہوں اور ان کو عاقل پسند کریں اور ایسے عادات نماز میں ظاہر نہ ہونے چاہئیں جن کو غیر ذوی العقول کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً جیسے مرغ کی طرح ٹھونگ مارنا۔ کتے کی طرح بیٹھنا لومڑی کی طرح زمین پر لیٹنا، اونٹ کی طرح بیٹھنا۔ اور درندوں کی طرح ہاتھ زمین پر بچھانا۔ اور ایسے ہی وہ ہیئتیں جو متکبر لوگوں یا ان لوگوں کی ہوتی ہیں جن پر عذاب نازل ہوتا ہے ان سے بھی احتراز کرنا چاہیئے مثلاً

کمر پر ہاتھ رکھکر کھڑا ہونا۔

تشہد کے بعد درود و دعا کی وجہ تشہد کے بعد دعا کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جو دعا نمازی کو پسند ہو وہ کرے یہ اس واسطے کہ نماز سے فارغ ہونے کا وقت ہے کیونکہ نماز پڑھنے کی وجہ سے رحمتِ الٰہی اس پر چھا جاتی ہے اور ایسی حالت میں دعا مستجاب ہوا کرتی ہے اور دعا کے آداب میں سے پہلے جناب باری کی حمد و ثنا بیان کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا توسل کرنا ضروری ادب ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صلوات و سلام و برکات کے تحفے بھیجے جائیں تاکہ دعا مستجاب ہو جائے۔ پھر اس کے بعد اپنے لئے اور اپنے ماں باپ کے لئے اور تمام اہلِ اسلام کے لئے دعائے مغفرت و ہدایت وغیرہ ضروریاتِ دین کر کے نماز کو ختم کرنے کے لئے داہنے بائیں طرف منہ کر کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہکر نماز سے فارغ ہو جاتے ہیں۔

سلام کیساتھ اختتام نماز کی وجہ داہنے بائیں سلام پھیرنے میں اشارہ ہے کہ وقت نماز میں گویا میں اس عالم سے باہر چلا گیا تھا اور ماسوی اللہ سے فارغ ہو کر اس کی درگاہ میں پہنچ گیا تھا اسکے بعد اب پھر آیا ہوں اور موافق رسم آیندگان ہر کسی کو سلام کرتا ہوں ؎

جاں سفر رفت و بدن اندر قیام
وقت رجعت زاں سبب گوید سلام

فرضوں کے قبل اور بعد سنتیں مقرر ہونیکی وجہ اصل بات یہ ہے کہ اشغال دنیاوی خدا کی یاد سے انسان کو غافل کر دیتے ہیں لہذا ایسی بات کی ضرورت ہوئی کہ اس کدورت کے صاف کرنے کی غرض سے

قبل از فرائض اس کا استعمال کیا کریں تاکہ فرائض کے اندر شروع کرنا ایسے وقت میں پایا جائے کہ تمام مشغلوں سے دل خالی اور سب سے خاطر جمع ہو۔ یہ تو قبل کی سنت کی حکمت ہوئی اور بسا اوقات آدمی اس طرح نماز پڑھ لیتا ہے کہ بوجہ عدم رعایت آداب نماز کا فائدہ اس کو پوری طرح حاصل نہیں ہوتا لہذا ضروری ہوا کہ فرائض کے بعد بھی اس مقصود کے پورا کرنے کے لئے کچھ نماز اور مقرر کی جائے تاکہ جو کمی و قصور فرائض میں ہو سنتوں کے ذریعہ سے تکمیل ہو اور جبر کسر ہو جاوے۔

چار رکعات آخری دو رکعتوں میں سورت ضم نہ کرنے کا راز | دراصل ابتدا میں نماز دو دو رکعتیں ہی مقرر ہوئی تھی بعد ازاں خدا تعالیٰ نے ان دو رکعتوں کی تکمیل و اکمال کے لئے ظہر و عصر و عشاء کے فرائض کے ساتھ دو دو رکعتیں اور مغرب کی نماز میں حکمت وتر کو ضائع نہ کرنے کی وجہ سے ایک رکعت بلائی اور قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کا جبر کسر مطلوب ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے فوت کی ایسی چیز ملائی جاتی ہے جو حیثیت و درجہ میں اس سے ادنیٰ ہو پس اگر پہلی دو رکعت فرائض کے ساتھ دوسری دو رکعت کامل مع ضم سورت ملائی جاتیں تو ہر وجہ و ہر پہلو سے پہلی دو رکعتوں کی برابر ہوتیں تو جبر و کسر و اکمال رکعتین کی حکمت ضائع ہو جاتی۔ اور خود پہلی دو رکعتوں کا جبر کسر اسی مصلحت سے ہوا کہ بسا اوقات حضور و توجہ یا فہم یا قرأت میں یا ارکان میں سے کسی رکن میں نقص و کسر رہ جاتی ہے اسلئے اس کے عوض میں دوسری رکعتیں بلائی گئیں۔

جماعت نماز کی اور اس میں صفوں کو برابر کرنے کی وجہ | نماز میں جو جماعت رکھی ہے اور جماعت کا زیادہ ثواب رکھا ہے اس میں یہ غرض ہے کہ اس سے قوم میں وحدت پیدا

ہوتی ہے اور پھر اس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی یہاں تک ہدایت اور تاکید ہے
کہ باہم پاؤں بھی محاذی ہوں اور صف سیدھی ہو اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے
ہوں اس سے مطلب یہ ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں اور ایک کے اطوار
دوسرے میں سرایت کر سکیں اور باہم وہ امتیاز جس میں خودی اور خود غرضی
پیدا ہوتی ہے نہ رہے۔

حقیقت تحیۃ نماز عبادات فقط اللہ جل شانہ ہی کا حق ہے کسی قسم کی عبادت
میں اس کا کوئی شریک نہیں اللہ تعالیٰ اس بات سے
غنی ہے کہ کوئی اس کا شریک اور ساجھی ہو یہ حاصل ہے التحیات للہ کا پھر
اس سے آگے ہے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الخ اس کی حقیقت
یہ ہے کہ قاعدہ کی بات ہے کہ ہر محسن اور مربی کی محبت کا جوش انسان کے دل میں
فطرتاً پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم پر
کیسے کیسے احسانات ہیں وہی ہیں جن کے ذریعہ سے ہم نے خدا کو پایا اور پہچانا وہی
ہیں جن کے ذریعہ سے ہمیں خدا کے اوامر و نواہی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی
راہیں معلوم ہوئیں وہی ہیں جن کے ذریعہ سے خدا کی عبادت کا اعلیٰ سے اعلیٰ
طریقہ یعنی اذان اور نماز ہمیں میسر ہوئی وہی ہیں جن کے ذریعہ سے ہم اعلیٰ سے اعلیٰ
مدارج تک ترقی کر سکتے ہیں وہی ہیں جن کے ذریعہ سے لا الہ الا اللہ کی پوری
حقیقت ہم پر منکشف ہوئی وہی ہیں جو خدا نمائی کا اعلیٰ ذریعہ ہیں غرض
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم پر اتنے احسانات اور انعامات ہیں کہ ممکن تھا
کہ جس طرح سے اور قومیں اپنے محسنوں اور نبیوں کو بوجہ ان کے انعامات کثیرہ

کے غلطی سے بجائے اِس کے کہ اُن کو خدا نما اور خداشناسی کا ایک آلہ سمجھتے اُنہی کو خدا بنا لیا اور توحید سکھانے والے لوگوں کو خود واحد و یگانہ مان لیا اور اُنکی تعلیمات کو جو نہایت ہی خاکساری اور عبودیت سے بھری ہوئی تھیں بھول کر ترک کر دیا اور اُنہی کو معبود یقین کر دیا ہم مسلمان بھی ممکن تھا کہ ایسا کر بیٹھتے مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس اُمت مرحومہ پر رحم کرنے اور اُسے خطرناک ابتلاء سے بچانے کے لئے محمدٌ عبدہٗ و رسولہٗ کا جملہ ہمیشہ کے لئے توحید الٰہی لا الٰہ الا اللہ کا جزو بنا کر مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے شرک سے بچا لیا بلکہ اسی باریک حکمت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی قبر بھی مدینہ منورہ میں ہوئی مکہ معظمہ میں نہیں رکھی کیونکہ اگر مکہ معظمہ میں آپ کی قبر ہوتی تو ممکن تھا کہ کسی کے دل میں خیال پرستش آجاتا یا کم از کم دشمن اور مخالف ہی اس بات پر اعتراض کرتے مگر اب مدینہ میں قبر ہونے سے جو لوگ مکہ معظمہ میں جانب شمال سے جانب جنوب منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں تو اُن کی پیٹھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی قبر مبارک کی طرف ہوتی ہے اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے یہ ایک راہ آپ کی قبر کے نہ پوجے جانے اور مسلمانوں کے شرک میں مبتلا نہ ہونے کے واسطے بنا دی اور اسی طرح سے جن جن باتوں میں اس بات کا وہم و گمان بھی ہو سکتا تھا کہ کوئی انسان آپ کو خدا بنا لے گا یعنی آپ کے شریک فی الذات یا فی الصفات ہونے کا گمان بھی جن باتوں سے ممکن تھا اُن کا خود خدا نے اسلام کی سچی اور پاک تعلیم میں ایسا بندوبست کر دیا کہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی مسلمان اس امر کا مرتکب ہو مگر چونکہ محسن سے محبت کرنا اور گرویدہ احسان ہونا انسان

کی فطرت کا تقاضا تھا اس واسطے اس کی ایک راہ کھولدی کہ ہم آپ کے لئے دعا کیا کریں اور اس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدارج میں ترقی ہوا کرے چنانچہ ہر مسلمان نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا پاک تحیہ پیش کرتا ہے اور دردِ دل سے شکر گذار ہو کر گویا کہ آپ کے احسانات اور مہربانیوں کے خیال سے آپ کی ایسی محبت پیدا کر لیتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سامنے موجود ہیں آپ کے حُسن احسانات کے نقشہ سے آپ کا وجود حاضر کی طرح سامنے لاکر گویا حقیقۃً حاضر جان کر مخاطب کے رنگ میں عرض کرتا ہے جس سے حقیقۃً حق تعالیٰ سے آپ کے لئے دعا ہے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ترجمہ یعنی اے نبی تجھ پر خدا کی رحمت اور برکات نازل ہوں۔ اور پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو آپ کے دین کے سچے خادم یعنی صحابہؓ اولیاء اللہؒ اصفیاءؒ اتقیاءؒ اور ابدال آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے اُن کے واسطے بھی بوجہ اُنکی حسن خدمات کے کہ اُنھوں نے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر بہت بڑے بھاری احسانات اور انعامات کئے دعا تعلیم کی گئی یعنی السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین۔

جلسہ تحیہ کے بعد درود نبوی پڑھنے کی حکمت

اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید ۝ اللہم بارک علی محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید ۝ ترجمہ یعنی

اے اللہ رحمت بھیج محمد اور آل محمد پر جیسا کہ تو نے رحمت بھیجی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر بیشک تو ستودہ صفات اور بزرگ ہے۔ اے اللہ برکت بھیج محمدؐ اور آل محمد پر جیسا کہ تو نے برکت بھیجی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر بیشک تو ستودہ صفات اور بزرگ ہے۔ یہ الفاظ جو ہم نماز میں پڑھتے ہیں ان کا نام ہے درود۔ واقع میں اگر ہم اللہ کے پورے پورے بندے اور عابد اور تعظیم کرنے والے اور مخلوق پر شفقت اور رحم کرنے والے اور علوم اور عقائد سے خوش حال ہو جاویں تو یہ سب فیضان اور احسان ہم پر حقیقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ہے اگر آپ کے دل میں ہمارا درد اور جوش نہ ہوتا تو قرآن کریم جیسی پاک کتاب کا نزول ہمارے لیے کیسے ہوتا اگر آپ کی مہربانیاں اور توجہات اور محنتیں اور تکالیف شاقہ نہ ہوتیں تو یہ پاک دین ہم تک کیسے پہنچ سکتا۔ پھر غور کا مقام ہے کہ جب ادنیٰ ادنیٰ محسنوں سے ہمیں محبت پیدا ہو جانا ہماری فطرت سلیم کا تقاضا ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا جوش کیوں مسلمان کے دل میں موجزن نہ ہوگا پس اسی جوش کا اثر ہے یہ درود جو کہ دعا ہے۔

امامت نماز و جماعت کی حکمت

جب کسی امر کا اظہار بزور منظور ہوتا ہے تو اس کو عملی صورت میں لاکر دکھاتے ہیں چونکہ خدا تعالیٰ کو اس عالم کی ہر چیز میں اعتدال منظور ہے اور اشیاء میں اعتدال جب ہی قائم رہتا ہے کہ ان میں اتحاد اور وحدت کا رابطہ قائم ہو پس خدا نے وحدت و اتفاق کو عالم تشریعی کے اندر جماعت و امامت نماز کی صورت میں دکھایا انتظام شمسی کو دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے سارے اجرام صغیرہ پیدا کر کے ان

سب کا امام اکبر و اعظم آفتاب کو بنایا اور سارے خورد و بزرگ اجسام و اجرام کو اُس کے ماتحت ٹھیرایا۔ الغرض عالم اجسام کے تمام سلاسل خورد و بزرگ آفتاب تک بتدریج پہنچتے ہیں پس جو تسلسل خدا نے عالم کون و قانون قدرت میں پیدا کی ہے وہی صورت جماعت امامت نماز عالم تشریعی میں ظاہر کر کے بنی آدم کو ظاہری و باطنی اتفاق کی طرف ایما فرمایا اور دکھا دیا کہ اتفاق و وحدت ہی کی برکت ہے جس کے ساتھ دنیا کا قیام ہے پس جبکہ عالم اجسام میں بظاہر قدرت ایک امام کی ضرورت رہتی ہے تو پھر کیونکر گمان ہو سکتا ہے کہ خدا نے روحانی عالم کے قیام کے لئے کوئی روحانی امام مقرر نہ کیا ہو جس تک بتدریج یہ سلسلہ منتہی ہوتا ہو سو وہ انبیاء و رسل اور اُن کے خلفاء ہیں پس نماز کی امامت میں اسی روحانی رابطہ و اتحاد کی طرف ایما ہے جن کا سلسلہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر منتہی ہوتا ہے اور آپ کی نیابت میں اس کا ظہور ائمہ صلوٰۃ کی صورت میں ہوتا رہتا ہے پس جو شخص اس کے برخلاف عمل کرتا ہے اور جماعت کا قائل نہیں وہ مرتبہ اعتدال کو چھوڑتا اور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت اور عالم تشریعی سے خارج ہو کر باغی ہوتا ہے۔

جواب اس اعتراض کا کہ نماز کیوں ایک وقت مقرر نہ ہوئی | سوال نماز کیوں ایک ہی وقت

مقرر نہ ہوئی پانچ وقت کیوں ہوئی۔؟

جواب۔ جیسا کہ جسم کی تقویت کے لئے بار بار غذا کی ضرورت پڑتی ہے ایسا ہی روح کی صحت و صفائی و تقویت کے لئے روحانی غذا کی ضرورت انسان

کو بالا ولی ہے۔ تعجب ہے کہ سائل کہتا ہے نماز ایک ہی وقت کیوں مقرر نہ ہوئی
ہم کہتے ہیں کہ جب ہم جسم کی تقویت کے لیے کئی بار دن میں غذا کھاتے ہو روح جو
لطیف ترین و نازک ترین چیز ہے اس کی صحت و صفائی اور قوت قائم رکھنے
کے لئے روحانی غذا یعنی نماز کی زیادہ تر ضرورت ہے پس جبکہ اجسام کو تر و تازہ
رکھنے اور تقویت دینے کے لئے دن میں کئی بار غذا کھاتے ہیں تو روحانی غذا کیلئے
رات دن میں پانچ وقت مقرر ہوئی تو کیا حرج ہے۔

حقیقت جماعت پنجگانہ و جمعہ و عیدین و حج

جناب الٰہی نے اطاعت اور طہارت کے ساتھ

پانچ وقت جمع ہو کر اور مل کر اس کی عظمت و جبروت کو بیان کرنا مسلمانوں پر
لازم کر دیا کوئی شہر اور قصبہ نہ دیکھو گے جس کے ہر محلہ میں پنجگانہ جماعت نماز
نہ ہوتی ہو لیکن اس روزانہ پانچ وقت کے اجتماع میں اگر تمام باشندگان شہر
و قصبہ کو اکٹھا ہونیکا حکم دیا جاتا تو یہ ایک تکلیف مالا یطاق ہوتی اس لئے تمام
شہر و قصبہ کے رہنے والے مسلمانوں کے اجتماع کے لیے ہفتہ میں ایک دن جمعہ
کا مقرر ہوا اور پھر اسی طرح دیہات کے لوگوں کے اجتماع کے لئے عید کی نماز
تجویز ہوئی اور چونکہ یہ ایک بڑا اجتماع تھا اس لئے عید کا جلسہ شہر کے باہر میدان
میں تجویز ہوا لیکن اس کے بعد پھر بھی کل دنیا کے مسلمان میل ملاپ سے محروم
رہتے تھے۔ اس لیے کل اہل اسلام کے اجتماع کے لئے ایک بڑے صدر مقام
کی ضرورت تھی تاکہ مختلف مقامات کے بھائی اسلامی رشتہ کے سلسلہ میں یکتا
باہم ملجاویں لیکن اس کے لئے چونکہ ہر مسلمان امیر و فقیر کا شامل ہونا محال

تھا اس لئے صرف صاحب استطاعت منتخب ہوئے۔

نماز ختم کرنیکے بعد دعائیں پڑھنے کا راز۔ احادیث نبویہ میں کچھ کلمات و ادعیہ مسنونہ وارد ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ختم کرنیکے بعد پڑھا کرتے تھے یہ ایسا ہے جیسا کہ کسی عالیشان دربار سے رخصت ہونیکے وقت آداب و سلام بجا لاتے ہیں اور یونہی چپ چاپ رخصت نہیں ہوتے بلکہ دربار سے رخصت ہونیکے وقت بھی آداب و نیاز و عرض حال کرتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوائے فرض کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے اللھم انت السلام و منک السلام و الیک یرجع السلام تبارکت ربنا و تعالیت یا ذا الجلال والاکرام ؕ

ترجمہ:۔ اے اللہ تو سلامتی ہے اور سلامتی تیری طرف سے ملسکتی ہے اور سلامتی کا مرجع تو ہی ہے، بڑی برکت والا ہے اے جلال اور عزت والے۔

علیٰ ہذا القیاس اور بھی بہت سی ادعیہ ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ختم کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

نماز میں سترہ کا راز۔ اس کا بھید یہ ہے کہ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم واجب ہے اور چونکہ نماز سے اس عالمت کے ساتھ تشبیہ مراد ہے جو غلام کو اپنے مولا کے سامنے سکون اور خاموشی کے ساتھ خدمت کے لئے کھڑے ہوتے وقت ہوا کرتی ہے اس واسطے نماز کی ایک تعظیم یہ بھی مقرر کی گئی ہے کہ کوئی گذرنے والا نمازی کے سامنے ہو کر نہ گذرے کیونکہ آقا اور اس کے غلاموں کے درمیان سے جو اس کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں گذرنا سخت

بے ادبی ہے چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ان احدکم اذا قام فی الصلوٰۃ فانما یناجی ربہ بینہ وبین القبلۃ۔ ترجمہ یعنی تم میں سے جب کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے عرض معروض کرتا ہے جو کہ اُس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔
نیز نمازی کے سامنے گذرنے سے اُس کا دل اکثر ہٹ جاتا ہے اسی واسطے نمازی کو استحقاق ہے کہ آگے سے گذرنیوالے کو ہٹاوے۔ پس ان دونوں حکمتوں سے سُترہ مقرر کیا گیا تاکہ اُس کے باہر سے گذرنے میں ان دونوں خرابیوں سے حفاظت رہے اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اذا وضع احدکم بین یدیہ مثل مؤخرۃ الرحل فلیصل ولا یبال بمن مروراء ذالک۔ ترجمہ۔ یعنی تم میں سے جب کوئی اپنے سامنے کجاوے کے پشتے کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو پھر وہ نماز پڑھتا رہے اور اس سے پرے کو جو کوئی گذرے اُس کی کچھ پروا نہ کرے۔
اس میں بھید یہ ہے کہ چونکہ مطلق گذرنے سے ممانعت کرنے میں حرج عظیم تھا اس واسطے آپ نے سُترہ کے کھڑا کرنیکا حکم دیا تاکہ ظاہر میں نماز کی زمین دوسری زمین سے علیحدہ ہو جاوے اور اس علیحدگی کے سبب پاس سے گذرنا بھی طبعاً ایسا ہی سمجھا جاوے جیسے دُور سے گذرنا۔

مقبرہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت کی وجہ

مقبرہ کے اندر نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ لوگ وہاں نماز پڑھتے پڑھتے بتوں کی طرح اولیاء اور علماء کی قبروں کی پرستش نہ شروع کردیں اور یہ شرک جلی کی صورت ہے یا اُن مواضع میں نماز پڑھنے کو زیادہ قربت الٰہی کا سبب سمجھنے لگیں اور یہ شرک خفی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی مراد اس فرمانے سے

یہ ہی ہے کہ لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔
ترجمہ۔ یعنی یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا

غروب وطلوع واستواء آفتاب کے وقت منع نماز کی وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین ان اوقات میں آفتاب کی پرستش کرتے اور اس کو سجدہ کرتے ہیں اس لئے خدا نے ان کے ساتھ تشبیہ اختیار کرنے سے منع فرمایا اور ضروری ہوا کہ اس عبادت کے اندر جو کہ سب عبادتوں میں بڑی ہے وقت کے اعتبار سے بھی ملت اسلام اور کفر میں تمیز اور فرق کیا جاوے

حمام میں منع نماز کی وجہ

حمام میں نماز سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں لوگوں کے ستر کھلتے ہیں اور لوگ آتے جاتے ہیں ان باتوں سے نمازی کا دل بٹ جاتا ہے اور حضور دل سے انسان وہاں اپنے پروردگار کے آگے التجا نہیں کر سکتا۔

اونٹوں کے مقام میں منع نماز کی وجہ

جہاں اونٹ باندھے ہوں ان مواضع میں نماز سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ ایک عظیم الجثہ جانور ہے اور جس کو پکڑ لیتا ہے پھر چھوڑتا نہیں اور اس کی عادت بھی ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ستاتا ہے اور سرکشی اس جانور کا خاصہ ہے اور یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے وہاں کھڑے ہو کر نمازی کا دل نہیں لگے گا۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں صلوا فی مراح الغنم ولا تصلوا فی معاطن الابل فانها خلقت من الشیاطین۔ ترجمہ۔ یعنی بکریوں کے آرام گاہ میں نماز پڑھو اور اونٹوں کے مقام میں نماز مت پڑھو کیونکہ اونٹ کی سرشت میں شیطانی مادہ زیادہ ہے۔

مذبح میں ممانعت نماز کی وجہ | مذبح میں ممانعت نماز کی وجہ یہ ہے کہ وہ نجاست کا مقام ہے ایسی جگہ میں جانوروں کے ذبح کرنے کا خون اور گوبر وغیرہ پڑنے سے تعفن ہوتا ہے اور نماز کیلئے نظافت اور طہارت مناسب ہے۔

راستہ میں منع نماز کی وجہ | راستہ کے بیچ میں نماز سے اس واسطے ممانعت کی گئی ہے کہ اول راہ چلنے والوں سے نماز کا دل بٹے گا اور راستہ بھی لوگوں پر تنگ ہوگا یا وہ آگے سے گذریں گے دوسرے جانور وغیرہ ادھر سے ہو کر نکلتے ہیں جیسا کہ وہاں اکثر [illegible] بھی اسی لیے نہی صریح ہے ان وجوہ سے وہاں نماز پڑھنے کی بھی ممانعت ہے بلکہ راستہ سے ایک طرف ہو کر نماز پڑھنا لازم ہے۔ عن عمر بن الخطاب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال سبع مواطن لا تجوز فیہا الصلوٰۃ ظہر بیت اللہ والمقبرۃ والمزبلۃ والمجزرۃ والحمام وعطن الابل ومحجۃ الطریق۔ ترجمہ یعنی حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں سات مقاموں میں نماز جائز نہیں ہے کعبہ کی پیٹھ پر بلحاظ عظمت کے اور قبرستان میں بلحاظ وہم شرک کے اور گھورے میں بوجہ نجاست کے اور جانوروں کے ذبح ہونیکے مقام میں بلحاظ اسی نجاست و تعفن کے اور حمام میں بلحاظ پراگندہ ہونے دل کے اور اونٹوں کے مقام میں اور راستے کے بیچ میں بلحاظ خلل ہونے حضور دل کے۔

اعمال کیلئے قضا اور رخصت مقرر ہونیکی حکمت | انسان کو بعض اوقات کچھ عذر وغیرہ بھی پیش آتے ہیں پس اگر ان کی بالکل رعایت نہ کی جاوے تو حرج عظیم ہے اس لئے رخصت کا

مشروع ہونا بھی مناسب ہے کہ اس میں مکلف کی سہولت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ترجمہ۔ یعنی خدا تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا قصد کرتا ہے اور تمہارے ساتھ دقت اور دشواری نہیں چاہتا۔

اور اگر اُن کی رعایت سے تعمیل کو ساقط کر دیا جاوے یعنی عذر کے وقت احکام کی تعمیل بالکل ترک کرادی جائے تو اُس وقت نفس اُن کے ترک کا عادی ہو جاویگا۔ پس نفس کی مشاقی ایسی ہی کرائی جاتی ہے جیسے کسی چارپایہ کو مشق کراتے ہیں جو لوگ اپنے نفس کی ریاضت کرتے ہیں یا لڑکوں کو تعلیم دیتے ہیں یا چارپایوں کو مشق کراتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ہمیشگی میں الفت و مناسبت کامل پیدا ہوتی ہے اور کام کرنے میں اس سے کیسی آسانی حاصل ہو سکتی ہے اور کام کے چھوڑ دینے سے کیسی الفت جاتی رہتی ہے اور اس کا کام کرنا نفس کو کیسا گراں معلوم ہوتا ہے اور جب قصد ہوتا ہے کہ دوبارہ ان میں کام کرنے کی تحریک پیدا ہو تو از سر نو ان میں الفت اور میلان پیدا کرنا پڑتا ہے اس واسطے ان وجوہ کر دو امر ضروری ٹھیرے۔ ایک یہ کہ جب کسی کام کے کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے تو اُس کے لئے قضا مشروع ہو۔ دوسرے یہ کہ افعال کے لئے رخصتیں بھی مقرر کی جائیں چنانچہ اسی قاعدہ کے موافق تاریکی وغیرہ کی حالت میں استقبال قبلہ کی جگہ صرف تحری پر کفایت کی جا سکتی ہے اور جس کو کپڑا میسر نہ ہو وہ ستر عورت کو ترک کر سکتا ہے اور جس کو پانی نہ ملے وہ وضو کو ترک کر کے تیمم کر سکتا ہے اور جس کو نماز میں قرأت پر قدرت نہ ہو وہ کسی ذکر پر اکتفا کر سکتا ہے اور جس کو قیام پر قدرت نہ ہو وہ بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے نماز پڑھ سکتا ہے اور جو رکوع یا سجدہ نہ کر سکتا ہو

اُس کی نماز صرف سر جھکانے سے ہو سکتی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی قاعدہ ہے کہ بدل میں کوئی ایسی شے باقی رکھنی چاہیئے جس سے اصل یاد آجائے اور معلوم ہو جائے کہ یہ اس کا نائب اور بدل ہے۔

مسافر بآرام کو رخصت افطار روزہ اور قصر نماز کی وجہ

مسافر بآرام کیلئے رخصت افطار روزہ و قصر نماز کی اجازت دینا اور مقیم بالمشقت کو اجازت قصر نماز و افطار روزہ کی نہ دینا حکمت الٰہیہ پر مبنی ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ افطار روزہ و قصر نماز مسافر کے لئے مخصوص ہے اور مقیم نہ افطار روزہ کرے اور نہ قصر نماز کرے البتہ عذر مرض کے لئے مقیم بھی صرف روزہ افطار کر سکتا ہے یہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال حکمت پر مبنی ہے کیونکہ سفر بذات خود عذاب کا ایک ٹکڑا اور شدائد و مصائب اور محنت و مشقت و تکلیف پر مشتمل ہے مسافر اگرچہ زیادہ آسودہ حال لوگوں میں سے ہو مگر پھر بھی وہ بحسب حیثیت خود ضرور ایک قسم کی محنت و مشقت میں ہوتا ہے پس یہ خدا تعالیٰ کی محض رحمت و مصلحت ہے کہ اُس نے اس پر سے ایک حصہ نماز کا کم کر دیا اور ایک ہی حصہ پر اکتفا فرمایا اور فرض روزہ میں سفر میں افطار سے تخفیف فرمائی اور پھر ختم سفر کے بعد یعنی اقامت میں اس کی ادا کرنے کا حکم فرمایا جیساکہ بیمار و حائضہ عورت کے متعلق ایسا ہی حکم ہے تاکہ اُن سے اُس عبادت الٰہی کی مصلحت سفر میں ساقط کرنے سے بالکل فوت نہ ہو جائے اور اقامت میں جو مشقت اور تکلیف اور مشکل پیش آتے ہیں وہ ایسے ہیں جن کا کوئی انحصار اور شمار نہیں ہے پس اس طرح اگر تحلیق و مزدور و مشقت والے آدمی کے لئے رخصت و اجازت افطار روزہ و قصر نماز کی ہوتی تو بہت ہی ضروری و لازمی عبادات ضائع ہو جاتیں اور اگر بعض

کے لئے اجازت ہوتی اور بعض کے لئے نہ ہوتی تو بھی انحصار نہ ہوتا اور کوئی خاص
ایسا وصف بھی نہیں ہے جس کا انضباط ہو سکے جس کی بنا پر رخصت وعدم رخصت
ہوتی بخلاف سفر کے کیونکہ مشقت ومحنت سفر کے ساتھ متعلق کی گئی ہے اور اس میں
تخفیف عبادت کے ساتھ مناسبت بھی ہے البتہ اگر مقیم کو عذر مرض وغیرہ ہو تو اس
کے لئے افطار روزہ کی اجازت ہوئی اور نماز بیٹھکر یا پہلو پر لیٹ کر ادا کرنا بھی
جائز رکھا گیا اور یہ قصر عدد کی نظیر ہے اور محض تکان کی مشقت وتکلیف کا اعتبار
نہیں کیا گیا کیونکہ یوں تو دنیا وآخرت کی تمام ہی مصلحتیں تکان اور محنت پر موقوف
ہوتی ہیں اور جو شخص محنت اور تکلیف نہیں اٹھاتا اس کو کوئی راحت وآرام نہیں
ملتا محنت وتکلیف کی قدر ہی آرام وراحت ملتی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ مشقت کے تمام
پیشوں میں مثلاً کاشتکاری اور آہنگری وغیرہ محنت اور مشقت وحرج بالضرور ہوتا ہے
اسی طرح دنیا کا کوئی کسب کام محنت ومشقت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے ان میں
قصر نماز وافطار روزہ کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ پیشہ ور اور محنتی لوگ مدام
ان میں مصروف ومشغول رہتے ہیں ان کے معاش انہی پیشوں پر موقوف ہوا کرتی
ہے اگر ان کو اجازت عام ہوتی تو اطاعت الٰہی کے انتظامات میں سخت ابتری
پھیل جاتی اس لئے مصلحت وحکمت الٰہی نے عام محنتوں ومشقتوں میں رخصت
تجویز نہیں فرمائی بلکہ خاص محنتوں ومشقتوں کے لئے رخصت ہوئی خلاصہ یہ ہے
کہ ہر ایک حرج کی صورت میں رخصت تجویز نہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ حرج کے
طریقے بکثرت ہیں اور اگر سب میں رخصت تجویز کی جائے تو اطاعت الٰہی بالکل متروک ہو جائے

حائضہ پر ادائے روزہ اور عدم ادائے نماز کی وجہ

حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

واما ایجاب الصوم علی الحائض دون الصلوۃ فمن تمام محاسن الشریعۃ وحکمتہا ورعایتہا لمصالح المکلفین فان الحیض لما کان منافیا للعبادۃ لم یشرع فیہ فعلہا وکان فی صلاتہا ایام التطہر ما یغنیہا عن صلاۃ ایام الحیض فیحصل لہا مصلحۃ الصلوۃ فی زمن التطہر بتکررہا کل یوم بخلاف الصوم فانہ لا یتکرر وھو فرض واحد فی العام فلو سقط عنہا فعلہ ایام الحیض لم یکن لہا سبیل الی تدارک نظیرہ وفات علیہ مصلحتہ فوجب علیہا ان تصوم فی طہر لتحصل مصلحۃ الصوم التی ھی من تمام رحمۃ اللہ بعبادہ واحسانہ الیہ بشرعہ و باللہ التوفیق۔ ترجمہ - یعنی حائضہ پر وجوب روزہ و عدم ادائے نماز کا سبب شریعت حقہ کی خوبیوں اور اس کی حکمت اور رعایت مصالح مکلفین سے ہے کیونکہ جب حیض منافی عبادت ہے تو اس میں عبادت کا فعل مشروع نہیں ہوا اور ایام طہر میں اس کی نماز پڑھنا ایام حیض میں نماز پڑھنے سے کافی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بار بار روز مرہ آتی ہے مگر روزہ روز مرہ نہیں آتا بلکہ سال میں صرف ایک مہینہ روزوں کا ہے اگر ایام حیض کے روزے بھی اس سے ساقط کر دیئے جائیں تو پھر ان کی نظیر کا تدارک نہیں ہو سکتا اور روزہ کی مصلحت اس سے فوت ہو جاتی اس لئے اس پر واجب ہوا کہ ایام طہر میں روزے رکھے تاکہ اس کو روزہ کی مصلحت حاصل ہو جائے جو کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر محض اپنی رحمت اور احسان سے ان کے فائدہ کے لیے مشروع فرمائے ہیں۔

چاند اور سورج گہن کے وقت نماز مشروع ہونے کی وجہ

چاند اور سورج کا گرہن نمونہ اور تذکرہ ہے آفت و مصیبت و اسباب شر کا پس خدا تعالیٰ کی رحمت اور اس کی ثمرہ لطف

حکمت تقاضا کرتی ہے کہ کسوف کے وقت لوگوں کو وہ طریقے سکھلائے جو کسوف
کے نظیر بلاؤں کو دور کریں بہ تقاضا اس کے کہ ہمارا دین ہے پس اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی زبان پر یہ تمام طریقے سکھلا دیئے کیونکہ یہ تمام امور اللہ کی سنت ہے سبب کہ وہ دعا
کے ساتھ بلا کو رد کرتا ہے اور دعا اور بلا دونوں جب کبھی باہم جمع ہوئیں تو دعا ہی بالآخر
آئی بلا پر غالب آئی جبکہ دعا ایسے لوگوں سے نکلی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع
کرنے والے ہیں صحیح مسلم و بخاری سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ شمس و قمر خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشان ہیں اور کسی کے
مرنے یا جینے کے لئے ان کو گرہن نہیں لگتا بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے وہ نشان ہیں خدا
تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس جب تم ان کو دیکھو تو جلدی
سے نماز میں مشغول ہو جاؤ۔ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے
کہ یہ دونوں نشان گنہگاروں کے ڈرانے کے لئے ہیں تاکہ اپنے گناہ بدکاریوں
اور پلیدیوں کے وبال سے ڈریں اور اسی غرض سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے گرہن کے وقت حکم فرمایا ہے کہ بہت نیکیاں کرو اور نیک کاموں کی طرف
جلدی کرو اور خالص نیت کے ساتھ نماز اور دعا کرنا اور خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا
اور ذکر و تضرع و قیام و رکوع و سجود و توبہ انابت و استغفار و خشوع و ابتہال
اور جناب الٰہی میں تذلل کرنا اور تصدق و اعتاق مقرر فرمایا تاکہ اس آنے والے
عذاب سے ان اعمال صالح کا بجالانا عامل کے لئے سپر ہو یہ ایسا وقت ہے کہ
حوادث کے پیدا ہونیکا مذکر اور اس پر متنبہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل معرفت کے
دلوں میں خود بخود ایسے اوقات میں گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز ایسے اوقات

میں زمین پر تجلیات کا نزول ہوتا ہے اس لئے صاحبِ معرفت کو ان اوقات میں خدا تعالیٰ کے ساتھ قرب حاصل کرنا بہت مناسب ہے چنانچہ نعمان بن بشیر کی حدیث میں کسوف کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے فاذا تجلی اللہ لشئ من خلقہ خشع لہ۔ ترجمہ۔ یعنی جب خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے کسی چیز پر تجلی فرماتا ہے تو وہ چیز اس کے سامنے جھک جاتی ہے۔

نیز کفار لوگ چاند اور سورج کو سجدہ کیا کرتے ہیں لہذا مومن مسلمان کو لازم ہے کہ جب کوئی ایسی دلیل ظاہر ہو کہ جس سے ان چیزوں کا غیر مستحق عبادت ہونا ثابت ہو تو خدا تعالیٰ کے سامنے نیازمندی سے التجا کرے اور خدا تعالیٰ کو سجدہ کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن ترجمہ۔ آفتاب کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے انکو پیدا کیا ہے یہ سجدہ کرنا دین کے لیے شعار اور منکرین کے لئے ساکت کرنے والا جواب ہے

سوال۔ اگر کوئی کہے کہ خسوف و کسوف نجوم کی مقررہ منازل پر پہنچنے سے واقع ہوتا ہے اور اس کو انسانوں کے عذاب ثواب سے کوئی تعلق نہیں ہے تو:۔

جواب۔ یہ ہے کہ جو سائل نے کہا ہے وہ علت ہے اور جو ہم نے کہا ہے وہ حکمت ہے۔ پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

نماز استسقا میں چادر کو الٹا کرنیکی حکمت

نماز استسقا میں چادر کا الٹا کرنا اس حال کے پلٹ جانیکی طرف ایما ہے جس میں لوگوں کو خشک سالی سے فراخ حالی و تنگی عیش سے فراخی عیش کی تحویل مطلوب ہوتی ہے۔ نیز نماز استسقا میں لوگ کبر و فخر اور بڑائی اور گھمنڈ اور ناشکری سے

حالت توبہ و استغفار و عجز و اظہار و فاقہ و مسکنت کی طرف پھر جانیکا اظہار کرتے ہیں پس چادر کا اُلٹا کرنا یہ تصویری زبان سے اظہار ہے اور زبان افعال کا اظہار زبان اقوال کے اظہار سے زیادہ تر کامل ہے۔ نیز اس میں یہ امر بھی مرموز ہے کہ تصویری زبان میں افعال و اخلاق سیئہ سے نجات اور افعال و اخلاقِ حسنہ کی توفیق کے لئے دعا کی جاتی ہے حضرت ابن عربی فرماتے ہیں ؎

امن کان یستسقی یحول رداءہ ✦ تحول عن الافعال علک تتقی

ترجمہ یعنی اے وہ شخص جو قحط سالی میں نماز استسقا پڑھتا اور چادر اُلٹاتا ہے تو اپنے افعال بد کو اُلٹ دے اور نیک افعال اختیار کرتا کہ تو پسندیدہ حق ہو جاوے۔

نماز عیدین کیلئے اذان و اقامت مشروع نہ ہونیکی وجہ | چونکہ روزِ عید میں لوگوں کو نمازِ عید پڑھنے کے لئے اعلام و اعلان کے داعی بکثرت موجود ہوتے ہیں اور تکبیر و تحمید و تہلیل جو کہ یوم عید میں مشروع ہیں وہ بھی اسی غرض کے لئے ہیں کہ غافل آگاہ ہو جاویں لہذا حکم اذان و اقامت ساقط ہوا کیونکہ اذان و اقامت اعلان و اطلاع کے لئے ہوتی ہیں تاکہ غافل ہوشیار ہو جائیں اور یہ بات روز عید میں پہلی ہی موجود ہے (فتوحات مکیہ)

نماز عید میں زیادہ تکبیرات کہنی کی وجہ | چونکہ یوم عید میں لوگوں کو حظوظ نفس میں یعنی کھانے پینے پہننے اور لہو و لعب میں مشغول ہو کر خدا تعالیٰ کی بزرگی و جلال و عظمت کو بھول جانیکا قوی مظنہ تھا لہذا اُنکی تنبیہ کیلئے نماز عیدین میں زیادہ تکبیرات شامل کی گئی ہیں جن سے یہ امر مستحضر ہے کہ اے خدا تمام کبریا و عظمت تیرا ہی حق ہے ہم سب ہیچ ہیں (فتوحات مکیہ)۔

نماز عیدین کی تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی حکمت | تکبیرات عیدین کی نماز میں ہاتھوں کا

اُٹھانا اس بات کی طرف ایما ہے کہ اے خدا ہم نے تیری کبریائی و عظمت و جلال کے سامنے اپنی بڑائی اور عظمت کو چھوڑ دیا سب بزرگیوں بلندیوں کا تو ہی مالک ہے۔

قرآن کریم کے شعائر الٰہی میں سے ہونے کی حکمت قرآن کا شعائر آلٰہی ہونا اس طرح ہے کہ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے رعایا کی طرف فرامین کا بھیجنا رائج ہے سو سلاطین کی تعظیم سے اُن فرامین شاہی کی بھی تعظیم ہوتی ہے اور چونکہ قبل نزول قرآن انبیاء سابقین اور لوگوں کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہوگئی تھیں اور لوگوں کا مذہب بھی [illegible] کے ساتھ ہی اُن کتابوں کی تعظیم کرنا اُن کا پڑھنا پڑھانا بھی رائج تھا اور ان میں خلط ہوگیا تھا اور حاجت تھی علوم صحیحہ کی اور ایسے علوم کو ہمیشہ کے لئے [illegible] حاصل کرنا بغیر ایسی کتاب کے بادی الرائے میں محال تھا جس کو وہ پڑھیں [illegible] اُس کی تعظیم کریں غرض وہ شعائر میں سے قرار دی جاوے۔ اِن اسباب کا یہ مقتضا ہوا کہ ایک ایسی کتاب کی صورت میں رحمت الٰہی کا ظہور رہے جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہو اور اُس کی تعظیم کی یہ صورت ہو کہ جب وہ کتاب پڑھی جاوے تو سب لوگ خاموش ہو کر اس کو غور سے سنیں اُس کے فرامین کی فوراً تعمیل کریں مضامین سجدہ پر سجدۂ تلاوت کریں جہاں تسبیح کرنیکا حکم ہو وہاں تسبیح پڑھیں

پیغمبر خدا کے شعائر الٰہی میں سے ہونے کی وجہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شعائر الٰہی میں سے ہونا اِس واسطے ہے کہ وہ مرسل ہیں اُن کو بادشاہوں کے ایلچیوں سے مشابہت ہے جو رعایا کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور سلاطین کے امر و نہی کی اُن کو اطلاع کرتے ہیں اور ایلچیوں کی تعظیم سے بھیجنے والے کی تعظیم کا اظہار ہوتا ہے پس پیغمبر کی تعظیم بھی اس طرح مشروع ہوئی کہ اُن کے احکام کی بجاآوری کی جاوے اُن پر درود بھیجا جاوے

گفتگو کرتے وقت اُن کے سامنے آواز بلند نہ کی جاوے۔

نماز سے مغفرت معاصی کا راز

نماز میں دونوں باتیں جمع ہیں تزکیہ نفس اور اخبات نفس اس کی وجہ سے نفس کو پاک ہو کر عالم ملکوت تک رسائی ہو جاتی ہے اور نفس کی خاصیت میں یہ بات داخل ہو جاتی ہے کہ جب وہ ایک صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو دوسری صفت جو اس صفت کی ضد ہوتی ہے اُس سے اس طرح جُدا ہو جاتی ہے کہ گویا کبھی اس کا نام بھی اُس میں نہ تھا اب جس شخص نے نماز کو پورے پورے طور پر ادا کیا اور عمدہ طور پر وضو کیا اور وقت پر اُس کو پڑھا اور رکوع و سجود اور خشوع اور اُسکے اذکار اور اشغال کو طور پر ادا کیا اور اُس نے ان صورتوں سے اُن کے معانی کا اور اُن اشباح سے ارواح کا قصد کیا تو بیشک وہ شخص رحمت الٰہی کے عظیم الشان دریا میں پہنچ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اُس کے گناہ محو فرما دیتا ہے چنانچہ اس امر کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ لو ان نھرا بباب احدکم یغتسل فیه کل یوم خمسا ھل یبقی من درنه شئ قالوا لا قال فذلك مثل الصلوٰۃ الخمس یمحو اللّٰه بھا الخطایا۔ ترجمہ۔ یعنی اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازہ پر نہر جاری ہو اور اُس میں روزانہ وہ پانچ بار نہایا کرے تو کیا اُس کے بدن پر میل باقی رہ سکتا ہے لوگوں نے کہا نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پنجگانہ نمازوں کی مثال ہے ایسے ہی خدا تعالیٰ پنجگانہ نمازوں سے گناہوں کو بالکل محو و نابود کر دیتا ہے۔

ہر خطبہ میں امام کا جلسہ استراحت کرنیکی وجہ

نبی علیہ السلام نے جمعہ کے اندر دو خطبے اور پھر اذان کے درمیان

میں جلسہ کرنے کو اس لیے مسنون فرمایا ہے کہ امر مطلوب بھی پورا پورا حاصل ہو جاوے اور خطیب کو بھی آرام ملجاوے اور نیز سامعین کا نشاط از سر نو تازہ ہو جاوے۔

ہر خطبہ میں تقرر تشہد کی وجہ خطبہ کا پڑھنا اس طرح پر مسنون ہے کہ پہلے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جائے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود پڑھا جاوے اور توحید و رسالت کی شہادت ادا کی جاوے اور بیچ میں کلمہ فصل اما بعد لاکر لوگوں کو پند و نصیحت و تقویٰ کا حکم کیا جاوے اور انکو دنیا و آخرت کے عذاب الٰہی سے ڈرایا جاوے اور کچھ قرآن کریم پڑھایا جاوے اور کچھ مسلمانوں کے حق میں دعا خیر کی جائے اس کا سبب یہ ہے کہ اس طریق نصیحت میں خدا تعالیٰ و رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و قرآن عظیم کی عظمت پائی جاتی ہے کیونکہ خطبہ دین کا شعار ہے اذان کی طرح یہ چیزیں اس میں بھی ضروری ہونی چاہئیں اور حدیث میں آیا ہے کل خطبۃ لیس فیہا تشہد فہی کالید الجذماء۔

ترجمہ۔ یعنی جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ مثل دست بریدہ کے ہے۔

نماز میں خوف زدہ ہو کر کھڑا ہونیکا راز نماز میں خدا تعالیٰ کے حضور میں ایسی توجہ رکھکر اور ایسی ہیئت بناکر کھڑا ہونا لازم ہے کہ رقت طاری ہو جاوے جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کے واسطے قید یا پھانسی کا فتویٰ لگنے والا ہوتا ہے اسکی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے ایسے ہی خوف زدہ دل کے ساتھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے۔

حقیقت دعا و قضا اگرچہ دنیا کی کوئی خیر و شر مقدر سے خالی نہیں تاہم قدرت

الٰہیہ نے اس کے حصول کے لئے اسباب مقرر کر رکھے ہیں جن کے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقلمند کو کلام نہیں مثلاً اگرچہ مقدر پر لحاظ کر کے دوا کا کرنا نہ کرنا درحقیقت ایسا ہی ہے جیساکہ دعا یا ترک دعا۔ مگر کیا کوئی یہ رائے ظاہر کرسکتا ہے کہ مثلاً علم طب سراسر باطل ہے اور حکیم حقیقی نے دواؤں میں کچھ بھی اثر نہیں رکھا پھر جب خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے اور اس قدرت کا ظہور بھی اس نے کر دیا کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور حب الملوک میں ایسا قوی اثر رکھے کہ اُن کی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جاتے ہیں یا مثلاً سم الفار اور بیش اور دوسرے ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈالدے کہ اُن کا قابل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اِس جہان سے رخصت کر دے تو پھر کیونکر یہ احتمال کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی توجہ عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو مُردہ کی طرح رہنے دے جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو۔ جو شخص دواؤں کی اعلیٰ تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہ رکھتا ہو اور استجابت دعا کا قائل نہ ہو اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پرانی اور سالخوردہ اور مسلوب القویٰ دوا کو استعمال کرے اور پھر اس کو بے اثر پاکر اس دوا پر عام حکم لگادے کہ اس میں کچھ بھی تاثیر نہیں

سوال۔ دیکھا جاتا ہے کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں اور انکا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا

جواب۔ ہم کہتے ہیں یہی حال دواؤں کا بھی ہے کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے یا انکا خطا جانا غیر ممکن ہے مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی ان کی تاثیر سے انکار کرسکتا ہے یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بے حرمت نہیں کیا اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا بلکہ

اگر غور کر کے دیکھو تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے جدا نہیں ہیں مثلاً اگر بیمار کی تقدیر موافق ہو تو اسباب علاج پورے طور پر میسر آجاتے ہیں اور جسم کی حالت بھی ایسی ہی سمجھ میں آتی ہے کہ وہ ان سے نفع اٹھانے کے لئے مستعد ہوتا ہے تب وہ دوا اس طرح جا کر اثر کرتی ہے جیسا کہ وہ دوا کا محتاج ہے یعنی دعا کے لئے بھی تمام اسباب جیسے مقرر کئے ہوئے ہیں ان کے ساتھ ... تب وہ دعا قبولیت کو قبول کرنے کا ...

باب الجنائز

میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ

عقل کا تقاضا ہے کہ جب کسی انسان کو بہت سے آدمیوں کا گروہ کسی عالیشان حاکم کے آگے لیجا کر اس کے لئے سفارش کریں اور اس کی معافی کی درخواست کریں اور اس کے لئے گڑگڑا کر التجا کریں تو بالآخر اس کا قصور معاف ہو جاتا ہے یہی نماز جنازہ کا راز ہے یعنی نماز جنازہ اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش میں شریک ہونا اس پر رحمت الٰہی کے نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ما من مسلم یموت فیقوم علی جنازتہ اربعون رجلا لا یشرکون باللہ شیئاً الا شفعہم اللہ فیہ۔ ترجمہ یعنی کوئی مسلمان ایسا نہیں مرتا ہے کہ اس کے جنازہ پر چالیس آدمی کھڑے ہوں جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتے ہوں مگر اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول فرماتا ہے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے اس کی حس

مشترک وغیرہ کو حس اور ادراک باقی رہتا ہے اور جو خیالات اور علوم زندگی میں اس
کے ساتھ تھے مرنے کے بعد اس کے ہمراہ رہتے ہیں اور پھر عالم بالا سے اور علوم کا اس
پر ترشح ہوتا ہے جن کی وجہ سے میت کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے پس خدا تعالیٰ
کے نیک بندوں کی ہمتیں جب عالم قدس تک پہنچتی ہیں اور اس میت کے لئے وہ
گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں یا میت کے لئے بہت کچھ صدقے دیتے ہیں تو حکم الٰہی سے
میت کے حق میں وہ نافع پڑتا ہے۔

حکمت ماتم پرسی

چونکہ مصیبت کے گھر والوں کو اس کی موت سے سخت رنج پہنچتا
ہے لہٰذا دنیا کے اعتبارات تو ان کے حق میں یہ بھلائی ہے
کہ لوگ اس کی تعزیت کے لئے آئیں تاکہ ان کا رنج کچھ کم ہو اور میت کے [illegible]
کرانے میں شریک ہو کر ان کی مدد کریں اور ان کو ایک دن رات کھانا دیں اور آخرت
کے لحاظ سے ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ ان کو اجر عظیم کی ترغیب دلائی جائے تاکہ
وہ پریشانی میں مصروف نہ ہوں اور خدا کی طرف ان کی توجہ ہو اور چلّانے اور
کپڑے پھاڑنے اور تمام ان چیزوں سے جو کہ غم اور مصیبت کو یاد دلائیں
اور جو کہ ان کا غم اور پریشانی بڑھاتے ہیں منع کریں کیونکہ اس وقت وہ بمنزلہ
مریض کے ہو جاتے ہیں انکے مرض کا علاج کرنا چاہئے نہ یہ کہ ان کے مرض کو اور زیادہ کیا جائے۔

فرض کفایہ کا راز

بعض فرائض اس قسم کے مقرر کئے گئے ہیں کہ ایک جماعت سے
بعض افراد اس کو ادا کریں تو وہ سب کی طرف سے ادا
ہو جائیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سب لوگ ان کو متفقانہ طور پر کرنے لگیں تو انتظام
معاش برہم ہو جائے ان کی تدابیر نافعہ معطل ہو جائیں۔ پس ایسے امور کے لئے

ایک ایک شخص کافی ہے چنانچہ بیماروں کی عیادت جنازہ کی نماز اسی طور پر مشروع ہوئی ہیں کہ بیماروں اور مُردوں کی تضیع بھی نہ ہو اور بعض لوگ اگر اس کو پورا کر دیں تو مقصود بھی حاصل ہو جاوے۔

نماز جنازہ و صدقہ خیرات سے میت کو فائدہ پہنچنے کا راز

دنیا میں سفارش کرنے اور مال دینے کے سبب مجرموں سے عذاب کے ٹل جانے اور دفع ہونے کے مشاہدہ و تجربہ سے کوئی گناہگار بچ نہیں سکتا ایسا ہی گنہگار میت کو دعا و نماز جنازہ اور صدقات مالیہ مفید ہوتے ہیں قرآن کریم میں ایسے امور کا بکثرت ذکر آیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اللہ امرکم بالصدقۃ فان مثل ذلک کمثل رجل اسرہ العدو فاوثقوا یدہ الی عنقہ وقدموہ لیضربوا عنقہ فقال انا افدیہ منکم بکل قلیل وکثیر ففدی نفسہ منہم۔

ترجمہ۔ خدا تعالیٰ نے تم کو صدقہ دینے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ صدقہ دینا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کو اس کے دشمنوں نے اسیر کر کے اس کے دونوں ہاتھ ملا کر اس کی گردن سے باندھ دیا ہو کہ اس کی گردن زنی کریں پس وہ کہے کہ میں تم کو تھوڑا اور بہت دیکر چھٹکارا چاہتا ہوں پس وہ فدیہ دیکر ان سے خلاص ہو جائے میت کی اولاد صالح اور صدقات و خیرات جاریہ میت سے عذاب ہٹانے اور رفع درجات کے لیے مفید امور ہیں کیونکہ ان امور میں قرب الٰہی اللہ کی رضا بنتی ہیں۔

عورت کو والدین وغیرہ کا سوگ تین دن اور خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی وجہ

عورت کو اپنے والدین وغیرہ کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ رکھنا منع کیا گیا ہے اور اپنے خاوند کی وفات پر اس کو چار ماہ دس دن کا سوگ رکھنا واجب

کیا گیا ہے یہ امر اس شریعت کی خوبیوں اور حکمتوں اور مصالح عامہ کی رعایت
سے ہے کیونکہ میت پر سوگ رکھنا مصیبت و مشقت کی تعظیم میں سے ہے جس میں زمانہ
جاہلیت کے لوگ بہت مبالغہ کیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ گریبان کا پھاڑنا اور
رخساروں کو پیٹنا اور بالوں کو کھسوٹنا اور واویلا کرنا اور اپنے اوپر خاک ڈالنا اور عورت کا
برسوں تک بیٹھا رہنا اور نہانا دھونا چھوڑ دینا اور نہ سنگار کرنا اور کپڑے نہ بدلنا اور نہ کسی خوشبو
کو چھونا اور بالوں کا نہ سنوارنا اور اس قسم کی بہت سی اور باتیں تھیں اور ایسی ہی قسم کی
اور نامناسب رسوم تھیں جو کہ خدا تعالیٰ اور اس کی قضا و قدر پر غصہ کرنے پر دلالت
کرتی ہیں ان میں مروج تھیں پس خدا تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کی یہ رسم اپنی رحمت
اور رافت عامہ سے باطل کر دی اور اس کے بدلے میں ہم کو صبر و حمد و استرجاع یعنی
انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کی ہدایت فرمائی جو مصیبت زدہ کے واسطے دارین میں
بہت مفید و نافع ہے اور چونکہ مصیبت زدہ کو مصیبت کے وقت پر بالضرور رنج و صدمہ
بتقاضائے طبیعت انسانی پیدا ہوتا ہے لہذا خدا تعالیٰ نے جو کہ بندوں کے حال کا
دانا و بینا ہے کسی قدر سوگ رکھنا جائز رکھا اور وہ ایام سوگ میت کے بعد تین دن
ہیں جن میں مصیبت زدہ سوگ کر کے اپنے غم و رنج کا اظہار کرے جیسا کہ مہاجر کو اجازت
دی گئی ہے کہ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن قیام کرے اور جو تین دن سے
زائد سوگ ہو اس کا بہت فساد ہے لہذا اس سے زیادہ سوگ رکھنا منع کیا گیا
بخلاف تین دن کے فساد کے کہ وہ بنظر مصلحت عورت کے کم ہے کیونکہ نفس کو
مالوفات سے بالکل جدا کرنے سے بہت تکلیف پہنچتی ہے اس لئے اس کو بعض حصہ
مالوفات کا دیا گیا تاکہ باقی کا ترک کرنا اس پر آسان ہو جاوے وجہ یہ ہے کہ اگر نفس

عہ یعنی تعظیم کے موجب چیزوں سے ۱۲

کو اپنی بعض مرادیں ملجاتی ہیں تو اُن پر قانع ہوجاتا ہے اور باقی کا چھوڑنا اُس کو سہل ہوجاتا ہے۔ باقی خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی حکمت کتاب النکاح میں ذکر کریں گے۔

اہل اسلام کا مُردہ کو خاک میں دفن کرنے اور آگ میں نہ جلانے کی حکمت

(۱) دفن کر دینے میں مُردہ کے حق میں پردہ پوشی ہے اور زندوں کے حق میں کچھ دشواری نہیں۔ پانی اور ہوا میں مُردہ کو رکھیں تو ناک اور آنکھ کو الگ الگ تکلیف پہنچے یعنی بدبو سے ناک سڑ جائے صورت کو دیکھیے تو گھن جُدا آوے آگ میں جلائیں تو گو اُس میں عرصہ دراز تک تو بدبو اور گھن نہیں رہتی لیکن جلانے کے وقت کی کیفیت تو جلانے والوں اور گرد و پیش کے رہنے والوں سے پوچھو۔ پھر ہوا کی خرابی سے پانی کے بگڑنے کا اور بیماریوں کے پیدا ہونیکا اندیشہ جُدا رہا۔ اور فساد عناصر سے جو کچھ نقصان پہنچتا ہے وہ جُدا رہا۔ دفن کرنے میں نہ یہ خرابی نہ وہ فساد بلکہ شیرازہ ترکیب بدن کے کھلجانے سے بدن مردہ کے عناصر اربعہ اپنے موقع اور مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس لئے خاک اور پانی اور ہوا اور آتش کی مقدار جتنی تھی اُتنی کی اُتنی ہی ہمیشہ رہتی ہے۔

(۲) تپش آتش سے زمین کی قوتِ نامیہ کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ بھی ظاہر ہے اور دفن مُردگان سے جو کچھ قوت نامیہ کو تقویت ہوتی ہے وہ بھی چنداں پنہاں نہیں تپش کی وجہ سے فساد قوتِ نامیہ تو خود عیاں ہے۔ باقی دفن کی وجہ سے قوتِ نامیہ کی تقویت کی وجہ یہ ہے کہ بدن انسان وہ چیز ہے کہ قوت نامیہ کے بہت سے زور ونگ لگید پردۂ عدم سے صفحۂ ہستی پر نمایاں ہوتا ہے۔ غلہ اور میوہ جات سے اگر بدن انسانی بنتا ہے تو قطع نظر اس سے کہ اس بننے میں نشو و نما ہوتا رہتا ہے اور یہ خود قوت

نامیہ کا کام ہے۔ یہ غذائیں بھی تو قوت نامیہ ہی کی کارگزاری کی بدولت اس رنگ و
بو اور ذائقہ کو پہنچتی ہیں۔ القصہ قوائے نامیہ نے بڑی دقتوں سے زمین میں سے
چھان کر یہ اجزا نکالے تھے بعد دفن وہ اجزا پھر اپنی جگہ کو گرا کے قوت نامیہ ہی کو
ملجاتے ہیں اس لئے اگر مدفن اور قبر پختہ ہو اور مدفن میں نشو و نما کا زور ہو اگرچہ
تو زور نہیں اور کیوں نہ ہو فضلہ انسانی پایں وجہ کہ غذا میں سے نکلا ہے۔ اور غذا
نتیجہ کارگزاری قوت نامیہ ہے زمین کی قوت کو اتنا بڑھا دیتا ہے کہ کیا کہئے جسم انسانی
جو اس سے کہیں زیادہ ہے یہ زور کیوں نہ رکھتا ہوگا کہ جس کا فضلہ ایسا کچھ ہو وہ
اصل جو خلاصہ اربعہ عناصر ہو گیا کچھ ہو گا غرض تپش آتش کا وقت سوز ہونا اور جسم
انسانی کا قوت انگیز ہونا زمین کے حق میں یقینی ہے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ہنود کو
مرگھٹ پر سبزہ کا نام و نشان نہیں ہوتا اور مدفن اہل اسلام پر ہر جگہ سبزہ زار نظر آتے ہیں

(۳) علاوہ بریں والد خیر اندیش اگر سفر کو جاتا ہے تو فرزند ولی عہد کو اسکی
مادر مہربان کے حوالہ کرتا ہے اس کی والدہ کی سوکن کو نہیں دیتا مگر یہ ہے تو پھر مناسب
یوں ہے کہ تن خاکی کو حوالہ خاک کیا جاوے آتش کو نہ دیا جاوے۔ بالجملہ روح جسم
خاکی کے حق میں مربی ہے چنانچہ اس کی تربیت دہندگی کمالی ظاہر ہے اور یہ کرۂ خاکی
اس کے حق میں بمنزلہ مادر مہربان ہے چنانچہ اس کا اس سے پیدا ہونا تو از اظہر
ہویدا ہے اس صورت میں درصورت سفر روح جو وقت انتقال بجانب عالم علوی
پیش آتا ہے اگر اس جسم خاکی کو حوالہ آتش کریں اور زمین میں دفن نہ کریں تو ایسا ہے
جیسا کہ اپنے فرزند کو اس کی مادر یعنی اس کی والدہ کی سوکن کے حوالہ کیا جاوے
اور ماں کو نہ دیں۔

(۴) اگر کسی کے کبوتروں میں کسی کا کبوتر بے چرائے آملے یا کسی کے ریوڑ میں کسی
کی بکری اسی طرح آملے تو اُس کو یوں مناسب ہے کہ اوروں کا حق جُدا کر کے اُن کو
دیدے پھر غیروں کو یہ نہیں پہنچتا کہ اُس کے کبوتروں اور ریوڑ کو ضبط کر کے
لیجائے اور اس کی غیبت میں اُن سب کو ہلاک کر دے مگر یہ ہے تو پھر یوں مناسب
ہے کہ اس جسم خاکی کو زمین میں دفن کر دیں تاکہ آب و آتش و ہوا کو اس سے جُدا
کر کے چھوڑ دے تاکہ وہ سب اپنے اپنے مقام کو چلی جائیں یا کرۂ ہوا و آب و
آتش اپنے اپنے ہمجنس کو اپنی اپنی طرف کھینچ لیں یعنی حرکت خاک و آب و باد و آتش
اپنے اپنے مقامات کی طرف جو طبعی ہے دو حال سے خالی نہیں یا یہ خود حرکت کرتی
ہوں جیسے اکثر حکمائے یونان کہتے ہیں یا اُدھر سے کشش اتصال ہو جیسے حکمائے
فرنگ کا خیال ہے بہر حال مناسب یوں ہے کہ جسم کو حوالہ زمین کے کر دیں حوالہ
آتش نہ کریں کیونکہ یہ تن خاکی سر سے پا تک اگرچہ خاک ہے البتہ رطوبت اور بادی اور
گرمی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اجزاء آبی اور ہوائی اور آتشی بھی اس میں آملے
ہیں اس لئے کسی کو کچھ اختیار نہیں اور اگر زمین میں دفن کر دیں گے تو وہ شیرازہ
ترکیب کھولکر سب کو جُدا کر دے گی اور پھر وہ اجزاء خود اپنے مقام کو چلے جائینگے
یا ان کے اصلی مقامات کو کھینچ لیں گے اور اگر آگ کے سپرد کیا تو وہ سب کا
ستیاناس کر کے چھوڑیگی۔

(۵) محبت باہمی اگرچہ بالاتفاق بہتر ہے مگر غور کرو تو بمقابلہ اور انواع و اجناس
کے تمام بنی آدم باہمی قرابتی ہیں اور کیوں نہ ہوں آخر ایک ماں باپ کی اولاد ہیں
اور اس محبت باہمی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک دوسرے کا حافظ و محافظ ہے جیتے جی کی

حفاظت میں تو کچھ کلام ہی نہیں مرنے کے بعد بھی یوں جی نہیں چاہتا کہ تن مُردہ کو اقرباء علیحدہ کر دیں یہی وجہ ہے کہ جدائی کے وقت کس قدر روتے ہیں اور جنازہ اٹھاتے ہیں تو کیا غل مچتا ہے اس صورت میں اگر بوجہ مجبوری پاس نہ رہنے دیا تو کیا مقتضائے محبت یہی ہے کہ یوں ہی جلا کر خاک بنا دیں نہیں اہل محبت کا یہ جی نہیں چاہ سکتا ہاں بمقدور آتش ظاہری سے پاک صاف کر کے اچھا لباس پہنا کر بہ اوقات ایک طرف رکھ دیں تو کچھ مضائقہ نہیں مگر یہ بات بجز [illegible] نصیب اور کہاں جانور وحشیان جنگل اس کو اس کی کیا خبر ہوگی جو امید تصدیق ہو اور نا تجربہ کاران عشق اس کو کیا سمجھیں گے جو توقع تائید ہو۔

مُردہ کو نہلانے کی حکمت

مُردہ کو نہلانے میں یہ وجہ ہے کہ زندہ کے غسل پر قیاس کیا جائے کیونکہ وہ خود اپنی زندگی میں بھی ایسے ہی غسل کرتا تھا اور نہلانے والے بھی خود ایسا ہی نہلاتے ہیں اس لئے میت کی تعظیم کے لئے اس سے بہتر اور کوئی صورت نہلانے کی نہیں ہے کہ بیر کے پتے پانی میں ڈال کر مُردہ کو نہلایا جائے کیونکہ مرض کے اندر اکثر اوقات بدن پریشان ہو جاتا ہے اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور داہنے اعضاء سے شروع کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ مُردوں کا غسل بمنزلہ زندوں کے ہو اور ان اعضاء کی عزت معلوم ہو۔

مُردہ کو کافور لگانے کی حکمت

(۱) مُردوں کو کافور لگانے کا اس لئے امر ہوا کہ جس چیز کو کافور لگایا جائے وہ جلد نہیں بگڑتی۔

(۲) کافور لگانے میں یہ فائدہ ہے کہ کوئی موذی جانور اس کے قریب نہیں آتا۔

(۳) یہ بھی فائدہ ہے کہ کافور کی بو سے قبر کے کیڑے جو طبعی طور پر زمین میں

پیدا ہو جاتے ہیں وہ بھاگ جاتے ہیں البتہ جو اعمال بد کے باعث کیڑے سانپ بچھو وغیرہ حشرات الارض بھی بکثرت پیدا ہو جاتے ہیں وہ نہ کسی چیز سے ڈرتے ہیں اور نہ بھاگتے ہیں بلکہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی الا الصدقہ والدعاء۔ یعنی صدقہ و دعا سے وہ دفع ہو جاتے ہیں۔ اور کافور مردہ کے سات اندام پر جن پر سجدہ کیا جاتا ہے لگایا جاوے اور وہ یہ ہیں پیشانی۔ دونوں گھٹنے۔ دونوں قدم دونوں ہاتھ یہ سات اندام کافور کے لئے اس وجہ سے مخصوص ہیں کہ وہ انہیں پر سجدہ کیا کرتا تھا لہذا مزید کرامت کے لئے مخصوص ہوئے۔

(۲) سارے جسم کی بناوٹ انہی اندموں سے ہوتی ہے ان پر کافور لگانے سے گویا سارا جسم ان میں شامل ہو جاتا ہے۔

شہید کو غسل نہ دینے اور خون آلودہ کپڑوں میں مدفون کرنے کی وجہ

(۱) شہید کو جو غسل نہ دینے اور اپنے خون آلودہ کپڑوں کے ساتھ دفن کرنے کی سنت جاری ہے اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا شہید ہونا معلوم ہو اور تاکہ بظاہر اس کے بقائے عمل کی صورت متمثل ہو جائے اور دوسرے یہ کہ نفوس بشریہ جب اپنے ابدان کو چھوڑتے ہیں تو ان کو حس اور اپنی جانوں کا علم باقی رہتا ہے بلکہ بعض کو ان باتوں کا بھی ادراک ہو جاتا ہے جو ان کے ساتھ کی جاتی ہیں پس جب ایسے عمل کا اثر بدستور چھوڑ دیا جائے تو ضرور ان کو اس کے سبب سے اپنا عمل یاد رہتا ہے اور ان کے سامنے وہ عمل متمثل ہو جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔ جرحہ یثعب دما اللون لون دم والریح ریح المسک۔ ترجمہ یعنی شہید کے زخموں سے خون جاری ہونگے رنگ تو خون کا سا ہوگا اور خوشبو مشک کی سی۔

(۴) میت کو اس لئے غسل دیا جاتا ہے اور پاک کیا جاتا ہے کہ وہ خداتعالیٰ کے پاس پاک ہو کر حاضر ہو اور عالم برزخ میں مرنے کے بعد طہارت مشروع کی گئی تاکہ خداتعالیٰ سے ملے اور شہید چونکہ خدا کی راہ میں مارا جاتا ہے وہ شہید ہونے کے بعد خداتعالیٰ کے پاس حاضر ہو جاتا ہے پس اس کو غسل نہیں دیا جاتا کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس مرتے ہی حاضر ہو جاتا ہے۔

نماز جنازہ میں امام کے پیچھے مقتدیوں کو دعائیں پڑھنے کی وجہ

صلوٰۃ جنازہ اپنے لئے دعا نہیں بلکہ اوروں کیلئے ہے یعنی از قسم شفاعت ہے اور ظاہر ہے کہ شفاعت میں تکثر اور تعدد زیادہ کارگر ہے اسلئے جنازہ کی دعائیں پڑھنے میں سب شریک ہوتے ہیں۔

نماز جنازہ میں امام کے لئے میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہونے کی وجہ

انسان کے سارے اندام از سرتاپا مکلّف ہیں اور سینے میں دل اُن سب کا حاکم اور بادشاہ ہے وہیں سے نیکی و بدی کے احکام صادر ہوتے ہیں پس یہ محل اس لائق ہے کہ امام شافع[1] اُس کے پاس برابر کھڑا ہو کر اُس کو خداتعالیٰ کے سامنے کر کے اُس کا شفاعت گر ہو پس جب دل کو بخشا جاوے تو باقی سب اعضاء اُس کے تبعیت میں بخشے جاتے ہیں کیونکہ دنیا و آخرت میں سب اعضاء دل کے تابع ہوتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح سائر الجسد واذا فسدت فسد سائر الجسد الا وھی القلب۔ ترجمہ یعنی جسم میں ایک بوٹی ہے جب وہ درست ہو جاوے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے خبردار وہ دل ہے۔ پس جب دل کے حق میں سفارش قبول ہو جائے تو سارے اعضاء کے حق میں قبول ہو جاتی ہے۔

[1] شفاعت کرنیوالا مراد +

اختتام نماز جنازہ میں داہنے بائیں سلام پھیرنے کی حکمت | امام گویا کہ اس عالم سے نکلکر عالم لاہوت میں بدرگاہِ الٰہی شفاعت میت کیلئے حاضر ہوا تھا پس جب اُس درگاہ سے فارغ ہوکر آدمیوں و ملائکہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو برسم آئندگان سب کو سلام کرتا ہے جیسا کہ بالعموم رواج ہے [illegible] اور نیز اس میں بطور فال حسن اسکی جانب سے ان کی اور میت کے [illegible] قبول شفاعت کی بھی بشارت ہوتی ہے

جاں بسفر رفت و بدن اندر قیام
وقت وداع است ز دورش بگو سلام

نماز جنازہ میں رکوع و سجود و تحیہ نہ ہونیکی وجہ | [illegible] چکے ہیں کہ نماز جنازہ ایک مخصوص سفارش ہے جو میت کیلئے کی جاتی ہے [illegible] رکوع و سجود کے آثار اور صفتیں اسکے برعکس ہیں کیونکہ رکوع و سجود میں [illegible] عجز و انکسار اور خدا تعالیٰ کی بیحد بزرگی و عظمت و جلال کا اظہار کیا جاتا ہے اور نماز جنازہ میں خدا تعالیٰ کی تحمید و تسبیح اور دوسرے [illegible] ہوتا ہے چنانچہ ہم حقیقت رکوع و سجود میں ظاہر کر چکے ہیں۔

کتاب الزکوٰۃ

وجہ تسمیہ زکوٰۃ و صدقہ | لفظ زکوٰۃ تزکیہ سے نکلا ہے جس کے معنی پاک کرنیکے ہیں اور زکوٰۃ کے معنی پاکی نمو و ترقی کے ہیں چونکہ زکوٰۃ انسان کے لئے بخل و گناہ و عذاب سے پاکی و رہائی و طہارت کی موجب اور ترقی مال و طہارت دل کے باعث ہے لہٰذا اس فعل کا نام زکوٰۃ ہوا اسی طرف خدا تعالیٰ قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے خذ من اموالهم صدقة

تطہیر و تزکیہ ہے اور اس فعل کا نام صدقہ اسلئے ہوا کہ یہ فعل صدقہ دینے
والے کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی قلبی حالت یعنی صدق و صفائی نیت کی علامت ہے

اسرار زکوٰۃ

(۱) جب انسان خدا تعالیٰ کے لئے اپنے اس مال عزیز کو ترک کرتا ہے
جس پر اس کی زندگی کا مدار معیشت کا انحصار ہے اور جو محنت اور
تکلیف اور عرق ریزی سے کمایا گیا ہے تب بخل کی پلیدی اس کے اندر سے نکل جاتی ہے
اور اس کے ساتھ ہی ایمان میں بھی ایک شدت اور صلابت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ
محنت سے کمایا ہوا اپنا مال محض خدا کی خوشنودی کیلئے دینا یہ کسب خیر ہے جس سے
نفس کی خواہش کو اپنے سے جدا کرنا ایسا ہے جس سے بخل دور ہوتا ہے کیونکہ یہ
حالت بخل کی ہے کہ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور اپنی محنت
سے حاصل کردہ سرمایہ کو خوشی سے دوسرے کو دینا ایک ترقی یافتہ حالت ہے
اور اس میں صرف اور یہی طور پر بخل کی پلیدی سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے
اور خدائے رحیم و کریم سے تعلق بڑھتا ہے کیونکہ اپنے مال عزیز کو خدا کے لئے چھوڑنا
نفس پر بھاری ہے اور جب اس تکلیف کے اٹھانے سے خدا سے تعلق بھی زیادہ
ہو جاتا ہے تو ایمانی شدت اور صلابت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

(۲) اس میں اعلیٰ درجہ کی ہمدردی سکھائی گئی ہے اس طرح سے باہم
گرم سرد ملنے سے مسلمان متصل جاتے ہیں۔ امراء پر یہ فرض ہے کہ وہ ادا کریں
اگر نہ بھی فرض ہوتی تو بھی انسانی ہمدردی کا تقاضا تھا کہ غرباء کی امداد کی جاتی
انسان میں ہمدردی اعلیٰ درجہ کا جوہر ہے پس زکوٰۃ دینے کا فعل اور اس کے
نتائج موثرہ ظاہر کرتے ہیں اور ہر مزاج سلیم میں یہ بات مرکوز ہے کہ یہ فعل

کرنے سے بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے یہ ایسی خصلت ہے جس پر بہت سے اخلاق موقوف ہوتے ہیں جن کا انجام لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی ہے اور جس شخص میں ہمدردی بنی نوع نہیں ہوتی اُس کے اندر نہایت نقصان ہوتا ہے جسکی اصلاح اس پر واجب ہے اور وہ اصلاح غربا بنی نوع انسان کو مال دینے سے ہوتی ہے۔

(۳) زکوٰۃ و صدقات گناہوں کو دور کرنے اور برکات کو زیادہ کرنیکے بزرگ ترین ذرائع و اسباب ہیں۔

(۴) شہر کے اندر بالضرور ہر قسم کے لوگ ناتوان اور حاجتمند وغیرہ ہوتے ہیں اور یہ حوادث آج ایک پر اور کل دوسرے پر ہوتے رہتے ہیں پس اگر دفع فقر اور حاجت کا طریقہ اُن میں نہ پایا جائے تو ضرور وہ ہلاک ہوجاویں اور بھوکے مرجاویں۔

چاندی کے نصاب پانچ اوقیہ یعنی دوسو درہم مقرر ہونیکی وجہ | چاندی کی مقدار پانچ اوقیہ یعنی دوسو درہم اس واسطے مقرر فرمائے کہ یہ مقدار چھوٹے سے چھوٹے کنبہ کو بشرطیکہ اکثر ملکوں میں غلہ کا نرخ قریب قریب اور معتدل ہو پورے ایک سال کے لئے کافی ہوسکتی ہے پس ایک سو نوے درہم چاندی ہو تو اُس پر کچھ زکوٰۃ دینی نہیں پڑتی۔

پانچ اونٹوں کی نصاب زکوٰۃ مقرر ہونیکی وجہ | اونٹ کے نصاب کی تعداد پانچ مقرر کی گئی کیونکہ زکوٰۃ کی نصاب ایک مقدار کثیر مقرر کرنا چاہئے اور اونٹ سب مواشی میں ایک عظیم الجثہ اور بڑا نفع پہنچانے والا جانور ہے خواہ اُس کو ذبح کرکے کھاؤ خواہ اُس پر سواری کرو اور دودھ پیو خواہ اُس سے بچے لو اُس کے بال اور کھال سب کام میں آتے ہیں اس لئے پانچ کا عدد اس کے مناسب ہے کہ ایک معتد بہ مقدار ہے اور اس کی زکوٰۃ میں ایک بکری واجب ہوئی کیونکہ زمانہ سابق میں کوئی اونٹ دس اور کوئی آٹھ اور کوئی بارہ

بکریوں کی برابر سمجھا جاتا تھا جیسا کہ بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے اس واسطے پانچ اونٹ بکریوں کے ادنیٰ نصاب کی برابر سمجھے گئے اور ایک بکری اُن کی زکوٰۃ سمجھی گئی۔

بکریوں کی نصاب زکوٰۃ چالیس سے شروع ہونیکی وجہ

بکریوں کی زکوٰۃ چالیس ۴۰ سے ۱۲۰ تک میں ایک بکری ہے اور اُس سے آگے دو سو تک دو بکریاں ہیں بعد ازاں ہر سیکڑہ پر ایک بکری ہے اس میں یہ وجہ ہے کہ بکریوں کا گلہ تھوڑا بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی ہوتا ہے اور بکریوں کا پالنا آسان بھی ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی گنجائش کے موافق پال سکتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چھوٹے گلے کا اندازہ چالیس بکریوں سے کیا اور پھر ہر سیکڑہ پر حساب کی آسانی کے لئے ایک بکری مقرر کی۔

بیلوں اور گایوں کی زکوٰۃ کا نصاب تیس ۳۰ سے شروع ہونے کی حکمت

گائے بیل کی زکوٰۃ ہر تیس ۳۰ گایوں میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھیا ہے اور ہر چالیس ۴۰ میں دو برس کا بچھڑا یا بچھیا ہے یہ اس لئے ہے کہ گائے بیل کی جنس اونٹ اور بکری کے درمیان میں ہے اس لئے اس میں دونوں کی مشابہت کا لحاظ کیا گیا۔

زکوٰۃ کی ہر چیز میں ایک خاص نصاب زکوٰۃ مقرر ہونیکی وجہ

زکوٰۃ کے لئے نصاب مقرر ہونیکی یہ وجہ ہوئی کہ اگر ہر طرح کے مال کی مقدار مقرر نہ ہوتی تو انتظام و انضباط نہ ہوتا اسلئے تو نصاب مقرر ہوا۔ پھر اس میں واجب کی مقدار بھی اسی لئے مقرر ہوئی اور اس مقدار میں یہ بات ضروری تھی کہ یہ مقدار بہت زیادہ نہ مقرر کی جائے کہ اس کے دینے سے لوگوں کو بوجھ معلوم ہو اور عقل سلیم و فطرت صحیحہ کا اجمالاً اتنا تو مقتضے ہے کہ کثرت مال پر کثیر زکوٰۃ دینا لازم ہے لیکن اگر رائے پر چھوڑا جاتا اور مقدار مقرر

نہ ہوتی تو جن اشخاص کو زیادہ زکوٰۃ دینا پڑتی وہ حرص مال کی باعث بہت تھوڑی زکوٰۃ دیتے اور اس سے غرباء و مساکین کی رفع حاجت نہ ہوتی۔

حقیقتِ نصابِ زکوٰۃ زراعت جن کھیتوں نے بارش و چشموں کے پانی سے پرورش پائی ہے اُن پر دسواں حصہ واجب ہے اور جن کھیتوں کو نہر و چاہ وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہے اُن پر بیسواں حصہ ہے کیونکہ جن میں محنت کم ہوتی ہے اور پیداوار زیادہ ہوتی ہے اُن پر لگان زیادہ ہونا چاہیے اور جسمیں محنت زیادہ ہو اور پیداوار کم ہو اُسکے لگان میں تخفیف مناسب ہے۔

سال میں ایک بار ادائے زکوٰۃ کی وجہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ایک ایسی مدت کا مقرر کرنا ضروری ہوا جس میں سب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرسکیں۔ اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ مدت بہت کم نہ ہو کہ جلد جلد اُن کو زکوٰۃ دینی پڑے اور اس کا ادا کرنا اُن کو دشوار ہو اور نہ وہ مدت اسقدر دراز ہو کہ اُس میں ادا کرنے سے اُن کا بخل کچھ کم نہ ہو اور محتاج لوگ انتظار شدید کے بعد فائدہ اُٹھا سکیں پس مصلحت کے مناسب اس سے زیادہ کوئی صورت نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے لینے میں وہ قانون مقرر کیا جاوے کہ بادشاہ عادل اپنی رعایا سے اُس کو برتتے رہتے ہیں اور لوگ اُس کے عادی ہو گئے ہیں کیونکہ جس چیز کے عرب و عجم عادی ہیں وہ بمنزلہ ضروری چیز کے ہو گئی ہے جس کے سبب وہ تنگدل نہیں ہوتے اور لوگوں نے اُس کو ایسا مان لیا ہے کہ اُن پر اُس کا بار نہیں ہے اور اس کے ساتھ لوگوں کو مکلف کرنا رحم کی شان کے مناسب اور اُنکے قبول کرنیکے قریب ہے اور سب سلاطین و رعایا کی عادات میں پہلے سے محصول

والی چیزوں کے لیے ایک سال کی مدت مقرر ہے کیونکہ ایک سال میں ہر قسم کی فصلیں شامل ہوتی ہیں جن کے طبائع مختلف ہوتے ہیں اور نیز ایک سال میں مال کے بڑھنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لیئے بھی ایک سال کی مدت اس قسم کے اندازوں کیلئے مناسب ہے اس سبب سے یہی سال زکوٰۃ کے لیے بھی مقرر ہوا۔

سائمہ میں وجوب زکوٰۃ کی اور عوامل سے اس کے اسقاط کی وجہ

دار قطنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے لیس فی الابل العوامل ولا فی البقر العوامل صدقۃ۔ ترجمہ۔ یعنی کام میں لگائے ہوئے اونٹوں اور کام کرنیوالے بیلوں میں صدقہ نہیں ہے۔

اس میں یہ راز ہے کہ جو مال صاحب مال کی خدمت کے لئے مخصوص ہو مثلاً پہننے کے کپڑے اور کام کرنے والے خدمتگار غلام اور رہنے کے مکانات اور سواری کے جانور اور پڑھنے کی کتابیں اور کھیتی میں کاشتکاری کے بیل اور رہٹ میں چلنے والے اونٹ وغیرہ یہ اشیاء مالک کے دست و پا و آلات ضروریہ کی طرح ہیں پس ان میں زکوٰۃ نہیں ہوئی اور عوامل یعنی کام کرنیوالے جانوروں میں اور سائمہ یعنی مدام چرنیوالے جانوروں میں فرق ظاہر ہے کیونکہ بہائم عاملہ نمو اور بڑھنے سے الگ کر کے کام میں لگائے ہوئے ہوتے ہیں اور مدام چرنیوالے کام سے آزاد جانور بڑھتے اور پھیلتے رہتے ہیں لہذا ان میں زکوٰۃ مقرر ہوئی غرض جانوران عاملہ تو انسان کے اثاثہ[عہ] ضروریہ کی طرح ہوتے ہیں لہذا ان میں زکوٰۃ مقرر نہیں ہوئی اور جانوران غیر عاملہ انسان کے مال تجارت کی طرح ہوتے ہیں لہذا ان میں زکوٰۃ مقرر ہوئی کیونکہ زکوٰۃ کی دو وجہیں ہوتی ہیں

عہ یعنی ضروری سامان ۱۲

نمو مالی اور حاجت سے زائد ہونا مگر جانوران عاملہ میں یہ دونوں امر نہیں ہوتے ہیں۔ وجہ ان میں زکوۃ مقرر نہیں ہوتی۔

موالید ثلثہ میں زکوۃ واجب ہونے کی حکمت

واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے زکوۃ موالید ثلثہ میں واجب ٹھیرائی ہے اور وہ تین ہیں۔ معدنیات۔ نباتات۔ حیوانات پس معدن کی قسم تو سونا اور چاندی ہے اور نباتات کی قسم گندم جو خرما ہیں اور حیوان کی قسم اونٹ گائے بکری ہے پس جملہ موالدات اس میں شامل ہو گئے۔

خاندان نبوی کے لئے حرمت صدقات کی وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

ان هذه الصدقات انما هی من اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد۔

ترجمہ۔ یعنی صدقات لوگوں کا میل ہوتے ہیں اس لئے یہ نہ محمد کے لئے حلال ہیں اور نہ اولاد محمد کے لئے حلال ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے نحن اهل البيت لا تحل لنا الصدقة۔ ترجمہ۔ ہم اہل بیت ہیں ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔

اہل بیت سے مراد بنو ہاشم آل علی رض و عباس رض و جعفر رض و عقیل رض و حارث رض بن عبد المطلب ہیں۔ صدقات کے میل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صدقات کے دینے سے گناہ دور ہوتے ہیں اور بلا رفع ہوتی ہے اور ان باتوں میں صدقات انسان کا فدیہ ہوتے ہیں اس لئے ملأ اعلیٰ کو ادراکات

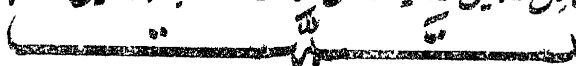
میں یہ صدقات ان صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اس حکم میں دوسرا یہ راز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر خود بنفس نفیس صدقہ لیتے اور اپنے عزیزوں اور ان لوگوں کے لئے جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے تجویز فرماتے تو اس بات کا احتمال ہوتا کہ لوگ آپ سے بدگمان ہو جاتے اور آپ کے حق میں نازیبا باتیں کہتے جو بالکل غلط ہوتیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دروازہ کو بالکل ہی بند کر دیا اور اس بات کو ظاہر فرما دیا کہ صدقات کے منافع انہیں کی طرف دینے والوں کی طرف عود کرتے ہیں اور انہیں کو نفع دیتے ہیں نفع یہ ہے کہ آفتیں ان کے گناہوں کو دور کر دیتے جاتے ہیں۔ یہ ان کے حق میں بڑی رحمت اور مہربانی اور بھلائی کا باعث ہے اور بچاؤ اُن سے کیا جاتا ہے۔

نیز جو لوگ مانگ مانگ کر گزر کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں ان میں سے تقویٰ و شفقت و شجاعت اور دیگر اخلاق فاضلہ ضائع ہو جاتے ہیں ان کی ہمتیں بہت پست ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ سب تحصیل کمالات سے وہ بھی جاتے ہیں۔ عیاشی ان کا پیشہ ہو جاتا ہے ترفہ و آسائش و آرام طلبی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے۔

پس ان امور کو مدنظر رکھ کر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوف دامن گیر ہوا کہ مبادا میری آل لوگوں کے خیرات و صدقات پر تکیہ لگا کر تحصیل کمالات میں سست نہ ہو جاوے اور واقعی یہ ایسے اسباب ہیں جو نفوس نفیسہ کی حالت کے برخلاف ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اِن پر صدقات کو منع فرمایا تاکہ وہ ایسے امور دنیہ کے عادی ہونے سے
سخت دل نہ بنیں اور ایسے رزق مذلت کے طالب بنکر ذلیل و خوار نہ ہو جاویں۔



جلد اوّل تمام ہوئی دوسری جلد کتاب الصوم سے اور
تیسری جلد کتاب البیوع سے آتی ہے انشاء اللہ تعالیٰ
فقط ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

قال اللہ تعالیٰ

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولٰکن یرید لیطہرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون

[illegible] آیت کریمہ الا ان تکون تجارۃ عن تراضٍ منکم

[illegible] خاصہ بعبارۃ النص یا باشارۃ النص احکام [illegible]

بہ مصالح حکمیہ [illegible] دلالۃ النص رسالہ مسمّٰی بہ

المصالح العقلیہ

للاحکام النقلیہ

کہ ایں حصہ دوم از آن ست

افاداتِ حکیم الامۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ یادبود

از جمل کافیہ منجملہ چنیں مصالح مودعہ شرائع پس افادۃ الطالبین

بہا ونفعاً للراغبین فیہا

المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ احقر عرض کرتا ہے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اصل
مدار ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں جن کے بعد اس کے [illegible]
اور قیاس [illegible] ان [illegible] مصلحت [illegible]
[illegible]
[illegible]
معلوم نہ ہونے کے سبب اُن قوانین کو [illegible]
معلوم کئے ہوئے ہیں اس کو [illegible] مان سکتا تو کیا اس [illegible]
کوئی عاقل شبہ کر سکتا ہے۔ تو کیا احکام شرعیہ کا [illegible]
بھی کم ہو گیا غرض اس میں کوئی شک نہ رہا کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ
فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں۔ لیکن اسی طرح اس میں بھی شبہ نہیں کہ باوجود
اس کے پھر بھی اُن احکام میں بہت سے مصالح اور اسرار بھی ہیں اور گو مدار
ثبوت کا اُن پر نہ ہو جیسا اوپر مذکور ہوا لیکن اُن میں یہ خاصیت ضرور ہے کہ

بعض طبائع کے لئے اُن کا معلوم ہوجانا احکام شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا ہونے کے لئے ایک درجہ میں معین ضرور ہے۔ گو اہل یقین راسخ کو اس کی ضرورت نہیں لیکن بعض ضعفاء کے لئے تسلی و قوت بخش بھی ہے۔ (اور اس وقت ایسی طبائع کی کثرت ہے) اسی راز کے سبب بہت سے اکابر و علماء مثل امام غزالی و خطابی و ابن عبد السلام وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس قسم کے لطائف و معانی مذکور بھی پائے جاتے ہیں۔ چونکہ ہمارے زمانہ میں تعلیم جدید کے اثر سے جو آزادی طبائع میں آگئی ہے اس سے بہت سے لوگوں میں ان مصالح کی تحقیق کا شوق اور مذاق پیدا ہوگیا ہے اور گو اس کا اصل علاج تو یہی تھا کہ اُن کو اس سے روکا جاوے (چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مضر بھی ہوتا ہے) لیکن تجربہ سے اس میں باستثنار طالبین صادقین کے عام لوگوں کو اس سے روکنے کے مشورہ دینے میں کامیابی متوقع نہیں تھی اس لئے تسہیلاً للطامہ و تیسیراً علی العامہ بعض اہل علم بھی جستہ جستہ اس میں تحریر و تقریر کرنے لگے ہیں اور اگر ان تقریرات و تحریرات میں حدود شرعیہ کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی تو اُن کو کافی سمجھکر کسی نئے مجموعہ کی ضرورت نہ ہوتی مگر علوم حقہ و اتباع علوم حقہ کی قلت اور آراء فاسدہ اور اتباع اہواء مختلفہ کی کثرت کے سبب بکثرت اُن میں تجاوز عن الحدود سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی ایک ایسی ہی کتاب جس کو کسی صاحب قلم نے لکھا ہے مگر علم و عمل کی کمی کے سبب تمام تر رطب و یابس و غث و سمین سے پُر ہے ایک دوست کی بھیجی ہوئی میرے پاس دیکھنے کی غرض سے آئی ہوئی رکھی ہے۔ اُس کو دیکھکر یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسی کتابوں کا دیکھنا

تو عامہ کو مُضر ہے مگر عام مذاق کے بدل جانے کے سبب بدون اس کے کہ اس کا دوسرا بدل لوگوں کو بتلایا جاوے اس کے مطالعہ سے روکنا خارج عن القدرۃ ہے اسلئے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسا مستقل ذخیرہ ان مضامین کا جو ان مفاسد سے مبرا ہو ایسے لوگوں کے لئے مہیا کیا جاوے۔ تاکہ اگر کسی کو شوق ہو تو اس کو دیکھ لیا کریں کہ اگر بمورث منافع نہ ہوگا تو دافع مضار تو ہوگا۔ (البتہ جس طبیعت میں مصالح کے علم سے احکام الٰہیہ کی عظمت و وقعت کم ہو جاوے یا وہ ان کو مدار احکام سمجھنے لگے کہ اُن کے انتفاء سے احکام کو منتفی اعتقاد کرے یا اُنکو مقصود بالذات سمجھ کر دوسرے طریق سے اُن کی تحصیل کو بجائے اقامت احکام کے قرار دے لے جیسا کہ اوپر بھی ان مضار کی طرف اجمالاً اس قول میں اشارہ بھی کیا گیا ہے "چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مُضر بھی ہوتا ہے" سو ایسے طبائع والوں کو ہرگز اس کے مطالعہ کی اجازت نہیں ہے۔

بہرحال وہ ذخیرہ یہی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ احقر نے غایت بے تعصبی سے اس میں بہت سے مضامین کتاب مذکورہ بالا سے بھی جو کہ موصوف بصحت سمجھے لے لئے ہیں اور اس میں احکام مشہورہ کی کچھ کچھ وہی مصلحتیں مذکور ہوں گی جو اصول شرعیہ سے بعید نہ ہوں اور افہام عامہ کے قریب ہوں۔ مگر یہ مصلحتیں نہ سب منصوص ہیں نہ سب مدار احکام ہیں اور نہ ان میں انحصار ہے محض ایک نمونہ ہے اس مبحث میں ہمارے زمانہ سے کسی قدر پہلے زمانہ میں

ملے اور بہت زیادہ ان مضامین کا حجۃ البالغہ سے ماخوذ تھا جیسا کہ بعد اخذ کے حجۃ اللہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا اور بعض جگہ ہمارے اکابر سے و للّٰہ الحمد علیٰ ان اخذ تالمریکن من غیر الماخذ ۱۲ منہ

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ لکھ چکے ہیں۔ سنا ہے کہ ترجمہ اسکا بھی ہو چکا ہے
مگر عوام کو اسکا مطالعہ مناسب نہیں کہ غامض زیادہ ہے اور اس ہمارے زمانہ میں بھی ایک
مصری فاضل ابراہیم آفندی عقلی المدرس بالمدرسۃ الخدیویہ نے ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام اسرار
الشریعۃ ہے اور جو ۱۳۲۰ھ میں مصر کے مطبع الواعظ میں چھپی ہے۔ اور اسکے قبل ایک کتاب باسم حکمت
التشریع ہو چکا ہے مگر یہ دونوں کتابیں عربی زبان میں ہیں حمیدیہ کا ترجمہ اردو میں بھی
ہو کے چھپ کر شائع ہو چکا ہے اور اس دوسری کتاب اسرار الشریعۃ کا ترجمہ کانپور میں مولوی حافظ
محمد اسماعیل صاحب کر رہے ہیں میرے اس مجموعہ کے ساتھ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنا معلومات
میں ترقی دیگا۔ اور چونکہ طرز ہر ایک کا جدا ہے اسلئے ایک کو دوسرے سے مستغنی نہ سمجھا گیا میرے
ان دونوں کتابوں کا ذکر اس مصلحت سے بھی کیا ہے اور اسلئے بھی کہ میرے اس عمل کو تفرد نہ سمجھا
جاوے اور اس تفرد کے شبہ کو صاحب حجۃ اللہ البالغہ نے بھی خطبہ میں اس کی اصل کو کتاب
و سنت کے اشارات واضحہ سے نکال کر رفع فرمایا ہے اور بطور مثال کے اس کے
بعض بعض ماخذ کو بھی بیان فرمایا ہے اور نام اس کا المصالح العقلیہ للاحکام
النقلیہ رکھتا ہوں۔ حق تعالیٰ اس کو اس کے موضوع میں نافع اور [illegible]
شکوک فی الاحکام کا دافع فرماوے۔ والسلام۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ ۱۲ رجب یوم الخمیس ۱۳۳۲ھ

حاشیہ: اور تتمہ فائدہ کے لئے بعض دوسری مفید کتب کا بھی پتہ دیتا ہوں جنکا مطالعہ اس
مقصود میں بصیرت بڑھاویگا۔ (۱) الانتباہات المفیدہ (۲) الانتصار للعقل والنقل۔ مولوی
محمد [illegible] سالہ عوارف المعارف اختر و تنقیح الارواح۔ رسالہ التحقیق جو
پرچہ الرشاد میں نکلتا ہے۔ مقال الترمذی یہ، تو مقالے ۱۱ سنہ

المصالح العقلیہ کی جلد دوم

کتاب الصوم

انسان کے لیے روزہ [illegible]

فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ [illegible] عقل کو [illegible]
حاصل ہے مگر بباعث بشریت بسا اوقات اس کا نفس [illegible]
آتا ہے۔ لہذا تہذیب و تزکیہ نفس کے لیے اسلام نے روزہ کو [illegible] مقرر کیا ہے۔

(۱) روزہ سے انسان کی عقل کو نفس پر [illegible]

(۲) روزہ سے خشیت اور تقویٰ کی صفت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے لعلکم تتقون ترجمہ۔ یعنی روزہ تم پر اس لیے مقرر ہوا کہ تم متقی بن جاؤ۔

(۳) روزہ رکھنے سے انسان کو اپنی عاجزی و مسکنت اور خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی قدرت پر نظر پڑتی ہے۔

(۴) روزہ سے چشم بصیرت کھلتی ہے۔

(۵) دور اندیشی کا خیال ترقی کرتا ہے۔

(۶) کشف حقائق الاشیاء ہوتا ہے۔

(۷) درندگی و بہیمیت سے دوری ہوتی ہے۔

(۸) ملائکہ الٰہی سے قرب حاصل ہوتا ہے۔

(۹) خدا تعالیٰ کی شکر گزاری کا موقع ملتا ہے۔

(۱۰) انسانی ہمدردی کا دل میں جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس نے بھوک اور پیاس محسوس ہی نہ کی ہو وہ بھوکوں اور پیاسوں کے حال سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے اور وہ رزق بطن کی نعمتوں کا شکریہ علی وجہ الحقیقت کیسے ادا کر سکتا ہے۔ اگرچہ زبان سے شکریہ ادا کرے مگر جب تک اس کے معدہ میں بھوک اور پیاس کا اثر اور اس کی رگوں اور پٹھوں میں ضعف و ناتوانی کا احساس نہ ہو وہ نعمتہائے الٰہی کا کما حقہ شکر گزار نہیں ہو سکتا کیونکہ جب کسی کی کوئی محبوب و مرغوب مال و منال چیز کچھ زمانہ گم ہو جاوے تو اس کے فراق سے اس کے دل کو اس چیز کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

(۱۱) روزہ موجب صحت جسم و روح ہے چنانچہ قلت اکل و شرب کو اطبا نے صحت جسم کے لئے اور صوفیہ کرام نے صفائی دل کیلئے مفید لکھا ہے۔

(۱۲) روزہ انسان کے لئے ایک روحانی غذا ہے جو آئندہ جہان میں انسان کو ایک غذا کا کام دیگا جنھوں نے اس غذا کو ساتھ نہیں لیا وہ اُس جہان میں بھوکے پیاسے ہوں گے اور ان پر اُس جہان میں روحانی افلاس ظاہر ہوگا کیونکہ انھوں نے اپنی غذا کو ساتھ نہیں لیا اور یہ بات ماننے کے لائق ہے جبکہ کھانے پینے کی تمام اشیاء خداوند تعالیٰ ہی کے خزانہ رحمت سے انسان کو ملتی ہیں تو جن اشیاء کو وہ یہاں چھوڑتا ہے ان کا عوض وہاں ضرور دے گا جو یہاں سے بہتر و افضل ہوگا۔

(۱۳) روزہ محبت الٰہی کا ایک بڑا نشان ہے جیسے کہ کوئی شخص کسی کی محبت میں سرشار ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور بیوی کے تعلقات بھی اسکو بھول جاتے ہیں ایسے ہی روزہ دار خدا کی محبت میں سرشار ہو کر اسی حالت کا اظہار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے۔

ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی خصوصیت کی وجہ

ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی وجہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن [illegible] وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔

پس چونکہ رمضان میں قرآن کریم نازل ہوا لہٰذا یہ مہینہ برکات الٰہیہ کے نزول کا موجب ہے اس لیے اس میں روزہ رکھنے سے اصل غرض جو لعلکم تتقون میں مذکور ہے بوجہ اکمل حاصل ہو جاتی ہے۔

ماہ رمضان میں ختم قرآن مسنون ہونے کی وجہ

اس مہینہ میں قرآن کریم کا ختم کرنا اس وجہ سے مسنون ہے کہ قرآن کریم کا نزول اسی مہینہ میں ہوا ہے پس جو شخص اس مہینہ میں قرآن کریم کو ختم کرتا ہے وہ ساری اصلی اور ظلی برکات کا وارث ہو جاتا ہے وجہ یہ کہ ماہ رمضان تمام اسلامی برکات وخیرات کا جامع ہے ہر ایک دینی برکت اور خیر جو تمام سال میں کسی کو ملتی ہے وہ اس عظیم الشان ماہ کی برکات وخیرات کے راستہ سے آتی ہے پس اس مہینہ کی جمعیت سارے سال کی جمعیت کا باعث ہوتی ہے اور اس مہینہ کا تفرقہ سارے سال کے تفرقہ کا سبب ہوتا ہے کیونکہ منبع خیرات وبرکات مصلح عالم

و اکبر یعنی قرآن کریم کا قدوم میمنت لزوم و نزول اسی مہینہ میں ہوا ہے شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔ ترجمہ۔ یعنی رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم اتارا گیا۔

تعجیلِ افطار روزہ و تاخیرِ سحری کی وجہ

ہر عمل کو اپنے مناسب وقت و موقع پر چاہئے تا اعتدال ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ کی ابتداء و انتہاء کی حد عملی بیان نہ فرماتے تو بعض لوگ مبالغہ کے سبب روزہ افطار نہ کرتے یا ابتداء عمل کی مقدار تقدم کر دیتے اور پھر اگلی نسلوں تک پہنچ کر عام بندوں کو تکلیف پہنچتا۔

روزہ رات کو مقرر نہ ہونے کی وجہ

چونکہ رات کا وقت بالطبع ترک شہوات و لذات کا ہے لہذا اگر رات کا وقت روزہ کے لئے قرار دیا جاتا تو عبادت کو عادت سے اور حکم شرع کو مقتضائے طبع سے امتیاز نہ ہوتا اسی واسطے نماز تہجد اور وقت تلاوت اور مناجات شب کو قرار دیا گیا۔

سال میں ایک مہینہ روزوں کیلئے مقرر ہونے کی وجہ

چونکہ روزہ کی روزانہ پابندی ہمیشہ کیلئے تمام لوگوں سے باوجود تدابیر ضروریہ اور اشتغال بالامور اسوال ممکن نہ تھی لہذا ضروری ہوا کہ کچھ زمانے کے بعد ہر مرتبہ ایک مقدار معین کا اہتمام و التزام کیا جاوے جس سے قوت ملکی کا ظہور ہو جائے اور اس سے پیشتر جو اس میں کمی ہوئی ہے اس سے اس کا تدارک ہو جائے اور اس کا حال اس گھوڑے کا سا ہو جاوے جس کی پچھاڑی اگاڑی میخ سے بندھی ہوتی ہے اور وہ دو چار بار ادھر ادھر لاتیں چلا کر پھر اپنی اصلی تھان پر آ کھڑا ہوتا ہے۔

(۲) یہ بات ضروری ہے کہ روزہ کی ایک مقدار مقرر کی جاوے تاکہ کوئی شخص اس میں افراط و تفریط نہ کر سکے لہذا امور مذکورہ کے لحاظ سے یہ بات ضروری ہوئی کہ ایک مہینہ تک ہر دن برابر کھانے اور پینے اور جماع کرنے سے نفس کو باز رکھنے کے ساتھ روزہ کا انضباط کیا جاوے کیونکہ ایک دن سے کم مقدار کا مقرر کرنا تو ایسا ہے جیسا کہ دوپہر کے کھانے کو کچھ دیر کرکے کھانا اور اگر رات کو ان امور کے ترک کرنے کا حکم دیا جاتا تو لوگ اس کے عادی نہیں ہوتے اس کی وجہ سے ان کو کچھ پرواہ نہ ہوتی اور ہفتہ اور دو ہفتہ ایسی قلیل مقدار ہے جس کا نفس پر چنداں اثر نہیں ہوتا اور دو مہینے کی ایسی مقدار ہے کہ آنکھیں گڑ جاتیں اور نفس تھک کر رہ جاتا۔

ان امور سے روزہ کے لئے یہ بات ضروری ہوئی کہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک دن کا انضباط کیا جاوے کیونکہ عرب اسی کو دن شمار کرتے ہیں۔

(۳) چونکہ روزہ تمام قسم کی نفسانی زہروں کے دفع کرنے کے واسطے ایک طرح کا تریاق ہے اور اس میں طبیعت کو تکلیف بھی ہوتی ہے لہذا بقدر ضرورت اس کی ایک معین مقدار ہونی چاہئے یہ کہ نہ اتنی کم ہو جس سے کچھ فائدہ ہی نہ ہو اور نہ اس قدر افراط کر دی جائے کہ اس سے اعضا میں ضعف آجائے اور دلی فرحت جاتی رہے اور نفس کمزور ہو جائے اور انسان بالآخر اس محنت کے قبر ہی میں جلدی نہ چلا جائے اور یہ معتدل مقدار وہی ہے جو مشروع ہوئی۔ پھر کھانے پینے میں کمی کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مقدار میں تھوڑا سا استعمال کرے یہ طریقہ تو عام قانون کے تحت میں بمشکل آسکتا ہے اس لئے کہ لوگوں کے مختلف

درجہ میں کوئی تھوڑا کھاتا ہے کوئی اس سے زیادہ کھاتا ہے اور جتنے طعام سے ایک شخص سیر ہوجاتا ہے دوسرا بھوکا رہتا ہے سو اس میں انضباط نہ ہوتا اور ہر شخص بہت کھاکر کہدیتا کہ میں نے اپنی بھوک سے کم کھایا ہے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ کھانے کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے وہ معمول سے زیادہ ہو یہی طریقہ شریعت میں معتبر ہے کیونکہ تمام صحیح المزاج آدمیوں کا اس پر اتفاق ہے چنانچہ لوگ عام طور سے صبح وشام دومرتبہ کھاتے ہیں یا دن رات میں ایک ہی بار کھاتے ہیں باقی یہ نہیں ہوسکتا کہ روزہ ان لوگوں کو کم کھانے کی تکلیف دی جائے مثلاً کہا جاوے کہ تم لوگ اس قدر کھایا کرو کہ حیوانیت مغلوب رہے ایسا حکم دینا موضوع شریعت کے خلاف ہے مثل مشہور ہے کہ جو بھیڑیے کو چرواہا بنائے وہ خود ظالم ہے۔ ہاں غیر واجبات میں ایسا کرنا نامناسب نہیں۔

پھر یہ بھی لازم ہے کہ وہ فاصلہ اتنی دیر کا نہ ہو کہ اس سے نقصان پہنچے اور قوت کا استیصال ہوجائے مثلاً تین رات دن برابر بھوکا رہنے کا حکم ہوتا اس لیئے کہ یہ موضوع شریعت کے خلاف ہے اور ہر ایک کو اس کی تکلیف نہیں دی جاسکتی اور یہ بھی ہونا چاہیئے کہ بھوکے پیاسے رہنے کے لئے بار بار کی بھی قید ہو تاکہ ریاضت اور اطاعت کا مادہ پیدا ہو ورنہ ایک بار بھوکے رہنے سے خواہ وہ کیسی ہی قوی اور سخت بھوک ہو کیا فائدہ ہوگا۔

ان مقدمات کے تسلیم کرنے پر ماننا پڑے گا کہ روزہ پورے دن بھر کا کامل ایک مہینہ تک ہونا چاہیئے کیونکہ دن بھر سے کم تو ایسا ہے کہ دن کا کھانا ذرا تاخیر کرکے کھایا جائے۔ اور اکثر لوگوں کی عادت بھی ہوتی ہے کہ رات کے کھانے کی پروا

بھی نہیں کرتے اور ایک دو صفت بہت تھوڑی مدت ہے جس کا اثر نہیں ہو سکتا اور
دو مہینہ تک روزہ رکھنے سے طبیعت بہت کمزور ہو جاتی ہے جیسا اوپر ذکر ہوا۔

(۴) چونکہ روزہ کے قانون کو عام ہونا چاہیے اس لئے کہ اس میں سب کی
اصلاح و تہذیب مقصود ہے لہذا ہر شخص اس بات کا عادی ہو کہ جس مہینہ کو آسانی [illegible]
سمجھے روزہ رکھ لے اس لئے کہ اس میں بجائے سعادت کے [illegible] ہو جاتا [illegible]
بالمعروف اور نہی عن المنکر [illegible]
ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

(۵) مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کا ایک وقت میں ہی ایک [illegible]
کرنے سے ایک دوسرے کو اس کام میں مدد ملے گی آسانی ہو گی اور کام کرنے کی ہمت
پیدا ہو گی (۶) ایک کام کو ایک ہی وقت میں ساری دنیا کے مسلمانوں کا با اتفاق
ملکر کرنا ان کے لئے باعث نزول رحمت الٰہی اور ان میں صورت اتفاق و اتحاد
کے لئے مفید ہے یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے خدا تعالیٰ نے روزہ
کا ایک ہی مہینہ متعین و مشخص کیا ہے پس جو شخص اس نظام الٰہی کو بغیر عذر کے
توڑتا ہے اس پر بجائے رحمت کے لعنت کا نزول ہوتا ہے۔

یکم شوال کو روزہ رکھنا حرام ہونیکی وجہ

سوال۔ یکم شوال کا روزہ رکھنا حرام اور رمضان کا آخری روزہ فرض
ہونے کا کیا راز ہے باوجودیکہ دونوں یوم یکساں ہیں۔؟

جواب۔ یہ دونوں یوم مرتبہ و درجہ میں برابر نہیں ہیں اگرچہ طلوع و
غروب آفتاب میں یکساں ہیں مگر حکم الٰہی میں یکساں نہیں ہیں کیونکہ ماہ رمضان

وہ مہینہ ہے جس کے روزے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض ... ادا ہی پورا کرنا یکم شوال لوگوں کی عید و سرور کا دن ہے جس میں خدا تعالیٰ نے لوگوں پر صیام پورا کرنے کے بطور شکر گزاری بندگان خدا اصلاح کیا ہے اس لئے اس دن سب لوگ خدا تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں لہذا خدا تعالیٰ کے مہمان کو واجب ہے کہ اس کی دعوت وضیافت کو قبول کرے یہ امر خدا تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے کہ اس دن کوئی شخص روزہ رکھ کر خدا تعالیٰ کی دعوت وضیافت کو رد کرے مہمان کے لوازم و آداب میں سے یہ امر بھی ہے کہ روزہ رکھے تو صاحب خانہ یعنی میزبان کے اذن سے رکھے پس جبکہ یکم شوال کو اہل اسلام خدا تعالیٰ کے خاص مہمان ہوتے ہیں تو پھر اس دن کسی کو روزہ رکھنا جائز ہو سکتا ہے۔ یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں میں سے ہے کہ خدا نے رمضان کا آخری روزہ رکھنا فرض کیا کیونکہ یہ روزہ خدا تعالیٰ کے اتمام نعمت وخاتمہ عمل کے لئے ہے اور شوال کی یکم کو روزہ رکھنا حرام ہوا کیونکہ وہ ایسا دن ہے کہ اس میں تمام مسلمان اپنے پروردگار کے مہمان ہوتے ہیں یوں تو تمام مخلوق خدا تعالیٰ کی دائمی مہمان ہے۔ مگر یہ دن انکی ایک مخصوص مہمانی وضیافت کا ہے جس کو رد کرنا گناہ عظیم ہے۔

ماہ رمضان کی راتوں میں تقرر نماز تراویح کی وجہ

(۱) رمضان کی راتوں میں نماز تراویح اس لئے مقرر ہوئی کہ طبعی خواہشوں کی کمال مخالفت ثابت ہو کیونکہ طبیعت روزہ کی سستی ومحنت ومشقت کو دفع کرنے کے لئے استراحت وآرام چاہتی ہے لہذا اس میں ایسی عبادت کا تقرر ہوا کہ جس سے عادت وعبادت میں امتیاز ہو۔

رمضان نزول مزید برکات و انوار کے لئے مخصوص ہے لہذا
اس کی راتوں میں بھی ایک خاص عبادت کا تقرر ہوا کیونکہ اکثر برکات
و انوار الٰہی کا نزول رات ہی کو ہوتا ہے۔

ماہ رمضان کے عشرۂ اخیر میں مسجد کے اندر معتکف ہونے کی وجہ | لفظ اعتکاف عکف سے نکلا ہے
جس کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں چونکہ معتکف جگہ روزہ دار [illegible] ہو
تمام حوائج دنیویہ و اغراض نفسانیہ سے اپنے کو [illegible]
کر کے اس کے در پر اپنے کو گرا دیتا ہے [illegible]
اور وہ مسنون بھی ہے چنانچہ [illegible] حضرت
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رمضان کے عشرۂ اخیر میں اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے
پس روزہ عاشقانہ رنگ میں ایک تصویر [illegible] اور اعتکاف
عاشق کا دروازہ معشوق پر اپنے آپ کو [illegible] پیش کرنا ہے
گویا معتکف اپنے آپ کو درگاہ الٰہی پر ایسا [illegible]
سائل کسی کے دروازے پر معتکف ہو جاتا ہے اور اپنی حاجت [illegible]
ہٹتا۔ یا یہ کہ عاشق زار کی طرح اپنے معشوق کے دروازے پر [illegible] اور
دنیا کی تمام حوائج و اغراض سے فارغ و لا ابالی ہو کر محض جلوہ محبوب و معشوق کے
لئے اس کے دروازے پر معتکف ہو جاتا ہے اور جب تک اس کا معشوق اس کو اپنا
منہ نہ دکھائے اس کے در سے نہیں ہٹتا اور اس کے شوق میں ساری لذات کو چھوڑ کر
اس کے در پہ آ کر سر رکھ دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اعتکاف خانہ خدا یعنی مسجد کے بغیر

ملے یعنی اصل میں۔ اور یوں بوجہ تعذر ضرورت کو گھر میں بھی جائز ہے بشرطیکہ کوئی جگہ معین کر لے سو اس میں [illegible] سے
وہ بھی بحکم مسجد ہو گئی ۱۲۔ اشرف علی

کہیں جائز نہیں کیونکہ عاشق طالب دیدار کو اپنے معشوق کے دروازے ہی پر گرنا چاہیئے اور یہی وجہ ہے کہ بحالت اعتکاف معتکف کو رات میں بھی اپنی عورت سے مباشرت کرنی جائز نہیں کیونکہ صادق عاشق کو ان باتوں کا کہاں خیال رہتا ہے اور یہ جو ماہ رمضان کے عشرہ آخری میں لیلۃ القدر کا ظہور روایات میں مذکور ہے وہ ایسی ہی تجلی ہے جس کا اصلی ظہور ایسے ہی عاشق پر ہوتا ہے۔

بھول کر کھانے پینے اور جماع کرنے سے روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ

سوال جبکہ صوم کے معنی ترک کرنے اور روکنے کے ہیں تو جو شخص بھول کر کوئی چیز کھا پی لے اس حد صوم اور صفت ترک کو توڑ دیا پس اس کا روزہ کیسے کہ باقی رہ سکتا ہے۔؟

جواب۔ اگر روزہ دار بھول کر کسی چیز ناقض صوم کا استعمال کرلے تو بھی امساک و ترک شرعی اس کے حق میں موجود ہے۔ کیونکہ شارع نے اس کے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ ان اللہ اطعمہ وسقاہ۔ ترجمہ۔ یعنی خداتعالیٰ نے اس کو کھلایا اور پلایا۔

پس اس میں بندہ کا فعل حکماً معدوم ہوتا ہے اگرچہ حسّاً وہ کھانے والا ہوتا ہے اور امساک جس کے معنی صوم یعنی روزہ کے ہیں وہ حکمی طور پر اسی طرح موجود ہے۔

سال میں چھتیس روزے رکھنے سے صائم الدھر بننے کی حکمت

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں من صام صیام رمضان فاتبعہ ستاً من شوال کان کصیام الدھر۔ ترجمہ۔ یعنی جو شخص رمضان کے روزے رکھکر اس کے بعد شوال کے چھ روزے اور رکھ لیا کرے تو ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔

اور ان روزوں کی مشروعیت میں یہ بھید ہے کہ یہ روزے ایسے ہی جیسے

نماز پنجگانہ کے ساتھ سنتیں مقرر کی گئی ہیں جن کی وجہ سے ان لوگوں کے فائدہ کی تکمیل ہو جاتی ہے جو اصل نماز سے پورا فائدہ حاصل نہیں کرتے اور ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات ہے کہ ان کی وجہ سے آدمی کو ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے اس لئے کہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس نیکی کے برابر ملتا ہے اور ان چھ روزوں سے یہ حساب پورا ہو سکتا ہے۔ یعنی ۳۰ + ۶ = ۳۶۔ اور ۳۶ کو دس کے ساتھ ضرب دینے سے تین سو ساٹھ حاصل ضرب ہوتے ہیں جو ایک سال کے دن ہوتے ہیں

ماہ رمضان میں دوزخ کے دروازے بند ہونے اور بہشت کے دروازے کھلنے کی وجہ

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راوی ہیں۔ ۱۵۱

جاء شھر رمضان فتحت ابواب الجنۃ وغلقت ابواب النار وصفدت الشیاطین

ترجمہ۔ یعنی جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو بہشت کے دروازے کھلتے اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیطان جکڑے جاتے ہیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ دنیا میں عام شر ور اور بدیاں جو انسانوں سے ہوتی ہیں وہ ان کی سیری و قوت جسمی کی وجہ سے ہوتی ہیں سو جب روزہ کے سبب قوت جسمی میں فتور آ جاتا ہے تو گناہوں میں بھی کمی ہو جاتی ہے پس جب انسان محض خدا تعالیٰ کے لئے بھوکے اور پیاسے ہوتے اور گناہوں کو ترک کرتے ہیں تو ان کے لئے رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے اور بہشت کے دروازے ان کے لئے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازوں کا بند ہونا بھی ظاہر ہے کہ جب گناہوں کا دروازہ ہی بند ہو گیا جس کے باعث سے غضب الٰہی کی آگ بھڑکتی ہے تو بیشک دوزخ کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے۔

اور شیطان کا جکڑا جانا بھی ظاہر ہے کہ جب بنی آدم کے رگ و ریشہ و جسم میں توانائی اور شکم میں سیری ہوتی ہے تو گناہوں کی طرف بھی رغبت ہوتی ہے اور اندر سے پٹھوں اور ریشوں سے شیطانی تحریکات شروع ہوجاتی ہیں۔ مگر جب سارے جسم میں بھوک اور پیاس کا اثر ہوا اور بحکم الٰہی شہوانی قویٰ کو روزہ کی خاطر دبا دیا جاوے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اس طرح سے شیطان جکڑے جاتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ان الشیطان یجری من بنی آدم مجری الدم۔ ترجمہ یعنی شیطان بنی آدم کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح جاری اور رواں رہتا ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ شیطان کا مقام بنی آدم کے رگ و ریشہ میں ہوتا ہے پس جب رگ و ریشہ کی قوتوں میں فتور آجاوے اور شیطانی تحریکات کا صوم کے سبب ظہور نہ ہو تو بعض کے قول پر یہی شیطان کا جکڑا جانا ہے اور ظاہر حدیث سے ظاہری جکڑا جانا معلوم ہوتا ہے۔ دنیا میں جب کسی معزز کی آمد ہوتی ہے مفسدوں کو خاص طور پر نظر بند کر دیا جاتا ہے۔ پس رمضان میں خاص برکات و تجلیات کی آمد سے بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ اور پھر بھی جو گناہ ہوتے ہیں وہ نفس کے سبب ہوتے ہیں نہ کہ شیاطین کے سبب۔

قطب جنوبی و شمالی میں ماہ رمضان روزہ مقرر ہونے کی وجہ

سوال۔ قطبین پر چھ چھ مہینے کے دن رات ہوتے ہیں اور اس کی وجہ بیان ذیل سے اسی سوال میں واضح ہوگی؟

جب آفتاب خط استوا پر ہوتا ہے تو اس کی روشنی دونوں قطبوں پر پہنچتی ہے

لیکن جس قدر سورج خط استوا سے شمال کی طرف آتا ہے اسی قدر اس کی روشنی قطب شمالی کے آگے بڑھتی اور قطب جنوبی سے دور ہٹتی آتی ہے اور اسی واسطے قطب شمالی پر دن اور قطب جنوبی پر رات ہوتی جاتی ہے مگر سورج خط استوا سے تین مہینوں میں تو شمال کی طرف آکر خط سرطان پر پہنچتا ہے اور پھر تین ہی مہینہ میں خط سرطان سے خط استوا پر آتا ہے پس ان چھ مہینوں میں قطب شمالی آفتاب کی روشنی سے منور اور قطب جنوبی اس سے غائب ہوتا ہے اور ایسا ہی باقی چھ مہینے جب آفتاب نصف کرۂ جنوبی میں ہوتا ہے قطب جنوبی تو آفتاب کی روشنی سے منور اور قطب شمالی تاریکی میں ہوتا ہے اور اسی واسطے ان دونوں قطب جنوبی پر دن اور قطب شمالی پر رات ہوتی ہے یعنی ۲۱ مارچ سے ۲۲ ستمبر تک آفتاب کے نصف کرۂ شمالی میں رہنے کے سبب قطب شمالی پر دن اور قطب جنوبی پر رات ہوتی ہے پس جہاں رات چھ ماہ کی اور دن بھی چھ ماہ کا ہو۔ وہاں روزہ رکھنے کا کیا انتظام ہوگا کسی انسان کی اتنی طاقت و وسعت نہیں کہ اتنے بڑے دن یعنی چھ ماہ کا روزہ رکھ سکے اور چھ ماہ تک غروب آفتاب کا انتظار کرے اور بھوکا پیاسا رہے۔ مثلاً گرین لینڈ میں جو جاوے وہاں اس کے روزہ کا انتظام ہو۔

جواب۔ قطبین اور گرین لینڈ وغیرہ پر روزہ رکھنے کے مسئلہ کو قرآن کریم نے بھلا نہیں دیا۔ بلکہ واضح کرکے بتادیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ۔ ترجمہ۔ یعنی جو شخص ماہ رمضان کو پاوے وہ اسمیں روزہ رکھے۔

پس جہاں رمضان کی نوبت ہی نہیں آتی اور جہاں رمضان موجود ہی نہیں ہے وہاں روزہ بھی نہیں ایسے مقامات پر یہی حال نماز کا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ

فرماتے ہیں۔ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا۔ تو جہاں یہ اوقات نہیں
وہاں عبادت موقتہ بھی نہیں جیسے طرح چور کا ہاتھ کاٹنا قرآنی حکم اور اسلام کا عمل درآمد
تھا اور ہاتھ کٹنے پر مسلمان بھی ہو جاتے تھے اور نمازیں بھی پڑھتے تھے اور
قرآن کریم میں وضو اور تیمم کے وقت دونوں ہاتھوں کا دھونا یا مسح کرنا بھی ضروری
تھا مگر جہاں ہاتھ ہی نہیں ان کا دھونا کیسا۔

اسی طرح جہاں رمضان ہی نہیں وہاں رمضان کے روزے بھی وارد
یہ قول بعض علماء کا ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مقصود بالذات خود نماز اور
روزہ ہے۔ اور اوقات کی تعیین وہاں ہے جہاں اوقات ہوں اور جہاں اوقات
نہ ہوں وہاں وہ عبادات مقصودہ ساقط نہیں ہوں گی۔ وقت کا اندازہ کرکے نماز
بھی پڑھی جاوے گی اور روزہ بھی رکھا جاوے گا۔ اور احتیاط اسی قول میں ہے
اور اگر کسی کے نزدیک آیت موصوفہ اس حکم پر دلالت کرنے کے لئے کافی نہ ہو اور
اس وجہ سے اس حکم کو غیر مذکور فی القرآن کہا جاوے تو اس صورت میں اس سوال
کا جواب یہ ہے کہ بالعموم قطبین پر بنی آدم کے علاوہ دوسرے حیوانات کی آبادی
بھی بوجہ انجماد برف و آب و برودت قریبا ناممکن نظر آتی ہے۔ اس لئے جہاں
خدا نے بنی آدم کی آبادی ہی نہیں رکھی وہاں روزہ کا تعین بھی نہیں ہوا۔

خوب سوچو کہ بادشاہی احکام کا نفاذ و اجرا وہاں ہی ہوتا ہے جہاں اسکی
رعیت ہو اور جہاں اس کی رعیت ہی نہ ہو وہاں احکام کا اجرا ہی نہیں ہوتا
اور پہلے جواب کی شرح یہ ہے کہ ماہ رمضان جو کہ روزوں کا مہینہ ہے
قمری ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ بعد ایجاب صوم اس کا وقت بتلانے کے لئے فرماتے ہیں

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن یعنی رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا اور [illegible] رمضان [illegible] مہینہ [illegible] ۲۹ دن یا ۳۰ دن [illegible] کا [illegible] ہے جیسا کہ [illegible] میں [illegible] نہیں آیا۔ اذا فات الشرط فات المشروط [illegible] قرآن [illegible] ذکر ہو چکا ہے۔

وجہ تقرر صدقۂ فطر

(۱) [illegible] صدقۂ فطر [illegible] مقرر کیا گیا ہے [illegible] شعار الٰہی میں سے ہونے کی تکمیل ہوتی ہے۔ دوسرے یہ [illegible] روزہ داروں کے لئے طہارت اور ان کے روزہ کی تکمیل ہے جس طرح کہ نماز میں فرائض کی تکمیل کے لئے سنتیں مقرر کی گئی ہیں۔ ایسا ہی یہ صدقہ مقرر ہوا۔

(۳) اغنیاء اور دولتمندوں اور ذی وسعت لوگوں کے گھروں میں تو اس روز عید ہوتی ہے۔ مگر مسکین مفلسوں کے گھروں میں [illegible] ناداری کے اسی طرح سے شکل ہموم موجود ہوتی ہے لہٰذا احکم الحاکمین نے ذی وسعت لوگوں پر بوجہ شفقت علی خلق اللہ لازم ٹھہرایا کہ مساکین کو [illegible] صدقہ دیں تاکہ وہ بھی عید کریں یہاں تک کہ نماز عید پڑھنے سے پیشتر ہی ان کو صدقہ دینا لازم ٹھہرایا اور اگر مساکین کثرت سے ہوں تو یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرنے کا ایما ہوا تاکہ مساکین کو یقین ہو جاوے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جاوے گی۔

ہر ذی وسعت مسلمان پر صدقۂ فطر ایک صاع جو یا چھوارے یا نصف صاع گندم مقرر ہونیکی وجہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدقۂ فطر ہر غلام اور آزاد مرد اور عورت چھوٹے اور بڑے پر ایک صاع چھوارے یا جو یعنی انگریزی [illegible] سیر سے ساڑھے تین سیر

پختہ گندم جس ظرف میں آ جاویں کہ وہ ظرف ایک صاع کا ہوتا ہے اس ظرف کو بھر کر چھوارے یا جو اس لئے مقرر فرمائے ہیں کہ غالباً یہ مقدار ایک چھوٹے کنبے کو ایک روز کے لئے کافی ہوتی ہے اس سے فقیر و مسکین کی حاجت پورے طور سے رفع ہو جاتی ہے اور غالباً کوئی شخص ایک صاع دینے سے ضرر بھی نہیں پاتا اور جو کے ایک صاع کی جگہ گندم کا نصف صاع مقرر کیا گیا ہے کیونکہ اس وقت میں بہ نسبت جو کے گیہوں کی گرانی تھی اس لئے امراء اس کو کھا سکتے تھے اور مساکین گیہوں نہ کھاتے تھے۔

باب العیدین

تقرر عید الفطر کا راز

(۱) ہر قوم میں کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور ہوتا ہے جس میں عام طور سے خوشی منائی جاتی ہے بہت عمدہ لباس پہنا جاتا ہے اور عمدہ کھانے کھائے جاتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے لکل قوم عید وھذا عیدنا یعنی ہر قوم کی ایک عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(۲) یہ وہ دن ہے کہ جب لوگ اپنے روزوں سے فارغ ہو چکتے ہیں اور ایک طرح کی زکوٰۃ ادا کر چکتے ہیں تو اس دن ان کے لئے دو قسم کی خوشیاں جمع ہو جاتی ہیں طبعی اور عقلی۔ طبعی خوشی تو ان کو اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ روزہ کی عبادت شاقہ سے فارغ ہو جاتے ہیں اور محتاجوں کو صدقہ ملجاتا ہے۔ اور عقلی خوشی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی ان کو توفیق عطا فرمائی اور ان کے اہل و عیال کو اس سال تک باقی رکھنے کا ان پر انعام کیا اس لئے ان خوشیوں کے اظہار کا حکم ہوا۔

تشریع عیدین کی وجہ

ہر قوم میں کچھ دستور اور رسمیں اور عادتیں ہوتی ہیں منجملہ ان کے میلے بھی ہیں جن کا تمام متمدن اور غیر متمدن قوموں میں رواج ہے میلے کے دن خوراک لباس و ملاقاتیں خاص اور ہنایا نہ بدلہا ہوتی ہے اور یہ فطری چیز تھی مگر اس میں بڑھتے بڑھتے ہوا وہوس کو بہت دخل ہو گیا بہت سے میلے تجارت کی بنیاد پر قائم ہو گئے ہیں چنانچہ ہندوستان میں تجارت کے لیے بہت سے میلے ہوتے ہیں یہاں تک کہ ہر ہفتہ کسی نہ کسی گاؤں میں میلہ ہوتا ہے۔

بعض میلوں میں جانوروں کو جمع کیا جاتا ہے جسے منڈی کہتے ہیں غرضکہ ان میلوں کی بہت سی عجیب عجیب مقاصد کام کر رہے ہیں بعض تو اپنے گزارے کے لیے میلا لگاتے ہیں اور بعض خاص چندے اور نذر و نیاز کے لئے اور بعض محض اپنی عظمت اور شان کے اظہار کے لئے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جہاں بڑے بڑے احسانات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ان میلوں کی اصلاح کر دی ہے چونکہ یہ ایک فطری بات تھی اس لئے ان کو کلی طور سے ضائع نہیں کیا صرف اصلاح کر دی اور وہ یوں ہے کہ آپ نے جہاں اور قسم کے رسم و رواج کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم و شفقت علیٰ خلق اللہ کے تحت میں لے لیا وہاں ان میلوں میں بھی یہی بات پیدا کر دی چنانچہ عیدین میں آپ نے اول تکبیر کو لازم ٹھیرایا اور خدا تعالیٰ کی تعظیم کے اظہار کے لیے وہ لفظ مقرر کیا جس سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہے صفات میں اکبر سے بڑھکر کوئی لفظ نہیں ہے اور جامع جمیع صفات کاملہ ہونے کے لحاظ سے اللہ سے بڑھکر

اس مفہوم کی جامعیت کو کوئی لفظ ظاہر نہیں کرسکتا یہ تو تعظیم لامر اللہ ہے اور مخلوق پر شفقت کرنے کے لئے رمضان کی عید میں صدقہ فطر کو لازم ٹھیرایا یہاں تک کہ نماز میں اس وقت جاوے کہ اول اس کو ادا کرے۔ اصل سنت یہی ہے اور پھر بعض مواقع میں یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرے تاکہ مساکین کو یقین ہو جائے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جاوے گی اور عید قربان میں مساکین وغیرہم کیلئے سید الطعام لحم یعنی گوشت کی مہمانی مقرر فرمائی۔

یہ چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کے لئے کی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے جو فرائض انسان پر ہیں اور جو فرائض مخلوق کے ہیں ان کو پورا کریں دنیا کے کسی میلہ کو دیکھ لو کہ ان میں ان حقوق کی محافظت اور یہ حکمت کی باتیں نہیں پائی جاتی ہیں جو عیدین میں ہیں۔

تقرر عید قربان کی وجہ

عبادات کے اوقات مقرر ہوتے ہیں یہ بھی حکمت ہے کہ اس وقت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو طاعت و عبادت الٰہی کی ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کو قبول کرلیا ہو اس وقت کے آنے سے ان کی جان نثاری یاد آ کر اس عبادت کی طرف رغبت ہو پس یہ عید الضحیٰ کا دن وہ دن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بحکم پروردگار خدا تعالیٰ کے حضور میں ذبح کرکے پیش کرنیکا ارادہ فرمایا تھا اور خدا تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جان کے بدلہ میں ایک ذبیحہ عظیمہ عنایت کیا اس لئے اس عید میں قربانی اس مصلحت سے مقرر کی گئی کہ اس میں ملت ابراہیمی کے ائمہ کے حالات اور ان کے جان و مال کو

خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرنے اور ان کی نہایت درجہ صبر کرنے کی یاد دہانی کر کے
لوگوں کو عبرت دلائی گئی ہے اور نیز حاجیوں کے ساتھ تشبیہ اور ان کی عظمت ہے
اور جس کام میں وہ حجاج مصروف ہیں اس کی طرف دوسرے لوگوں کو ترغیب ہے۔

عیدین میں نماز اور خطبہ مقرر ہونے کی وجہ

عیدین میں خطبہ اور نماز اس لئے مقرر ہے کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع
ذکر الٰہی اور شعائر دین کی تعظیم اور جلال الٰہی کے استحضار سے خالی نہ ہو۔ تفصیل اس
اجمال کی یوں ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک دن مخصوص ہوتا ہے کہ اس میں اپنے تجمل کا
اظہار کرتے ہیں اور خوب زیب و زینت کے ساتھ اپنے شہروں سے باہر نکلتے ہیں
یہ ایسی رسم ہے کہ اس سے کوئی قوم عرب و عجم میں خالی نہیں ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ان کے
بھی دو دن ایسے مقرر تھے کہ وہ ان میں لہو و لعب یعنی کھیل کود کرتے تھے۔ تب
آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے بجائے ان دنوں کے اور دو بہتر دن دیدئے ہیں۔
اور وہ یوم اضحیٰ اور یوم فطر ہیں اور ان کے تبدیل کرنے کی یہ ضرورت ہوئی کہ
لوگوں میں جو دن خوشی کا ہوتا ہے مقصود اس سے کسی نہ کسی دین کے شعائر کا اظہار
یا کسی مذہب کے اکابر کی موافقت یا اسی قسم کی بات ہوتی ہے۔

اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال ہوا کہ اگر ان کو آپ نے اسی
حالت پر چھوڑ دیا تو ایسا نہ ہو کہ اس میں جاہلیت کی کسی رسم کی تعظیم یا جاہلیت کے
اسلاف کے کسی طریقہ کی ترویج ان کو مقصود ہو اس لئے آپ نے بجائے ان دنوں
کے ایام عیدین کو مقرر فرمایا کہ ان میں ملت ابراہیم حنیف کے شعائر کی عظمت ہے

اور آپ نے اس دن کے تجمل کے ساتھ ذکر خدا اور دیگر عبادات کو بھی ملا دیا کہ مسلمانوں کا
کی شان و شوکت صرف ان کی اجتماعیت سے ہے بلکہ ان کے اکٹھے ہونے سے اعلاء کلمۃ اسلام ہو
لہٰذا تکبیر کہنا بھی مسنون کیا گیا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم
یعنی خدا تعالیٰ نے جو تم کو ہدایت فرمائی ہے اس پر اس کی بڑائی کو بیان کرو۔

عید کے دن عمدہ کھانے پکانے اور نفیس لباس پہننے کی وجہ

جبکہ عید کا دن خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے خاص ضیافت و مہمانی کا دن ہے تو اس میں ضرور ہوا کہ خدا تعالیٰ کی یہ خاص ضیافت جو کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کی ہے وہ عمدہ اور نفیس طعام سے ہو اور اس کی قدر کی جاوے لہٰذا خداداد نعمائے الٰہی سے خدا تعالیٰ کی طرف سے عمدہ کھانے پکائے جائیں اور اکل و شرب و لباس میں حد جائز تک وسعت کی جائے کیونکہ اسی میں خدا تعالیٰ کی ضیافت و دعوت کی تعظیم و تکریم پائی جاتی ہے اور چونکہ یہ ضیافت الٰہی کا دن ہے اس لئے مؤمن کو چاہئے کہ کھانے میں توسیع کرے اور غربا کی خبر گیری کرے۔

عیدین کی نماز میں زیادہ تکبیرات کہنے کی وجہ

تکبیر الٰہی میں خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور اپنا انکسار و ترک ماسوا مدنظر ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ لوگ عیدین کے دنوں میں بکثرت اپنے شان و شکوہ اور تجمل کا اظہار کرتے ہیں اس لئے اس کے مقابلہ میں مشروع ہوا کہ خدا تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو اور اس کو مدنظر رکھو کیونکہ اسی نے تم کو اس دن شان و شکوہ کی اجازت دی ہے۔ پس یہ بڑائی و کبریائی اسی کا استحقاق ہے اور ہر تکبیر میں کانوں پر ہاتھ لیجانا ترک کبر ہے و ترک ماسوا کی طرف ایماء ہے

اور اپنی بڑائی اور عظمت سے تائب ہونے کی تعلیم ہے۔
نیز جہاں کہیں جائز فعل کی کثرت کا اظہار ہوا اس کو بحد اعتدال لانے کے لئے اس کے اضداد مقرر ہیں پس عیدین ہیں کہ جس میں تنعم و تجمل کی کثرت ہے کثرت تکبیرات کا راز کثرت توجہ الی اللہ و ترک التفات ما سوا ہے۔

باب الاضحیٰ

تقریر قربانی کی وجہ قربانی اصل میں قربان سے ہے چنانچہ صراح میں لکھا ہے قربان بالضم و هو ما يتقرب به الى الله تعالىٰ يقال قربت لله قربانا۔ یعنی قربان اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ انسان خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈتا ہے چنانچہ کہتے ہیں قربت لله قربانا۔
چونکہ انسان قربانی سے قرب الٰہی کا طالب ہوتا ہے اس لئے اس فعل کا نام بھی قربانی ہوا۔
(۱) در اصل قربانی کیا ہے۔ ایک تصویری زبان میں تعلیم ہے جسے جاہل اور عالم سب پڑھ سکتے ہیں۔ وہ تعلیم یہ ہے کہ خدا کسی کے خون اور گوشت کو بھوکا نہیں وہ تو وھو يطعم ولا يطعم ہے ایسا پاک اور عظیم الشان نہ تو کھانوں کا محتاج ہے نہ گوشت کے چڑھاوے کا بلکہ وہ تمھیں سکھانا چاہتا ہے کہ تم بھی خدا کے حضور میں اسی طرح قربان ہو جاؤ اور یہ بھی تمھارا ہی قربان ہونا ہے کہ اپنے بدلے اپنا قیمتی پیارا جانور قربان کر دو۔
(۲) جو لوگ قربانی کو خلافِ عقل کہتے ہیں وہ سُن لیں کہ کل دنیا میں قربانی

کا رواج ہے اور قوموں کی تاریخ پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادنی چیز اعلی کے بدلہ میں قربان کی جاتی ہے یہ سلسلہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں میں پایا جاتا ہے ہم بچے تھے تو یہ بات سنی تھی کہ کسی کو سانپ زہریلا کاٹے تو وہ انگلی کاٹ دی جائے تاکہ کل جسم زہریلے اثر سے محفوظ رہے گویا انگلی تمام جسم کے لئے قربان کی گئی ہے۔

(۳) اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی دوست آجاتے تو جو کچھ ہمارے پاس ہو اسی کی خوشی کے لئے قربان کرنا پڑتا ہے۔ گھی آٹا گوشت وغیرہ قیمتی اشیاء اس پیارے کے سامنے کوئی ہستی نہیں رکھتیں۔

(۴) اس سے زیادہ عزیز ہو تو مرغے مرغیاں حتی کہ بھیڑیں اور بکرے قربان کئے جاتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھکر گائے اور اونٹ بھی عزیز مہمان کے لئے قربان کر دیئے جاتے ہیں۔

(۵) طب میں دیکھا گیا ہے کہ وہ قومیں جو اس کو جائز نہیں سمجھتیں کہ کوئی جاندار قتل ہو وہ بھی اپنے زخموں کے سینکڑوں کیڑوں کو مار کر اپنی جان پر قربان کر دیتے ہیں اس سے اوپر چلو تو ہم دیکھتے ہیں کہ ادنی لوگوں کو اعلی کیلئے قربان کیا جاتا ہے مثلاً بھنگی ہیں گو تمام قوموں کی عید ہی کا دن ہو مگر ان بیچاروں کے سپرد وہی کام ہوتا ہے بلکہ ایسے ایام میں ان کو زیادہ تاکید ہوتی ہے کہ لوگوں کی آسائش و آرام کی خاطر کوئی گندگی کسی گذرگاہ میں نہ رہنے دیں گویا ادنی کی خوشی اعلی کی خوشی پر قربان ہوئی۔

(۶) بعض ہندو گئو رکھشا بڑے زور سے کرتے ہیں لداخ کے ملک میں

تو دودھ تک نہیں پیتے کیونکہ یہ بچھڑوں کا حق ہے مگر یہاں کے ہندو دھوکا دیکر اس کا دودھ دوہ لیتے ہیں اور پھر اس سے اور اس کی اولاد سے سخت کام لیتے یہانتک کہ اپنے کاموں کے لئے انھیں مار مار کر درست کرتے ہیں یہ بھی ایک قسم کی قربانی ہے۔

(۷) ادنیٰ سپاہی اپنے افسر کے لئے اور وہ افسر اپنے اعلیٰ افسر کے لئے اور وہ اعلیٰ افسر اپنے بادشاہ کے بدلے میں قربان ہوتا ہے۔ پس خدا نے اس فطرتی مسئلہ کو برقرار رکھا اور اس قربانی میں تعلیم دی کہ اعلیٰ ادنیٰ کے لئے قربان کیا جائے۔

قربانی کے جانوروں کا ذبح کرنا خلاف رحم نہ ہونے کی وجہ

خدا تعالیٰ کو ماننے والی قومیں خواہ وہ کوئی ہوں اس بات کی ہرگز قائل نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ ظالم ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کو رحمٰن رحیم مانتے ہیں۔ اب خدا تعالیٰ کا فعل دیکھو کہ ہوا میں باز، شکرے، گدھ، چرغ وغیرہ شکاری جانور موجود ہیں اور وہ غریب پرندوں کا گوشت ہی کھاتے ہیں گھاس اور عمدہ سے عمدہ میوے اور اس قسم کی کوئی چیز نہیں کھاتے پھر دیکھو آگے ہیں پر دانہ کیساتھ کیا سلوک ہوتا ہے پھر پانی کی طرف خیال کرو کہ اس میں کس قدر خونخوار جانور موجود ہیں گڑیال اور بڑی بڑی مچھلیاں اور دریائی دٔ وغیرہ۔ یہ چھوٹے چھوٹے آبی جانوروں کو کھا جاتے ہیں۔ بلکہ بعض مچھلیاں قطب شمالی سے قطب جنوبی تک شکار کیلئے جاتی ہیں۔ پھر ایک اور قدرتی نظارہ سطح زمین پر دیکھو کہ چیونٹی خوار جانور لیسے زبان نکالے پڑا رہتا ہے جب بہت سی چیونٹیاں اس کی زبان کی شیرینی کی وجہ سے اس کی زبان پر چڑھ جاتی ہیں تو جھٹ زبان کھینچکر سب کو نگل جاتا ہے۔ مکڑی مکھیوں کا شکار کرتی ہے۔ مگس خوار جانور اپنی غذا ان جانوروں کو ہی مارکر

بہم پہنچاتے ہیں بندروں کو چیتا مار کر کھاتا ہے جنگل میں شیر بھیڑیئے تیندوے کی غذا جو مقرر ہے وہ سب کو معلوم ہے بلی کس طرح چوہوں کو پکڑ کر ہلاک کرتی ہے۔

اب بتلاؤ کہ اس نظارۂ عالم کو دیکھکر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قانون ذبح جو عام طور پر جاری ہے یہ کسی ظلم کی بنا پر ہے ہرگز نہیں پھر انسان پر حیوان کے ذبح کرنے کے ظلم کا الزام کیا مطلب رکھتا ہے۔ انسان کے جوئیں پڑجاتی ہیں یا کیڑے پڑجاتے ہیں کیسی بے باکی سے ان کی ہلاکت کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیا اس کا نام ظلم رکھا جاتا ہے جب اسے ظلم نہیں کہتے کہ اشرف کے لئے اخس کا قتل جائز ہے تو ذبح پر اعتراض کیونکر ہوسکتا ہے۔

بلکہ غور کرو تو حضرت ملک الموت کو دیکھو کیسے کیسے انبیاء رسل بادشاہ بچے غریب امیر سوداگر سب کو مار کر ہلاک کرتے اور دنیا سے نکالدیتے ہیں۔

پھر غور کرو اگر ہم جانوروں کو عید الاضحیٰ پر اس لئے ذبح نہ کریں کہ ہمارا ذبح کرنا رحم کے خلاف ہے تو کیا اللہ تعالیٰ انکو ہمیشہ زندہ رکھے گا اور ان پر رحیم ہو گا کہ وہ نہ مریں۔

پس اس تمہید کے بعد گزارش ہے کہ اگر جانوروں کو ذبح کرنا خلاف رحم ہوتا تو اللہ تعالیٰ شکاری اور گوشت خوار جانوروں کو پیدا نہ کرتا نیز اگر ان کو ذبح نہ کیا جاوے تو خود بیمار ہو کر مریں گے۔ پس غور کرو کہ ان کے مرنے میں کیسی تکلیف ان کو لاحق ہوگی۔

قانون الٰہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز بے حد بڑھنا چاہتی ہے اگر ہر ایک برگد کے بیج حفاظت سے رکھے جاویں تو دنیا میں برگد ہی برگد ہوں اور دوسری کوئی چیز نہ ہو مگر دیکھو ہزار جانور اس کا پھل کھاتے ہیں اس سے پتہ لگتا ہے کہ اس بڑھنے کو روکنا مرضی الٰہی ہے اسی طرح اگر ساری گایوں کی پرورش کریں تو ایک وقت میں

دنیا کی ساری زمین بھی ان کے چارے کے لئے کافی نہ ہوگی۔ آخر بھوک پیاس سے خود ان کو مرنا پڑیگا جبکہ یہ نظارہ قدرت موجود ہے تو ذبح کرنا خلاف مرضی الٰہی کیوں ہے۔

ذبح انسان ناجائز ہونے کی وجہ پھر کوئی کہے کہ ذبح انسان بھی جائز ہو سکتا ہے اس میں شک نہیں کہ فی نفسہ ذبح انسان کے لئے بھی عمدہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ شہادت کو متفق اللفظ ہو کر اعلیٰ کمال مانا ہے مگر انسان کے ذبح نہ کرنے پر اور بہت سے قوی دلائل ہیں۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انسان کے ساتھ اوروں کے بھی حقوق ہیں کسی کی پرورش ہے کسی کا کچھ کسی کا کچھ۔ اگر ایسا حکم دیں تو مشکلات کا ایک بڑا سلسلہ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے قتل انسان مستلزم سزا عرفی اور شرعی قانون میں سخت گناہ کہا گیا ہے۔

الغرض انسان کا قتل اس لئے تجویز نہیں ہوا کہ انسان کے ساتھ بہت سے حقوق ہوتے ہیں ان کا ضائع ہونا زیادہ دکھوں کا موجب ہے۔

کتاب الحج

حج وطواف کعبہ کی وجہ (۱) عبادت حج کا بنی آدم کے لئے موضوع ہونے میں یہ حکمت ہے کہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ روحانی امور کے مقابل پر جسمانی امور بھی نمونہ کے طور پر پیدا کر دیتا ہے تاکہ وہ روحانی امور پر دلالت کریں اسی عادت کے موافق خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور عبادت دو قسم کی ہے ایک انکسار اور تذلل۔ دوسرے محبت وایثار۔ تذلل وانکسار کے لئے نماز کا حکم

ہے جو جسمانی رنگ میں انسان کے ہر عضو کو خشوع اور خضوع کی حالت میں ڈالتی ہے۔ یہاں تک کہ دلی سجدہ کے مقابل پر اس نماز میں جسم کا بھی سجدہ رکھا گیا ہے تا کہ روح اور جسم دونوں اس رب العباد کے آگے پڑے رہیں۔

(۲) جسمی سجدہ روح کا اور ذریعہ ہیں۔ اول تو یہ اثر جسم ہے کہ انسان جیسی کہ روح کو پیدا کرتا ہے دوم یہ کہ باہمی دو قسم کا تعلق ہے اور دونوں پر اس کا حق تعالیٰ نے ہے۔ علاوہ اس کے کہ جسم اور روح ایک دوسرے کا اثر قبول کرتے ہیں بعض وقت جسم کا سجدہ روح کے سجدہ کا محرک ہو جاتا ہے اور بعض وقت روح بھی جسم کے اندر سجدہ کی حالت پیدا کر دیتی ہے کیونکہ جسم اور روح دونوں باہم مرایا متقابلہ کی طرح ہیں۔ مثلاً ایک شخص جب تکلف سے اپنے جسم پر ہنسنے کی صورت بناتا ہے تو ایسے اوقات اس کو سچی ہنسی بھی آجاتی ہے جو کہ روح کے انبساط سے متعلق ہے ایسا ہی جب ایک شخص تکلف سے اپنے جسم میں یعنی آنکھوں میں رونے کی صورت بناتا ہے تو ایسے اوقات حقیقت میں بھی رونا آجاتا ہے جو کہ روح کے درد اور رقت سے متعلق ہے پس جب یہ ثابت ہو چکا کہ عبادت کی دوسری قسم میں یعنی تذلل اور انکسار میں جسمانی افعال کا روح پر اثر پڑتا ہے پس ایسا ہی عبادت کی دوسری قسم میں یعنی محبت و ایثار میں بھی انہیں تاثیرات کا جسم اور روح میں باہم تاثر اور تاثیر ہے۔

(۳) محبت کے عالم میں انسانی روح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہے اور اس کے آستانہ کو بوسہ دیتی ہے پس اسی کے مقابل خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبان صادق کے لئے ایک نمونہ دیا گیا ہے اور اس کی نسبت فرمایا گیا ہے کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے اور یہ حجر اسود میرے آستانہ کا پتھر ہے اور ایسا حکم اس لئے دیا تا کہ انسان جسمانی طور

پر بھی اپنے ولولہ عشق اور محبت کو ظاہر کرے۔ سو حج کرنے والے حج کے مقام پر جسمانی طور پر بھی صورت بنا کر اس گھر کے گرد گھومتے ہیں کہ گویا خدا کی محبت میں دیوانہ اور مست ہیں۔ زینت دُور کر دیتے ہیں۔ سر منڈوا دیتے ہیں اور مجذوبوں کی شکل بنا کر اس کے گھر کے گرد عاشقانہ طواف کر دیتے ہیں اور یہ جسمانی ولولہ روحانی تپش اور محبت کو پیدا کر دیتا ہے اور اسی حکمت کے لئے جسم اس گھر کے گرد طواف کرتا ہے اور سنگ آستانہ کو چومتا ہے۔

(۴) اکثر آدمی اپنے پروردگار کے شوق میں پڑتے ہیں اس وقت ان کو ضرورت ہوتی ہے کہ کسی طرح اپنا شوق پورا کریں تو سوائے حج کے اسکو اور کوئی ایسی چیز نہیں ملتی۔

(۵) ہر ملت اور سلطنت کو ہمیشہ ایک دربار کی ضرورت ہوتی ہے جس سے سب لوگوں میں باہم جان پہچان بھی ہو اور ایک دوسرے سے مستفید بھی ہوں اور اس ملت یا سلطنت کے شعائر کی تعظیم بھی کریں ایسا ہی مذہب کو حج کی ضرورت ہے۔ تاکہ ایک دوسرے سے ملیں جلیں اور ہر ایک دوسرے سے ان فوائد کو حاصل کر سکیں جو ان کو پہلے سے حاصل نہیں ہیں اس لئے کہ مقاصد باہمی مصاحبت اور ایک دوسرے کے ملنے سے ہی حاصل ہوا کرتے ہیں اور جس سے شعائر دین کی عظمت بھی ظاہر ہو۔

(۶) ائمہ دین کی حالت کو یاد کرنے اور ان کے اختیار کرنے کی آمادگی کے لئے کوئی چیز حج سے زیادہ مفید نہیں ہے۔

(۷) چونکہ حج میں دُور و دراز سفر کرنا پڑتا ہے وہ نہایت دشوار عمل ہے بڑی مشقت سے پورا ہوتا ہے اس لئے اس کی تکالیف کا برداشت کرنا خدا تعالیٰ کی خالص عبادت ہے جس سے خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔

(۸) آدمی طواف کعبہ کی وجہ سے ان مقرب ملائکہ الٰہی کے مشابہ ہو جاتے ہیں جو عرش الٰہی کے گرد گھومتے ہیں اور طواف کرتے ہیں۔

(۹) یہ خیال نہ کرو کہ طواف کعبہ سے مقصود صرف جسم کا طواف ہے بلکہ اس طواف سے مراد رب الکعبہ کا طواف ہے جو دل سے ہوتا ہے پس عمدہ طواف دل کا حضرت الوہیت کا طواف ہے اور خانہ کعبہ عالم ظاہری میں اس دربار الٰہی کا نمونہ ہے کیونکہ وہ دربار عالم باطن میں ہے اور آنکھ سے محسوس نہیں ہوتا جیسا کہ عالم ظاہری میں بدن روح کا نمونہ ہے۔

(۱۰) اور سنو نیاز مندی دو قسم کی ہوتی ہے ایک نیاز مندی خادمانہ خدام کی نیاز مندی اپنے آقا اور بادشاہ کے سامنے دوسری نیاز مندی عاشقانہ عاشق کی محبوب کے ساتھ پہلی قسم کی نیاز مندی کو مناسب ہے کہ درباری لباس پہنکر بڑے ادب اور وقار سے مالک کے دربار میں حاضر ہو اور تمام حکام اور مریدوں کی اطاعت سے کان پر ہاتھ رکھکر اطاعت کا اقرار کرے ہاتھ باندھکر حکم کا منتظر رہے جھک کر تعظیم دے زمین پر ماتھا رکھے یہ رنگ نماز کا ہے اور عاشقانہ نیاز میں ضرور ہے کہ عاشق اپنے محبوب کے سامنے عشق میں بھوک اور پیاس بھی دیکھے نہایت درجے اس عزیز کو بھی کہ انسان ماں باپ کو چھوڑ کر اس سے متحد اور ایک جسم ہو جاتا ہے کچھ دیر کے لئے ترک کر دے اور جہاں یقینی طور پر سن لیا ہو کہ میرے محبوب کی عنایات اور توجہات کا مقام ہے وہاں دوڑتا کودتا سر کے عمامہ اور ٹوپی سے بے خبر پہنچے پروانہ وار وہاں شدا ہو کہیں دشمنوں کی روک ٹوک کی جگہ سن پائے تو وہاں پتھر چلائے۔ یہ رنگ حج کا ہے۔

(۱۱) تمام قوموں میں میلوں کا رواج ہے مگر ان میلوں کا ہونا محض مصالح دنیوی

پر مبنی ہے چنانچہ کل مذاہب اور تمام اقوام کے میلے خالص توحید سے بالکل بے بہرہ ہیں محض کھیل اور غیر اللہ کی پرستش ہے ان کو عظمت الٰہی سے کچھ سروکار نہیں پس اجتماع حج یہ ایک اسلامی میلہ مقرر کیا گیا جو سراسر روحانیت سے بھرا ہوا ہے۔

دولتمندوں پر حج واجب ہونے کی وجہ

(۱) امرا کے حق میں عیش اور کبر ہی مہلک امراض اور ترقی کے دشمن ہیں اور دور دراز کا سفر کرنا احباب اور اقارب کا چھوڑنا سردی اور گرمی کی برداشت کرنا مختلف بلاد کے علوم اور فنون اور اقسام مذاہب اور عادات پر واقف ہونا سستی اور نفس پروری کا خوب استیصال کرتا ہے۔

(۲) حج کے اعمال کبر اور بڑائی کے سخت دشمن ہیں زیب و زینت کو ترک کرنا غربا کے ساتھ ننگے سر کوسوں چلنا دینا وغیرہ مستقل عیاشوں کو کیسی کیسی ہمت بڑھانے کا موجب ہے غرض حج کیا ہے اسلامیوں کا تجربہ کار اور ہوشیار بنانا ہے۔

(۳) بلا رئیسا ایک ملک کے فوائد کو دوسرے ملک تک پہنچانے میں جیسی قدرت دولتمند لوگ رکھ سکتے ہیں ویسی علی العموم غریب لوگ نہیں رکھ سکتے۔

احرام میں صرف بے سلی دو چادروں پر کفایت کا راز

امرا کے ساتھ جن پر کہ حج فرض ہے ممکن ہے بلکہ ضرور تھا کہ ان کے نوکر چاکر بھی حج کرنے کو جاویں اور کچھ لوگ غربا میں سے عشق الٰہی کے مجبور کئے ہوئے بھی وہاں پہنچیں۔ اس لئے اسلام نے بغرض کمال اتحاد اہل اسلام تجویز فرمایا کہ سب سادہ دو چادروں پر اکتفا کر کے امیر و غریب یکساں سر سے ننگے کرتے سے الگ بالکل سادہ وضع پر ظاہر ہوں تاکہ ان کی یکتائی اور اتحاد کامل حد پر پہنچ

حجر اسود کو ہاتھ لگانے اور چومنے پر اعتراض کا جواب

نادان کہتے ہیں کہ مسلمان پتھر کی پرستش کرتے ہیں

مگر آریہ اور عیسائی بتائیں کہ عبادت کسے کہتے ہیں۔ عبادت میں استتی (حمد) اور پرارتھنا (یعنی دعا) اور اپاسنا (یعنی دھیان) ضرور ہے۔ بتائیں مسلمان کب اس پتھر سے دعا اور اس کا دھیان اور اس کی استت کرتے ہیں۔ کسی اسلامی عبادت میں اس پتھر کا ذکر بھی نہیں بلکہ عبادات اسلامیہ میں تو مکہ کا بھی ذکر نہیں اسکی عبادت کیا ہوگی۔ اگر اس کو ہاتھ لگانا یا چومنا عبادت ہے تو سب لوگ دنیا کی بیوی عورتوں کے عابد اور زمین کے پوجاری ہوں گے۔

بات یہ ہے کہ مقدس مقام میں تصویری زبان کے اندر یہ گفتگو ہے کہ نبوت کے نقل سر کونے کا پتھر یہاں مکہ سے نکلا ہے بلکہ مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متی باب ۲۱ میں خود کہا ہے کہ یہ تمثیل ہے۔

حجر اسود تصویری زبان کا نمونہ ہے

اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں بہت مدت سے تصویری زبان کا رواج تھا اور اب تک ہے۔ جیسا گنیش، رامچندر جی اور شیوجی کی تصویری قصص ہندوؤں کے پاس خصوصاً ہند کے قدیم مصوروں کے پاس موجود ہیں۔ سکندر رومی جس کو حضرت دانیال رومی نے ذوالقرنین یعنی ایک سینگ کا بکرا خواب میں دیکھا یہ تصویری زبان کی شہادت ہے۔ دیکھو دانیال باب ۸۔ اسی طرح دارا ایرانی بادشاہ کی تصویری زبان میں گفتگو عام نظموں میں موجود ہے تصویری زبان کی کتابیں اور اخبارات ہند میں بکثرت موجود ہیں۔ اسکندریہ ملک مصر کے ایک جریدہ نگار

ف لیعنی حمد و ثنا ۱۲

نے ایک رسالہ قدیمی تصویری زبان کے متعلق لکھکر شائع کیا ہے جس میں صرف حیوانات
و آلات و اشجار وغیرہ کی اشکال ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں پہلے اس زبان
کا عام رواج تھا اب بھی یہ تصویری زبان ان بلاد میں جہاں تعلیم کا رواج کم ہوتا ہے
یا بالکل نہیں ہوتا زیادہ تر استعمال کی جاتی ہے بلکہ اکثر تصویری زبان بہ نسبت
تحریری کے زیادہ قوی ہوا کرتی ہے۔ اس واسطے یادگاروں کو عقلاً اور حکماً اکثر تصویری
تحریروں میں ادا کرتے ہیں۔

یوشع بن نون نے یردن سے گذرتے وقت بارہ پتھر اٹھائے یوشع باب ۴۔
و بقول ... ائیوا ہے کہ بارہ حواریوں کی پیشین گوئی تھی یہود اور عیسائی غیر قوموں
کو اور بعض خواص کو پتھر کہتے تھے یہ ان کا محاورہ تھا پطرس کو پتھر اس واسطے کہا کہ
کلیسیا کے لئے وہ فون ڈیشن ستون یعنی بنیادی پتھر ہوا۔ ان باتوں پر خوب غور کرو۔

اب تمہید کے بعد کتب مقدسہ میں ایک پیشین گوئی بہ نسبت خاتم الانبیاء
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بہت زور سے درج تھی۔ دیکھو لوقا ۲۰
باب ۱۶ و ۱۷۔ وہ پتھر جسے راجگیروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا اور دیکھو زبور
۱۱۸۔ ۲۲ وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہو گیا ہے متی باب ۲۱۔ توریت
۴۴ و ۴۵۔ غرض یہ ایک بشارت ہے جو کئی کتب مقدسہ میں مندرج ہے اس بشارت
اور اس پیشین گوئی کے اظہار و تصدیق کے لئے مکہ معظمہ کی بڑی عبادت گاہ میں
بطور تصویری زبان کے حجر اسود کونے پر ... دیا گیا تھا محمدیوں سے صدہا سال پہلے
سے یہ پتھر ابراہیمی عبادت گاہ کے کونے پر منصوب تھا اور عرب کے لوگ اسے چومتے
اور اس سے ہاتھ ملاتے گویا قدیم زمانہ میں ہی عرب سے پہلے یہ فقرہ تصویری طور پر

معظمہ کی مقدس مسجد پر رکھا تھا کہ اس شہر میں وہ کونے کا پتھر ظاہر ہوگا۔ جیسے یوں کہا جائیگا کہ نبوت اور رسالت کی عظیم الشان اور مستحکم عمارت جو کہ انبیاء اور رسولوں کی وجود ذی جود سے تیار ہوئی ہے۔ اسی پتھر سے پوری ہوئی اور اسی کونے کے پتھر کی یہ شان ہوگی کہ انکی بیعت رحمان کی بیعت اور ان کی اطاعت رحمان کی اطاعت ہے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانہ وترک منہ موضع اللبنۃ الی ان قال فکنت انا سددت موضع اللبنۃ وفی روایۃ فانا تلک اللبنۃ۔ **ترجمہ**۔ یعنی میری اور دوسرے نبیوں کی مثال اس محل کی ہے کہ وہ بہت خوبصورت بنایا گیا اور ایک اینٹ کی جگہ اسمیں خالی رکھی گئی سو وہ اینٹ میں ہوں

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا راز

(۱) صفا و مروہ کے درمیان جو کہ خانہ کعبہ کا چوک ہے سعی کرنی ایسی ہے کہ جیسے غلام اپنے بادشاہ کے محل کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہو اس خیال سے کہ خدمت میں اپنا خلوص ظاہر کرے تاکہ نظر رحمت سے سرفراز ہو۔

(۲) اس میں یہ راز ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ کے پاس داخل ہو اور پھر باہر نکلے اور نہ جانتا ہو کہ بادشاہ میرے باب میں کیا حکم کرے گا منظور فرمائے گا یا نا منظور تو دربار کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہے۔ اس امید سے کہ اگر اول دفعہ رحم نہ کرے گا تو دوسری بار میں رحم کرے گا اسی طرح سعی ادا کرتا ہے ؎

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے عاقبت زاں در برد آید سرے

سایۂ حق بر سر بندہ بود ۔۔۔ عاقبت جوئندہ یابندہ بود

چون نشینی بر سر کوئے کسے ۔۔۔ عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

چون ز چاہے میکنی ہر روز خاک ۔۔۔ عاقبت اندر رسی در آب پاک

رسم صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے میں یہ راز بھی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو جب سخت پیاس پیش آئی تو صفا و مروہ پہاڑوں پر انہوں نے تیز رفتاری سے [illegible] سعی کیا جس طرح کوئی متفکر آدمی [illegible] ہوتا ہے تب خدا تعالیٰ نے [illegible] ان کی فکر کو دو طریقوں سے رفع کیا ایک تو چشمہ زمزم پیدا ہو گیا دوسرے [illegible] اس جنگل میں آباد ہونے کا الہام [illegible] حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اور ان کے فرمانبرداروں پر ضروری ہے کہ [illegible] نعمت کا شکر ادا [illegible] اس کو یاد کریں تاکہ ان کی قوت بہیمی مغلوب ہو اور خدا تعالیٰ کی [illegible] کی رہنمائی کرے اور اس کے لئے کوئی بات اس سے زیادہ [illegible] نہیں ہے [illegible] کسی خاص ظاہری فعل کو [illegible] ان کی [illegible] ظاہر ہوتا ہے اور وہ فعل حضرت ہاجرہ کی اس تکلیف اور مشقت کا نقل کرنا ہے اور ایسے موقع پر مماثلت کا فعل کرنا بہ نسبت زبانی یاد کے زیادہ مفید ہوتا ہے۔

حج کے لیے خصوصیت مکہ کی وجہ

حج کے لئے ایسے مقام میں جمع ہونا لازم ہوا جہاں خدا تعالیٰ کے نشانات و آیات بینات موجود ہوں کہ وہ مکہ میں بیت اللہ ہے جو سب جگہوں سے زیادہ حج کے قابل ہے اس میں بہت سے نشانات الٰہی موجود ہیں چنانچہ (۱) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے کہ جن کی نیکی اور خوبی کی شہادت اکثر امتوں کی زبان سے ظاہر ہے خدا کے حکم اور وحی سے اس کی بنیاد قائم کی۔

(۳) وہ مقام مبدأ اسلام تھا پھر اس میں ایسے لوگوں کی یادگار تھی جن کی محنت اور کوشش سے سخت سے سخت بت پرستی کا دنیا سے استیصال ہوا اور خالص توحید الٰہی قائم ہوئی۔

(۴) اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ مکہ معظمہ سے وعظ توحید شروع ہوا۔ اس معظم مکان نے مسئلہ توحید کی تائید کی اور شرک کا استیصال کیا قومی نفاق اور طوائف الملوکی اور خانہ جنگیاں عرب کی دور کیں دختر کشی شراب خواری اور خونریزی قمار کا اس ملک میں نام و نشان نہ چھوڑا۔ نفاق و کسل و کاہلی کے بدلے آزادی، صبر و ہمت و اخوت، ہمدردی و شجاعت و استقلال و عزم کو پیدا کیا۔

حج میں حلق سر کی وجہ

حلق سر کی وجہ یہ ہے کہ بہت دنوں سر کھلا رہا گرد و غبار پڑا عام لوگوں کو سامان سر دھونے کا اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ سر منڈوا دیں یا بالوں کو کٹوائیں حلق کا حکم جیسا کہ ہماری کتب قرآن و احادیث میں مذکور ہے ایسا ہی اس کا رواج اور اس کا ثبوت مقدسہ کتب میں موجود ہے (دیکھو ایوب ۱۰ باب ۲۰) نذیر یعنی نذر دینے والا جماعت کے خیمہ کے دروازہ پر سر کی منت منڈوائے گنتی ۶ باب ۱۸۔

کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ

(۱) قرآن خود اس بھید سے آگاہ فرماتا ہے وما جعلنا

القبلة التی کنت علیہا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ
ترجمہ۔ اور نہیں کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر تو تھا مگر اس لئے کہ ظاہر ہو جاوے کہ کون رسول کے تابع ہے اس سے جو کہ پھر جاتا ہے اپنی ایڑیوں پر۔

(۲) یہ بہت صاف امر ہے اور حقیقت شناس عاقل کے نزدیک کچھ بھی محل اعتراض نہیں۔ اس ہادی کو تمام دنیا کے متداولہ عبادت کے طریقوں سے جن میں شرک اور مخلوق پرستی کے جزو اعظم شامل تھے اپنے طریق عبادت کو خاص کرنا منظور تھا اور ایک واضح اور ممتاز مسلک قائم کرنا ضرور اس لئے واجب ہوا کہ وہ اپنی امت کے رُخ ظاہر کو بھی ایسی سمت کی طرف پھیرے جس میں قوائے روحانی کی تحریک ہو۔

(۳) اس میں اتفاق و اتحاد قومی کا فائدہ ہے اس لئے سب کو حکم ہوا کہ ایک دل ہو کر معبود حقیقی کی عبادت کریں ہر ایک مسلمان کو یقین ہے کہ مکہ میں بیت اللہ کو توحید کے بڑے واعظ نے تعمیر کیا اور آخری زمانہ میں اسی کی اولاد میں سے ایک زبردست کامل نبیؐ مکمل شریعت لیکر ظاہر ہوا جس نے اسی پہلی یقین و تعلیم کو پھر زندہ اور کامل کیا پس نمازیں جب اُدھر کو رُخ کرتے ہیں یہ تمام تصورات آنکھوں میں پھر جاتے ہیں اور مصلح عالم کی تمام خدمات اور جانفشانیاں جو اس نے اعلاء کلمۃ اللہ میں دکھلائیں یاد آجاتی ہیں۔

(۴) خانہ کعبہ کو اسلام والے بیت اللہ کہتے ہیں اور بالکل ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی کے مکان کو جاتا ہے تو اس کا مطلب مکان والا ہوا کرتا ہے کسی تخت نشین شاہ اور بزرگ کے آداب و نیاز اس کے تخت کے آداب نہیں ہوا کرتے۔

(۵) اس میں اس اظہار کی حکمت بھی مذکور ہے کہ یہ کامل مذہب یہ توحید کا
آفتاب اسی پاک زمین سے نمودار ہوا اس استقبال سے وہ خداوندی حکمت بحال
رکھی گئی ورنہ اہل اسلام کا عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات مکان اور جہت کی
قید سے منزہ ہے اور عنصری وکونی صفات سے اعلیٰ اور مبرا ہے کوئی جہت نہیں
جس میں وہ مقید ہو کوئی خاص مکان نہیں جس میں وہ رہتا ہو اسی مطلب کی طرف
قرآن شریف اشارہ کرتا ہے اور معترض کے اعتراض کو پہلے ہی اپنے علم محیط سے
رد کر دیا ہے وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔
ترجمہ۔ خدا ہی کا مشرق و مغرب ہے سو جس طرف منہ کرو اُدھر ہی توجہ ہے اللہ کی۔

(۶) ایک اور لطیف بات قابل غور ہے کہ آغاز نماز میں جبکہ مسلمان روبقبلہ
کھڑا ہوتا ہے تو یہ آیت پڑھتا ہے۔ انی وجہت وجھی للذی فطر السمٰوات
والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ ترجمہ۔ میں نے اپنا رُخ کیا اس خدائے
تعالیٰ کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں ہوں
شریک کرنے والا۔

سو باوجود اس تصریح کے مسلمان پر کعبہ پرستی کا شبہ کیسے ہو سکتا ہے۔

(۷) اس میں یہ بھی راز ہے کہ جماعت کے انتظام میں خلل نہ ہو اور تمام
دنیا کے اہل اسلام ایک جہت رہیں۔

میقات پر احرام باندھنے اور لبیک کہنے کا بھید

مجرم قیدی کی اصل [illegible] سپاہی کی
حالت میں آنا چاہیے کہ سر پر خاک بھری ہو اور بدن میں میل کچیل اور [illegible] ذلت کی

حالت میں ہو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی مطلوب ہے بس ضرور ہوا کہ مکہ سے پہلے
احرام باندھیں پھر اگر اس بات کا حکم دیا جاتا کہ اپنے اپنے شہروں سے احرام باندھ کر
آیا کریں تو ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر دقت تھی کیونکہ بعض شہر مکہ سے ایک مہینہ
کی مسافت پر واقع ہیں اور بعض اس سے بھی زیادہ دور ہیں لہذا ضروری ہوا کہ
احرام باندھنے کے لئے مکہ کے گرد چند مقامات تجویز کر دیئے جاویں کہ ان مقامات کے
بعد تاخیر نہ کر سکیں اور ضرور ہے کہ مقامات ظاہر اور مشہور ہوں اور کوئی شخص ان
مقامات سے ناواقف نہ ہو۔

(۵) لبیک کا بھید۔ میقات پر احرام اور لبیک کہنے سے یہ بھید ہے کہ لبیک کے
یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی پکار پر جواب عرض کر رہا ہوں کہ میں حاضر ہوں اس وقت یہ
امید بھی کرے کہ یہ جواب مقبول ہو اور خوف بھی ہو کہ کہیں یہ نہ کہہ دیا جاوے لا لبیک
ولا سعدیک اس لئے تردد ہوا کہ خوف و رجا کے درمیان متردد رہے اور اپنے تاب و
طاقت سے علیحدہ ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر تکیہ رکھے اس لئے کہ لبیک
کہنے کا وقت ہی حج کا شروع ہے اور وہ عرفہ کی جگہ اور وہ پکار جس کا یہ جواب دیتا ہے
وہ ہی جو اس نے فرمایا واذن فی الناس بالحج ترجمہ یعنی پکار لوگوں کو حج کے واسطے۔

عرفات میں ٹھہرنے کا سر

(۱) عرفات کے وقوف میں یہ راز ہے کہ ایک زمان
اور ایک مکان میں مسلمانوں کا جمع ہونا اور ان کا خدا
تعالیٰ کی طرف راغب ہونا اور ان کا خشوع و خضوع کے ساتھ اس سے دعا کرنا یہ برکات
الٰہی کے نازل ہونے اور روحانیت کے انتشار میں اثر عظیم رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان
اس روز تمام روزوں سے زیادہ ذلت اور خواری کی حالت میں ہوتا ہے اور نیز

اجتماع میں مسلمانوں کی شوکت وشان معلوم ہوتی ہے اور اس یوم کی اور اس مقام کی خصوصیت تمام انبیاء علیہم السلام سے بدستور منقول چلی آئی ہے چنانچہ حضرت آدمؑ اور ان کے بعد انبیاءؑ سے اس کی نسبت روایات منقول ہیں۔

(۲) عرفات پر ٹھہرنے میں جب لوگوں کا اژدہام اور آوازوں کا بلند ہونا اور زبانوں کا مختلف ہونا اور رشتاقو پر آمد ورفت کرنے میں ہر ایک فرقہ کا اپنے اپنے اماموں کے قدم بقدم چلنا نظر پڑے تو یہ یاد کرے کہ اسی طرح میدان قیامت میں بھی تمام امتیں اپنے انبیاء کے ساتھ اکٹھی ہوں گی اور ہر امت اپنے نبی کی پیروی کرے گی اور ان کی شفاعت کی طمع کرے گی اور اس میدان میں اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کے باب میں حیران رہے گی اور جب آدمی اس کا خیال کرے تو چاہیئے کہ اپنے دل کے لئے انکسار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کو لازم کردے تاکہ اہل فلاح اور مرحوم فرقہ کے ساتھ اس کا حشر ہو اور اس جگہ پر امید کے قبول ہونے کی قوی توقع رکھے کیونکہ یہ میدان شریف ہے اور اس میں رحمت الٰہی خلائق پر نازل ہوتی ہے اور یہ میدان ابدال واوتاد کے گروہ سے کبھی خالی نہیں رہتا اور صالحین کے گروہ بھی اس میدان میں ضرور حاضر ہوتے ہیں۔ جب ان لوگوں کی ہمتیں جمع ہو کر خدا کے آگے انکسار وزاری کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہیں اور ان کی گردنیں اس کی طرف جھک جاتی ہیں اور مجتمع ہمت کے ساتھ طلب رحمت کے لئے آسمان کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو پھر یہ گمان نہ کرو کہ وہ اپنی امید میں محروم رہیں اور ان کی کوشش بیکار جاوے۔ بلکہ ان پر وہ رحمت نازل ہوتی ہے کہ سب کو ڈھانپ لے اسی واسطے بعض بزرگ کہتے ہیں کہ بہت بڑا گناہ ہے کہ آدمی عرفات میں موجود ہو کر یہ گمان کرے کہ خدا تعالیٰ نے میری

مغفرت نہیں کی۔ اور حج کا راز اور غایت مقصود بھی یہی ہے کہ ہمتوں کا اجتماع ہوتا ہے اور ابدال و اوتاد شہروں کے اطراف سے اکٹھے ہوتے ہیں ان کے قرب سے جمع ہمت میں سہارا لگتا ہے۔ غرضکہ رحمتِ الٰہی کے جذب کا طریق اس کے برابر اور کوئی نہیں ہے کہ ہمتیں اکٹھی ہوں اور ایک وقت میں ایک زمین پر سب قلوب ایک دوسرے کی مدد کریں۔

(۳) عرفات کے میدان میں جانا ایک ضروری فعل حج کا ہے جہاں نہ کوئی پتھر ہے نہ کوئی درخت صرف اللہ تعالیٰ کی یاد ہی ہے اور اس سے دعا۔

منیٰ میں اُترنے کا راز

(۱) منیٰ کے اترنے کے اندر یہ راز ہے کہ منیٰ ایام جاہلیت کے بازاروں میں سے عکاظ مجنہ اور ذی المجاز وغیرہ کی طرح ایک عظیم الشان بازار تھا اور یہ بازار انھوں نے اس واسطے مقرر کیا تھا کہ حج میں کثرت سے دُور دور از ملکوں کی خلقت اکٹھی ہوتی تھی اور اس تجارت کے حق میں اس سے زیادہ کوئی مناسب اور بہتر صورت نہیں تھی کہ ایسے اجتماع پر اسکا وقت مقرر کیا جاوے۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ مکہ کے اندر اس انبوہ کثیر کے رہنے کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ لہٰذا اگر ہر قسم کے لوگ منیٰ جیسے فضا و کشادہ ہوا میں اُترنے میں متفق نہ ہوتے تو بڑی دقت ہوتی۔ نیز وہاں جمع ہو کر انساب وغیرہ پر تفاخر بھی کرتے تھے۔

غرض یہ مصالح تھے ان لوگوں کے اسلام کو بھی ایسے اجتماع عظیم کی حاجت مصلحت اظہار شوکت مسلمین و شہرت و عظمت اسلام کے تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجتماع کو تو باقی رکھا اور بجائے ان کے اغراض واہیہ کے مصالح شرعیہ کو قائم کر کے اس کی اصلاح فرمادی اور ایک یہ بھی راز ہے کہ ایک ہی مقام وسیع میں لوگ اکٹھے ہو کر تبادلۂ خیالات کر سکیں اور آپس میں تعارف پیدا کریں۔

مشعر الحرام میں ٹھیرنے کی وجہ

مشعر الحرام میں ٹھیرنے کا اس لئے حکم دیا گیا کہ یہاں اہل جاہلیت باہم تفاخر او رنمود کیلئے قیام کرتے تھے اس کے بدلے میں کثرت سے ذکر آلہی کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ ان کی اس عادت کا انسداد ہو اور ایسی جگہ کی توحید بیان کرنا گویا ان کو اس پر برانگیختہ کرنا ہے کہ دیکھیں تم خدا تعالیٰ کی یاد زیادہ کرتے ہو یا اہل جاہلیت کی طرح اپنے مفاخر کا زیادہ ذکر کرتے ہو۔

رمی جمار کا راز

(۱) رمی جمار کرنے میں وہی راز ہے جو خاص حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رمی جمار خدا تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو یہ ہے کہ جس سے خدا تعالیٰ کے دین کی تابعداری کا اعلان منظور ہو اور اس قسم کے ذکر میں لوگوں کی کثرت زیادہ ضروری ہے نفس ذکر کی کثرت ضروری نہیں۔ رمی جمار یعنی کنکریاں پھینکنا اسی قبیل سے ہے اس لئے اس میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا مجمع کا حکم دیا گیا۔ باقی کنکریوں کا ہونا سو یہ امر تعیین ذکر کے لئے ہے یہی وجہ ہے کہ ہر کنکری پھینکنے کے ساتھ اللہ اکبر کہنا مشروط ہے۔

ابو داؤد و ترمذی بروایت حضرت عائشہ رضؓ کے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ انما جعل الطواف بالبیت والسعی بین الصفا والمروۃ ورمی الجمار لاقامۃ ذکر اللہ لا لغیرہ۔ یعنی طواف کعبہ اور سعی درمیان صفا و مروہ کے اور پتھروں کا پھینکنا فقط ذکر اللہ قائم رکھنے کے واسطے مقرر کیا گیا ہے اور دوسری قسم ذکر کی وہ ہے جس سے خود انصباغ نفس کا مقصود ہو وہاں خود کثرت ذکر کی مشروع ہے جیسے بہت سے اذکار ہیں۔

(۲) رمی جمار یعنی کنکریاں پھینکنے میں یہ قصد کرے کہ غلامی اور بند

ظاہر کرنے کے لیے امر کی اطاعت کرتا ہوں اور صرف تعمیل ارشاد کے لیے اٹھتا ہوں بدون اس کے کہ اس فعل میں کچھ عقل و نفس کا حظ ہو۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت کا قصد کرے کہ اس مقام پر آپ کو شیطان مردود ظاہر ہوا تھا تاکہ آپ کے حج میں کچھ شبہ ڈالدے یا کسی معصیت میں مبتلا کرے تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا کہ اس کے دفع کرنے کو اور اس کی امید منقطع کرنے کے لیے اس کو کنکریاں مارو اس پر اگر کوئی کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو شیطان ظاہر ہوا تھا اور آپ نے اس کو دیکھا تھا اس لیے اس کو مارا تھا ہم کو تو شیطان دکھائی نہیں دیتا پھر کنکریاں مارنے سے کیا غرض ہے؟

تو اس کا یہ جواب ہے کہ یہ شبہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اس نے یہ شبہ تمہارے دل میں ڈالا ہے تاکہ تمہارا ارادہ رمی جمار کا سست پڑ جاوے اور تمہارے خیال میں آوے کہ یہ فعل ایسا ہے جس میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ ایک کھیل کی سی صورت ہے اس میں کیوں مشغول ہوتے ہو۔ پس خوب کوشش اور مضبوطی کے ساتھ شیطان کو ذلیل کرنے کی نیت سے کنکریاں مار کر اپنے دل سے اس کو دفع کرو۔ اور جان لو کہ ہر چند کنکریاں پتھر پر پڑتے ہیں لیکن واقع میں شیطان کے منہ پر مارتے ہیں اور اس کی پیٹھ پر کیونکہ اسکی ذلت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے حکم کی بجا آوری کریں جس کی تعمیل میں نفس اور عقل کو کچھ حظ نہیں صرف اس کی تعظیم ملحوظ ہے۔

بطن محسر میں تیز چلنے کا راز

بطن محسر میں سواری کے تیز کرنے کا یہ سبب ہے کہ وہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کا مقام ہے لہٰذا جس شخص کو خدا تعالیٰ اور اس کی عظمت کا خوف معلوم ہوتا ہے وہ غضب الٰہی سے ڈر کر بھاگتا

ہے اور چونکہ اس خوف کا معلوم کرنا ایک باطنی امر تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ظاہری فعل سے جو نفس کو بھی خوف یاد دلاتا ہے اور اس کو آگاہ کرتا ہے منضبط فرمایا۔

حرم کے جانوروں کا شکار نہ کرنے کی مصلحت

(۱) حرم کے جانوروں کا نہ کھانا ایسا ہے جیسا کوئی شخص اپنے محبوب کے کوچہ کے جانوروں کو باوجودیکہ گوشت کھایا کرتا ہو کچھ نہ کہے۔

(۲) مکہ کے لئے حرم مقرر کرنے میں یہ راز ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک خاص طرز کی تعظیم ہوتی ہے چنانچہ کسی دین کی یہ تعظیم ہے کہ اس میں کسی چیز سے تعرض نہ کیا جائے اور در اصل یہ تعظیم بادشاہوں کی عادت ان کے شہر پناہوں سے ماخوذ ہے جب کوئی قوم ان کی فرمانبردار ہوتی ہے اور ان کی اطاعت اور تعظیم کرتی ہے تو انکے مطیع ہونے میں یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر اس بات کو مقرر کر لیتی ہے کہ انکی حدود کے اندر جو درخت و چارپائے وغیرہ ہیں ان سے ہم کچھ تعرض نہ کریں گے اور حدیث شریف میں آیا ہے ان لکل ملك حمی وحمی اللہ محارمہ یعنی ہر بادشاہ کے لئے باڑ ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی باڑ اس کے محارم ہیں۔

حاجی کی سواری کی عبرتیں

سواری جس وقت سامنے ہووے اس وقت اپنے دل میں خدا تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو کہ اس نے ہماری سواری کے لئے چوپایوں کو اور عناصر یعنی آب و ہوا اور آتش وغیرہ کو جن سے ریل اور آگبوٹ وغیرہ چلتے ہیں مسخر کیا کہ ہم کو تکلیف نہ ہو اور ہماری مشقت ہلکی ہو جائے اور یہ یاد کرو کہ دار آخرت کی سواری بھی ایک دن اسی طرح سامنے آجاوے گی یعنی

جنازہ کی تیاری ہوگی اس پر سوار ہو کر دار آخرت کا کوچ کرنا پڑے گا۔

الغرض حج کا سفر آخرت کے سفر کی طرح ہے۔ لہذا اس پر ضرور نظر کر لینا چاہئے کہ حج کی سواری پر سفر کرنا اس قابل ہو کہ سفر آخرت کی سواری کا توشہ ہو سکے کیونکہ سفر آخرت آدمی سے بہت ہی قریب ہے کیا معلوم کہ موت قریب ہو اور اونٹ کی سواری سے پیشتر ہی تابوت آخرت پر سوار ہو جائے اور تابوت کی سواری یقیناً ہوگی۔ اور سامان سفر کا مہیا ہو جانا مشترک امر ہے تو مشکوک سفر میں احتیاط کرنا اور توشہ و سواری سے مدد لینا اور یقینی سفر سے غافل رہنا کب زیبا ہے۔

معارف چادرہائے احرام احرام کی دو چادروں کے خریدنے کے وقت اپنے کفن کو اور اس میں اپنے لپیٹنے کو یاد کرو کیونکہ احرام کی چادر اور تہمد کو اس وقت باندھو گے جبکہ خانہ کعبہ کے نزدیک پہنچو گے اور کیا عجب کہ یہ سفر پورا نہ ہو اور خدا تعالیٰ سے کفن میں لپٹے ہوئے ملاقات ہونا یقینی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ جل شانہ کی زیارت بھی مرنے کے بعد بجز اس صورت کے نہ ہوگی کہ دنیا کے لباس کے مخالف لباس ہو کیونکہ احرام کا کپڑا کفن کے کپڑے کے مشابہ ہے۔

اسرار میقات و تکالیف حج جنگل میں داخل ہو کر میقات تک گھاٹیوں کے دیکھنے میں وہ ہول و احوال یاد کرو جو موت کے باعث دنیا سے نکل کر میقات تک ہوں گے۔ اس کے ہر ایک حال کو اسکی ہر کیفیت سے مناسبت ہے۔ مثلاً رہزنوں کی دہشت سے منکر و نکیر کے سوال کی دہشت یاد کرنا چاہئے اور جنگل کے درندوں سے قبر کے سانپ بچھو اور کیڑوں کا دھیان کرو اور اپنے گھر بار اور اقارب کے علیحدہ ہونے سے قبر کی وحشت اور سختی

اور تنہائی کو سوچو۔

محرم پر جنایات کے بدلے میں کفارہ لازم ہونے کی وجہ | حج کے تمام افعال عاشقانہ رنگ کے آداب تھے جو

عاشقانِ الٰہی کے لئے اپنے معشوقِ حقیقی کے گھر کے پاس بجالانے کے لئے موضوع ہیں پس جو شخص ان آداب میں سے معشوق کے خلاف کوئی حرکت کرے اس پر عاشقانہ ادب کو چھوڑنے اور اپنے معشوق کے احکام کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے کفارہ دینا لازم ہوا لہٰذا محرم اگر اپنے کسی اندام کو خوشبو لگاوے تو اس کو صدقہ دینا چاہئے اور اگر ایک دن کامل سلا ہوا کپڑا پہنے یا اپنے سر کو ڈھانپے تو اس پر قربانی واجب ہوتی ہے اور اگر اس سے کم مدت پہنا یا ایسا فعل کیا ہو تو صدقہ دینا چاہئے اور اگر اپنے سر کا چوتھائی یا زیادہ منڈوا دے تو اس پر قربانی لازم آتی ہے اور اس سے کم کے لئے صدقہ دینا چاہئے۔ اور ایسا ہی ناخن کٹوانے کے باب میں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ان حرکات کو عاشقانہ نیاز و خستگی و شکستگی کے برخلاف شمار کیا جاتا ہے کیونکہ خوشبو لگانا اور سیئے ہوئے کپڑے پہننا اور سر منڈوانا اور ناخن کٹوانا زیب و زینت کے اسباب اور حظوظ نفسانی و خود آرائی کی صورتیں ہیں اور یہ تمام حرکات عاشقانہ نیاز کے برخلاف اور معشوق حقیقی کی نظر میں بحالت احرام ناپسندیدہ ہیں۔ لہٰذا ان مخالفانہ حرکات کے تدارک کے لئے کفارات مقرر ہوئے ہیں۔

ترک خوبی می کناند خوب تر — عشق را قدرے عالی بود عشق دگر

ہر کہ ترک خود کند یابد خدا — چیست وصل از نفس خود گشتن جدا

لیک ترک نفس کے آساں بود — مردن و از خود شدن یکساں بود

ہست آں عالی جنابے بس بلند | بہر وصلش شود باید نگند

زیب وزینت وآرائش اور ننگ وناموس کے سامان واسباب حالتِ عشق و فریفتگی ومسکنت کے نقیض وخلاف اور ایک قسم کی تصنع وتکلف پر دال ہیں اس سبب کو بحالتِ احرامِ حج یعنی کوچہ محبوب میں گشت کرنے کے وقت ترک کرنا مناسب ہوا اور محب صادق وعاشق خالص کو وہ آداب وطریقے اختیار کرنے ضروری ٹھیرے جو کوچہ محبوب میں پہنچنے کے وقت معشوق حقیقی کی نظرِ التفات وتوجہ و رحمت کے کھینچ لانے کا سبب ہوں چنانچہ ایک عاشق صادق کا ترانہ اسی حالت ورنگ کو ظاہر کرتا ہے ؎

ننگ ونام عزت دنیا زدل آن ریختیم | بار آبرو بگرباما بخاک آمیختیم
دل بدادیم از کف جان بستہ ابرو نداتیم | وز پئے وصل نگارے حیلہا انگیختیم

بحالت احرام اپنی عورت سے جماع کرنے سے حج فاسد ہونے کی وجہ

دنیا کے تمام لذائذ ومرغوبات میں جماع سے بڑھکر کوئی چیز نہیں ہے مگر حج میں سادی لذات کو چھوڑنا پڑتا ہے کیونکہ حج کی تمام صورتیں اس کے برخلاف ہوتی ہیں۔ حج میں عاشقانہ طرز و وضع اختیار کی جاتی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معشوق حقیقی ومحبوب ابدی کے سوا تمام لذات ومرغوبات کو میں نے ترک کر دیا پس جو شخص باوجود اس دعوے کے جو سب سے لذیذ ترین فعل کا ارتکاب بحالتِ احرامِ حج کرے وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ٹھیرتا ہے لہٰذا اس کا حج فاسد ہوجاتا ہے کیونکہ وہ عاشقانِ صادق کے زمرہ میں محسوب نہیں ہوتا بلکہ خائن ہے ؎

ہر کہ بیجا گند دعوائے دوست | راہزن مردان شدہ نامرد اوست

دراصل بات یہ ہے کہ بعض عبادات میں حلال اشیا بھی حرام ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ ان عبادات کے لئے مخل و مفسد ہوتی ہیں جیسے کلام کرنا یا کھانا پینا منع نہیں ہے مگر نماز میں حرام ہے ایسا ہی اپنی عورت سے مباشرت کرنا یا کھانا پینا منع نہیں ہے مگر بحالت روزہ یہ افعال حرام ہیں۔ کیونکہ یہ افعال ان عبادات کے لئے ناقض ہیں پس ایسا ہی حج کے لیے بعض محظورات ہیں جن سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور حج ان سے اس لئے فاسد ہوتا ہے کہ ان امور کی اوضاع افعال حج کے ضد ہیں اگر حج میں ایسے امور جائز ہوتے تو افعال حج ایک کھیل سا ہوتا۔

چیل کوے بچھو سانپ چوہے بھیڑیے سگ دیوانہ کو حرم میں مار ڈالنا جائز ہونے کی وجہ

یہ جانور موذی و ضرر رساں اور عاشقان الٰہی کو گزند پہنچانے والے اور کوچہ محبوب سے مانع ہوتے ہیں لہٰذا محبوب حقیقی خداوند تعالیٰ کی نظر میں اسی وجہ سے مبغوض و ممقوت ٹھیرے کہ اس کے عاشقوں کو اس کے کوچہ سے مانع ہوتے ہیں اور یہ امر اس کو ناپسند ہے پس جو امر محبوب حقیقی نظر میں مبغوض ہو بالضرور اس کے عاشقوں اور محبّوں کی نظر میں بھی وہ مبغوض ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان جانوروں کو حرم میں مار ڈالے تو اس پر کوئی تاوان ان کے بدلے میں دینا لازم نہیں ہوتا بلکہ کار ثواب و موافق رضا محبوب ہے۔

بحالت احرام حج سب و شتم و جنگ و جدال منع ہونے کی وجہ

حجاج بمنزلہ عاشقان و کوچہ گردان محبوب ہوتے ہیں پس جو شخص عاشقان الٰہی کو سب و شتم کرے اور ان سے لڑے جھگڑے وہ خدا کا مبغوض و ممقوت ٹھیرتا ہے اور ایسا ہی جو حاجی دوسرے حاجیوں سے لڑے

اوران کو سب دشتم کرے وہ زمرہ عاشقان الٰہی سے خارج ہوجاتا ہے۔ کیونکہ لڑنا جھگڑنا اکثر ننگ وناموس وعزت وجستجوئے آرام وتن پروری کے لیے ہوتا ہے۔ سو ایسا شخص دو وجہ سے زمرۂ عشاق سے خارج ہوجاتا ہے ایک تو یہ کہ وہ عاشقان الٰہی کو ایذا دہ ہوا۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنی عزت وننگ وناموس وآرام کا طالب اور محبوب حقیقی سے غافل ہوا یہی وجہ ہے کہ بعض حاجی وہاں جاکر بعض ایسے امور کے مرتکب ہونے سے سخت دل ہوکر واپس آتے ہیں کیونکہ وہ کوچہ محبوب حقیقی میں جاکر مشرائط عاشقانہ کو توڑکر اس کی نظر سے گرجاتے ہیں اس لئے اس نے ایسے محظورات کو جو اس محبوب ازلی کی نظر میں مبغوض ممقوت تھے پہلے ہی بتادیے کہ مبادا کوئی شخص بحالت عدم علم ان امور کا مرتکب ہوکر مبغوض ومردود ٹھیر جائے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں الحج اشھر معلومات فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج

ترجمہ یعنی حج کے مہینے معلوم ومشہور ہیں پس جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کرنا ٹھیرالے اس کو چاہیئے کہ حج میں جماع یا محرکات جماع کا مرتکب نہ ہو اور کسی کو گالی نہ دے اور جھگڑا نہ کرے۔

برکات حج

حج کے برکات میں سے ایک یہ تعلیم ہے جو اس کے ارکان سے حاصل ہوتی ہے کہ اس میں انسان کو عملی صورت میں اختیار سادگی وترک تکلفات اور کبر کو چھوڑنے کا سبق دیا جاتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حج کے سارے ارکان کبر اور بڑائی کے بڑے دشمن ہیں۔ دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے احباب واقارب چھوٹ جاتے ہیں تن پروری اور سستی وکسل کا استیصال ہوجاتا ہے سب سے بڑی یہ بات ہے کہ ہزارہا سال سے انسان کے لئے خدا تعالیٰ

کا ایک پاک معاہدہ چلا آتا ہے جس کا ایفاء بذریعہ ادائے حج ہو جاتا ہے۔ بس اس طرح سے اس میں ایفاء عہد کی بھی تعلیم ہے۔

کتاب النکاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقاصد نکاح

خدا تعالیٰ قرآن کریم کے پارہ ۲۱ میں فرماتے ہیں خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ ترجمہ یعنی خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے تم ہی سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان سے آرام پکڑو اور تم میں دوستی و نرمی رکھدی اور فرمایا نساؤکم حرث لکم یعنی تمہاری عورتیں (تمہاری اولاد پیدا ہونے کے لیے) بمنزلہ تمہاری کھیتی کے ہیں اور فرمایا حافظات للغیب یعنی تمہاری بیویاں تمہاری عدم موجودگی میں (تمہارے مال و عزت و دین کی) حفاظت کرنیوالی ہیں

(۱) بی بی آرام اور سکون کے لئے بنائی گئی ہے اور غمگسار اور ہزاروں افکار میں آرام کا موجب ہے انسان میں طبعی طور پر دوستی اور محبت کرنا فطری امر ہے اور دوستی اور محبت کے لئے بی بی عجیب و غریب چیز ہے۔ عورت نازک بدن اور ضعیف الخلقت ہے اور بچوں کو جننے اور گھر کا انتظام رکھنے میں ذمہ دار اور ایک عظیم الشان بازو ہے پس اسکے متعلق رحم سے کام لو۔ خدا تعالیٰ نے اس کو رحم کے لئے بنایا ہے اس کی غفلتوں اور فطری کمزوریوں پر چشم پوشی کرو۔

(۲) آدمیوں میں قدرتی طور پر شہوت کا مادہ ہے قدرت نے اس کا محل بی بی کو بنایا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عورت کھیتی ہے اور بیج بونے کے قابل ہے جس طرح

کھیت کا علاج معالجہ ضرور ہوا کرتا ہے اور اس میں ذاتی غرض ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح عورت میں بھی خاص خاص اغراض ہیں جن سے متمتع ہونا چاہیئے۔

(۳) عورت نفس کو موقع اور مال و اولاد کی حفاظت او[illegible]

(۴) نیز قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی [illegible] سے پرہیزگاری و حفاظت و صحت نسل کے پیدا ہوتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ۔ ترجمہ۔ یعنی جو لوگ نکاح کی طاقت نہ رکھیں وہ کو پرہیزگار رہنے کا اصل ذریعہ ہے تو ان کو چاہیئے کہ اور تدبیروں سے طلب [illegible] کریں۔

چنانچہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نکاح کرنے پر قادر نہ ہو اس کے لئے پرہیزگار رہنے کی یہ تدبیر ہے کہ وہ روزہ رکھا کرے اور فرمایا اے نوجوانوں کے گروہ جو کوئی تم میں سے نکاح کی قوت رکھتا ہو تو چاہیئے کہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھوں کو خوب نیچا کر دیتا ہے اور شرم کے اعضاء کو زنا وغیرہ سے بچاتا ہے ورنہ روزہ رکھو کہ وہ خصی کر دیتا ہے۔

تشریح اس کی یہ ہے کہ جو خواہش مرد کے دل میں عورت کی طرف یا عورت کے دل میں مرد کی طرف ہے وہ تقاضائے فطرت انسانی ہے اور اس خواہش کو نکاح کے ذریعہ سے پورا کرنا انسان کے دل میں سچی محبت اور پاکیزگی کے خیالات کو پیدا کرتا ہے اور اس کا ناجائز تعلقات سے پورا کرنا انسان کو ناپاکی کی طرف لے جاتا ہے اور اس کے دل میں بد خیالات پیدا کر دیتا ہے۔ پس نکاح کو پاکیزگی کی طرف لے جانے اور اسے ناپاکی سے دور رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ فطری خواہش جو مرد اور عورت کے دل میں ایک دوسرے

کے لیے موجود ہے اس کو گندی یا ناپاک خواہش کے نام سے منسوب کرنا سخت غلطی ہے کیونکہ اس خواہش کو فطرت انسان میں پیدا کرنے والا خود خداتعالیٰ ہے اور اسی نے اپنی مصلحت اور حکمت سے بعض اغراض کے لئے اس خواہش کو انسان کے نفس میں مرکوز فرمایا ہے ہاں اس خواہش کا استعمال صحیح نہ ہو تو فطری قیود سے نکل کر یہ بے شک انسان کو ناپاکی اور گندگی کی طرف لے جانے والی ہے۔

الغرض نکاح کا بڑا مقصد وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ کہہ کر فرمایا ہے کہ پرہیزگاری کی غرض سے نکاح کرو اور اولاد صالح طلب کرنے کے لئے دعا کرو جیسا کہ ارشاد ہے۔ محصنین غیر مسافحین۔ یعنی چاہیے کہ تقاضائے نفس کی اس غرض سے نکاح کرو کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے قلعہ میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ حیوانات کی طرح محض نطفہ نکالنا ہی تمھارا مطلب ہو اور فرمایا ابتغوا ما کتب اللہ لکم یعنی بیوی کی قربت سے اولاد کا قصد کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے مقدر فرمایا ہے۔ نیز نکاح کرنے سے انسان پابند ہو جاتا ہے مستعدی کے ساتھ کمانے کی فکر کرتا ہے اور برا کام کرنے سے ڈرتا ہے اور محبت، حیا، فرمانبرداری اس میں پائی جاتی ہے وہ نہایت کفایت کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اور بے شمار امراض سے بچا رہتا ہے۔

یہ امر مفید صحت، اطمینان بخش، راحت رساں، مسرور افزا، کفایت آمیز، ترقی زندگی دارین کا سبب ہے۔ اخلاقی مذہبی نگاہ سے اس امر پر غور کرو گے تو اس کو سراسر فائدوں سے معمور پاؤ گے۔ تمدن کے لیے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں حب الوطنی کی یہی جڑ ہے اور ملک و قوم کے لئے اعلیٰ ترین خدمات میں سے ہے۔ بیماریوں سے بچانے اور صدہا امراض سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ ایک حکمی نسخہ ہے۔ اگر یہ قانون الٰہی بنی آدم

میں قاعدہ نہ ہوتا تو آج دنیا سنسان ہوتی۔ نہ کوئی مکان نہ کوئی باغ نہ کسی قوم کا نشان باقی ہوتا

وجوہ تعدد ازدواج

(۱) منجملہ وجوہ تعدد ازدواج سب سے مقدم حفظ تقویٰ یعنی پرہیزگار رہنا اور بدی سے بچنا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی پیاری چیز ہے کہ اس کا خیال ہر انسان کو اور سب باتوں سے مقدم رکھنا چاہئے قدرت نے بعض آدمیوں کو بعض آدمیوں کی نسبت زیادہ قوی الشہوت بنایا ہے اور ایسے آدمیوں کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور اگر ان کو دوسرا یا تیسرا یا چوتھا نکاح کرنے سے روکا جائے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تقویٰ کو چھوڑ کر بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

زنا ایک ایسی بدکاری ہے جو انسان کے دل سے ہر ایک پاکیزگی اور طہارت کا خیال دور کر دیتی ہے اور اس میں ایک خطرناک زہر پیدا کر دیتی ہے اس لئے ان لوگوں کے لئے جو قوی الشہوت ہیں ضرور کوئی ایسا علاج ہونا چاہئے جس سے وہ زنا جیسی بدکاری میں پڑنے سے بچے رہیں۔ یا تو ایسا ہو [illegible] زیادہ قوی الشہوت آدمیوں [illegible] [illegible] کی حاجت پڑے گی [illegible]

(۲) عورت ہمیشہ اس قابل نہیں ہوتی کہ [illegible] ہو سکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر ایک عورت پر ہر ایک مہینے کچھ دن [illegible] ایام حیض [illegible] ان دنوں میں اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ دوسرے ایام حمل [illegible] ہوتے ہیں خصوصاً اس کے پچھلے مہینے جن میں شوہر کو اپنے بچے کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرد کی صحبت سے پرہیز کرے۔ اور یہ صورت کئی ماہ تک رہتی ہے پھر جب وضع حمل ہوتا ہے تو پھر بھی کچھ مدت تک عورت کو مرد کی صحبت سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔ اب ان تمام اوقات میں عورت کے لئے تو یہ قدرتی موانع واقع ہو جاتے ہیں مگر

خاوند کے لئے کوئی امر مانع نہیں ہوتا تو اب اگر کسی مرد کو غلبہ شہوت کا ان اوقات میں ہو
تو بجز تعدد ازدواج اس کا کیا علاج ہے۔ ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ کثرت سے
ایسے مرد ہیں جو ان وقتوں میں دوسری عورت کرنے کے بغیر بھی تقویٰ کو قائم رکھ سکتے
ہیں لیکن ساتھ ہی ہم یہ کہنے کو تیار ہیں اور کوئی عقلمند اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا
میں قوی الشہوت آدمی بھی موجود ہیں اور اس قوت کا زیادہ ہونا کسی صورت میں ان
کے لئے باعث الزام نہیں ہے۔ پس اگر ان یا اس قسم کے اور اوقات میں دوسری
عورت سے نکاح کی اجازت نہ دی جائے تو پھر اس خواہش کے تقاضا کرنے کے لئے
وہ ضرور ناجائز ذرائع استعمال کریں گے۔

(۳) گرم ممالک میں عورتیں آٹھ نو یا دس سال کی عمر میں شادی کے قابل ہو جاتی
ہیں اس لئے ان ممالک میں شادی کا زمانہ عمر کے لحاظ سے بچپن کا زمانہ ہوتا ہے۔ بیس سال کی
عمر میں وہ بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ اس لئے عقل اور خوبصورتی دونوں ایک وقت ان کے
اندر جمع نہیں ہوتیں جب خوبصورتی کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ عورت حکومت کرے اس وقت
عقل اور تجربہ کا نہ ہونا اس دعوے کا مانع ہوتا ہے اور جب عقل اور تجربہ حاصل ہوتا ہے
تو خوبصورتی نہیں رہتی۔ اس لئے عورتوں کو لازمی طور پر ایک محکومی کی حالت میں رہنا
پڑتا ہے کیونکہ عقل اور تجربہ بڑھاپے کے وقت وہ حکومت پیدا نہیں کر سکتی جو جوانی اور
خوبصورتی میں کر سکتی تھی۔ پس ہر حال میں عورت بزبان حال اپنے ناکافی ہونے کا اقرار
کرتی ہے کیونکہ مرد کو ان دو وصفوں کے جمع کرنے کی ضرورت قدرتی طور پر ہے اور کوئی
ایک عورت ان دونوں وصفوں کی جامع نہیں۔ اس لئے مرد اس ضرورت کو دو عورتوں
کے جمع کرنے سے پوری کرتا ہے جن میں سے ایک میں حسن ہو اور ایک میں تجربہ تاکہ دونوں

کے مجموعے سے اس طرح متمتع ہو ایک اس کے نفس کو خوش کرے، دوسری اس کی خدمت کرے اس لئے یہ ایک بالکل قدرتی امر ہے کہ ان ممالک میں تعدد ازدواج کا رواج ہو

(۴) ہر ملک میں عموماً مردوں کی نسبت عورتوں کے قویٰ بڑھاپے سے جلدی متاثر ہو جاتے ہیں۔ پچاس برس کی عمر میں مرد کے قویٰ بالکل محفوظ ہوتے ہیں جیسا کہ وہ اکثر حالات میں ہوتے ہیں اور عورت [illegible] ہو جاتی ہے اور [illegible] بعض حالات میں رک جاتے ایسا ہی ضروری ہوا کہ [illegible] عورت سے [illegible] ناضروری تھا ایسی جو قانون تعدد ازدواج سے روکتا ہے [illegible] کے قویٰ [illegible] بڑھاپے [illegible] محفوظ رہیں [illegible] تقاضے قدرت کے [illegible] پورا [illegible] ایسا قانون عام انسانوں کی حالتوں کے مطابق کیونکر ہو سکتا ہے۔

(۵) مذکورہ بالا ضروریات تو مردوں کی ہیں مگر خود عورتوں کو بعض وقت ایسی مجبوریاں آ پڑتی ہیں کہ اگر ان کے لئے یہ راستہ کھلا نہ ہو کہ وہ ایسے مردوں سے نکاح کر لیں جن کے گھروں میں پہلی عورتیں موجود ہیں تو اس کا نتیجہ بدکاری ہوگا۔ ایک یہی امر غور کرو کہ کس طرح ہر سال دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں لاکھوں مردوں کی جانیں لڑائیوں میں تلف ہو جاتی ہیں حالانکہ عورتیں بالکل محفوظ رہتی ہیں۔ ایسے واقعات یعنی جنگوں میں مردوں کی جانوں کا تلف ہونا ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور جب تک دنیا میں مختلف قومیں آباد ہیں ایسے واقعات ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور ہمیشہ اس سے مردوں کی تعداد میں کمی ہو کر عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو اسی امر سے اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ عورتوں کی تعداد کی یہ زیادتی کسی قوم میں ہمیشہ کبھی نہیں رہی تاہم اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک مدت تک مردوں کی اس کمی کا اثر ضرور

رہے گا۔ اب یہ عورتیں جو مردوں کی تعداد سے زیادہ ہوں گی ان کے لئے کیا سوچا گیا ہے۔ تعدد ازدواج کی ممانعت کی صورت میں ان کا کیا حال ہوگا کیا ان کو یہی جواب نہیں ملے گا کہ جس کے دل میں مرد کی طرف وہ خواہش پیدا ہو جو قدرت نے فطرت انسانی میں رکھی ہے وہ ناجائز طریقوں سے اسے پورا کرے۔ سوچ کر دیکھو اگر تعدد ازدواج کی راہ کو بند کرکے ان لاکھوں عورتوں کو جو اس طرح لڑائیوں کے سبب سے بیوہ ہو گئیں یا جن کے لئے نکاح کے ذرائع نہیں ملتے کیا یہی جواب سننا پڑے گا مخالفین تعداد پر افسوس ہے کہ ایک غلط اصول کی حمایت میں انسانی ضروریات پر ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہیں کرتے وہ نہیں سوچتے کہ تعدد ازدواج کے سوائے اور کوئی ایسی راہ نہیں جو ان ضروریات کو پورا کر سکے۔

(۹) گذشتہ مردم شماری میں بعض محاسبین نے صرف بنگال احاطہ کے مردوں و عورتوں کی تعداد پر نظر کی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج پر ایک بین دلیل ہے جس کو شک ہو وہ علیحدہ علیحدہ مردوں و عورتوں کی تعداد کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہند میں ملاحظہ کرے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ثابت ہوگی۔

اس کے ساتھ ہی ہم اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ یورپ میں جبکو سب ممالک سے بڑھ کر تعدد ازدواج کی ضرورت سے منزہ و مبرہ سمجھا جاتا ہے عورتوں کی تعداد مردوں سے کس قدر زیادہ ہے چنانچہ برطانیہ کلاں میں یورپ کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ اٹھتر ہزار تین سو چھپن (۱۲۷۸۳۵۶) عورتیں ایسی تھیں جن کے لئے ایک بیوی والے قاعدہ کی رو سے کوئی مرد مہیا نہیں ہو سکتا۔

فرانس میں سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ چھتیس ہزار اور آٹھ سو زیادہ تھی۔ جرمنی میں سنہ ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کے لئے ایک ہزار بتیس عورتیں موجود تھیں۔ گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں ایسی تھیں جن سے شادی کرنے والا کوئی مرد نہ تھا۔

سویڈن میں سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر عورتیں اور ہسپانیہ میں سنہ ۱۹۰۰ء میں چار لاکھ ستاون ہزار دو سو باسٹھ عورتیں تھیں۔

اور آسٹریا میں سنہ ۱۸۹۰ء میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زیادہ تھیں

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کر لینا تو آسان ہے کہ ہم تعدد ازدواج کو بُرا سمجھتے ہیں مگر یہ بتا دیا جائے کہ ان کم از کم چالیس لاکھ عورتوں کے لئے کونسا قانون تجویز کیا گیا ہے کیونکہ ایک بیوی کے قاعدے کی رو سے ان کو یورپ میں تو خاوند نہیں مل سکتے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسانوں کی ضروریات کے لئے تجویز کئے جاتے ہیں وہ انسانوں کی ضروریات کے مطابق بھی ہونے چاہئیں یا نہیں۔ وہ قانون جو تعدد ازدواج کی مخالفت کرتا ہے ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں اور ان کے دلوں میں مردوں کے لئے کبھی خواہش پیدا نہ ہو لیکن یہ تو ناممکن امر ہے جیسا کہ خود تجربہ ثابت کر رہا ہے پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جائز طریق سے رُکے جانے کے باعث وہ ناجائز طریق اختیار کریں گی۔ اس طرح یورپ میں زنا کی کثرت ہوگی اور یہ تعدد ازدواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور یہ امر کہ زنا اس ذریعہ سے زیادہ پھیلے گا خیالی ہی خیال نہیں بلکہ امر واقع ہے جیسا کہ ہزارہا ولد الحرام بچوں کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں۔

ع [illegible]

(۷) نکاح کے اغراض میں ایک یہ بھی ہے کہ مرد عورت ایک دوسرے کے لئے بطور رفیق کے ہوں پس اگر کوئی وجہ ایسی پیدا ہو جاوے کہ جس کے سبب سے عورت مرد کے لئے بطور رفیق کے نہ رہے یا اس سے اس کو وہ خوشی حاصل نہ ہو سکے جو ایسے رفیق سے ہونا چاہیے تو ان صورتوں میں بھی مرد کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہونا چاہیے مثلاً اگر عورت کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جائے جو اس کو ہمیشہ کے لئے یا بڑے بڑے وقفوں کے لئے ناقابل کر دے یعنی اس امر کے قابل نہ رہنے دے کہ خاوند اس سے تعلقات زناشوئی رکھ سکے تو کوئی وجہ نہیں کہ کیوں نکاح کی اصل غرض کو مرد دوسرے نکاح کے ذریعہ سے پورا نہ کرے جیسا کہ انسانی زندگی کے حالات کا دائرہ وسیع ہے ویسا ہی ان ضروریات کا دائرہ بھی وسیع ہے جو بعض وقت مرد کو دوسرا نکاح کرنے کے لئے مجبور کر دیتی ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ ایسی ضروریات اکثر پیدا نہیں ہوتیں مگر جب واقعی وہ ضرورتیں پیدا ہو جائیں اور یہ ضروری ہے کہ ہر انسان کے طبقہ میں وہ کم و بیش پیدا ہوتی رہیں تو سوائے تعدد ازواج کے اور کوئی ذریعہ ان کے پورا ہونے کا نہیں پس اس علاج کو روکنا بیماریوں کو بڑھانا ہے اسی طرح تعدد ازواج اکثر حالات میں طلاقوں کی کمی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

(۸) قدرت نے عورت کو وہ سامان دیئے ہیں جو مرد کے لئے باعث کشش ہیں اور مرد و عورت کے تعلق میں ان فریفتگی اور کشش کے موجبات کی موجودگی ایک نہایت ضروری امر ہے اور صرف اسی صورت میں نکاح بابرکت ہو سکتا ہے کہ ایسے سامان کشش عورت میں موجود ہوں اور اگر عورت میں ایسے سامان موجود نہ ہوں یا کسی طرح سے جاتے رہیں تو مرد کا عورت سے وہ تعلق نہیں ہو سکتا پس ایسی صورت

میں اگر خاوند کو دوسری شادی کی اجازت نہ دی جائے تو یا تو وہ کوشش کرے گا کہ کسی
طرح اس عورت سے نجات حاصل کرے اور یا اگر ممکن نہ ہو تو بدکاری میں مبتلا ہوگا اور
ناجائز تعلق پیدا کرے گا۔ کیونکہ جب عورت کی ناقابلیت سے اسے وہ خوشی حاصل نہ ہوگی
جس کا حصول فطرت انسانی چاہتی ہے تو لامحالہ اس خوشی کے حصول کے لئے وہ کوئی دوسرا ذریعہ
تلاش کرے گا۔ ان صورتوں کے لئے تعدد ازدواج ہی ایک علاج ہے اور اسی کے ذریعہ سے
ایک گھرانا خوشحال ہو سکتا ہے۔

(۹) تعدد ازدواج کے روکنے سے بعض اوقات نکاح کی اصلی غرض یعنی بقاء نسل
انسانی حاصل نہیں ہو سکتی مثلاً اگر عورت بانجھ ہو اور اس کو اولاد نہ ہو سکتی ہو تو تعدد
ازدواج کی ممانعت کی صورت میں قطع نسل لازم آئے گا۔ یہ بیماری اکثر عورتوں میں پائی
جاتی ہے اور سوائے تعدد ازدواج اور کوئی راہ نہیں جس سے نسل جاری ہو سکے۔ ایسی
صورت میں عورت کو طلاق دینے کی کوئی وجہ نہیں اور ممکن ہے کہ عورت و مرد
میں اتنی محبت بھی ہو کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہونا پسند نہ کریں اس لئے بقاء نسل کا
ذریعہ صرف یہی ہے کہ ایسی صورتوں میں مرد کو نکاح ثانی کی اجازت دی جائے۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت وجوہ ہیں جو تعدد ازدواج کی ضرورت کو ثابت کرتے ہیں
اور ان سب کو تفصیل سے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

اصل سبب تعدد ازدواج کا بدکاریوں سے بچنا ہے۔ جو لوگ جنوں میں تعدد ازدواج کے
مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشات اور افعال کا مطالعہ فرمادیں جس قوم نے زبان سے
پاک تعدد ازدواج کا انکار کیا ہے وہ عملی طور پر ناپاک تعدد ازدواج یعنی زناکاری میں
گرفتار ہو چکے ہیں ان کی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے ایک عورت پر

قناعت نہ کرکے ثابت کر دیا ہے کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو ضرور ہے۔ خدا تعالیٰ کے قانون کا یہ مقتضا ہونا چاہیئے کہ وہ انسان کی وسیع خواہشوں اور اندرونی میلانوں پر مطلع اور حاوی ہو کر ایسی ترتیب اور طرز پر واقع ہو کہ مختلف جذبات والی طبائع کو بھی تقویٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھے۔

مرد کیلئے چار عورتوں تک محدود ہونے [illegible] خدا

مرد کیلئے تعدد ازواج چار تک محدود ہونے کی وجہ

تعالیٰ کی کمال حکمت و اتمام نعمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ مرد کو قوتیں اور طاقتیں بہ نسبت عورت کے زیادہ عطا کی گئی ہیں۔ اس لئے کئی عورتوں سے ایک زمانہ میں نکاح کر سکتا ہے۔ تعدد ازواج کی مصلحت نکاح کی علت غائی سے معلوم ہو سکتی ہے سو نکاح کی علت غائی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ سب سے اول دائم تقویٰ و عفت و توالد ہے اور چونکہ تمام بنی آدم کی قوت یکساں نہیں ہوتی اس لئے خدا نے ان کی طاقتوں و قوتوں کے مناسب ان کے لئے اسباب فراہم کئے ہیں سو جن اشخاص کو ہیجان و توقان شہوت زیادہ ہو ان کی حفاظت عفت کے لئے بدل میں چار عورتیں نوبت بنوبت ان کے پاس ہونا چاہئیں اور ایسے آدمیوں کے لئے یہ عدد عین قانون قدرت کے مطابق ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایسا آدمی جب کسی ایک عورت کو نکاح میں لائے گا تو کم از کم یہ عورت اس کے لئے تین ماہ تک کافی ہے۔ کیونکہ حمل کی شناخت کم از کم تین ماہ تک مقرر ہے۔ پس اگر اس میعاد میں اس عورت کو حمل ٹھہر جائے تو ایسے ہیجان و جوش شہوت والا آدمی اگر اس عورت سے صحبت کرے گا تو تین

ے غلبۂ شہوت ہو

پر بُرا اثر پڑے گا اور حمل گر جانے کا اندیشہ ہے لہٰذا اس عورت کو آرام دیوے اور اس عورت سے صحبت ترک کرکے دوسری عورت نکاح میں لائے گا اگر دوسری عورت کو بھی تین ماہ تک قرار حمل ہو جاوے تو اس سے بھی صحبت ترک کرنی پڑے گی کیونکہ اس سے اسقاطِ حمل کا اندیشہ ہے اور والدین کے شہوانی جوش جنین پر بُرا اثر ڈالتے ہیں۔ یہ چھ ماہ ہوئے۔ اب تیسری عورت سے نکاح کرے گا۔ اگر تیسری عورت کو بھی حمل ہو گیا تو اب اس سے بھی اس کو صحبت ترک کرنی پڑے گی یہ نو ماہ ہوئے۔ اب پہلی عورت کا وضع حمل ہو جائے گا مگر وہ غالباً تین ماہ تک قابلِ صحبت نہیں ہو سکتی لہٰذا اس کو چوتھی عورت نکاح میں لانی پڑے گی۔ اب چوتھی عورت کے حمل کی شناخت بھی تین ماہ تک مقرر ہے۔ یہ ایک سال ہوا اور اس اثناء میں پہلی عورت جسکو وضع حمل سے تین ماہ گذر چکے ہیں تعلقات زنان وشوی کے لئے تیار ہو جائے گی اسی طرح وضع حمل کے بعد ہر ایک نوبت بنوبت اس کے لئے مہیا ہو گی:

پس یہ تعداد ہر ایک قوی الشہوت انسان کے لئے کافی اور عین قانون قدرت وفطرت کے مطابق ہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ نے جو قرآن کریم میں دو دو تین تین چار چار تک فرمایا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ بعض آدمیوں کے لئے ہر سال میں دو ہی عورتیں کافی ہو سکتی ہیں کیونکہ بعض عورات کے اولاد نہیں ہوتی یا دیر سے حمل ٹھیرتا ہے۔ اور بعض کے لئے سال میں تین ہی کافی ہو سکتی ہیں اور بعض کو چار کی ضرورت پڑتی ہے۔

حاملہ کے ساتھ منع صحبت کی وجہ ایک تو اندیشہ اسقاطِ حمل ہے۔ دوسرے اس حمل سے جو اولاد ہو گی اس کے اخلاق واطوار میں والدین کے شہوانی جوش مرکوز ہو کر بد اخلاقی

پیدا کریں گے۔ کیونکہ جوشِ شہوت کا اثر جنین پر بالضرور پڑتا ہے اور وہ طبع میں فطری ہو جاتا ہے۔ اور گو طبی قاعدہ کی رُو سے اس بات پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ دودھ پلانے والی سے صحبت کرنی بچّہ کے لئے مضر ہے۔ لیکن اطبا نے اس امر کی اصلاح بعض ادویہ کے ساتھ بتائی ہے۔ لہذا یہ امر قادح نہ رہا۔

اب رہی یہ بات کہ چار سے زیادہ کیوں نہ جائز ہوا تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضرور تھا کہ ایک خاص حد بیویاں کرنے کی ہوتی ورنہ اگر حد مقرر نہ ہوتی تو لوگ حدِ اعتدال سے نکلکر صدہا تک بیویاں کرنے کی نوبت پہنچاتے اور ایسا کرنے سے ان بیویوں پر اور خود اپنی جانوں پر ظلم اور بے اعتدالیاں کرتے اور ضرورت چار سے رفع ہو گئی تھی اس لئے زائد کو ناجائز قرار دیا۔

خلاصہ وجوہ تعدد ازدواج

(۱) تقویٰ (۲) حفظ القویٰ (۳) موافقت نہیں اور طلاق کا بھی موقع نہیں (۴) عقم[ف] (۵) کثرت تولد بنات بعض بلاد اور خاندانوں میں (۶) پولیٹکل مصالح اور سیاسی ضروریات عورت غالبًا پچاس برس کے بعد قابل نسل نہیں رہتی۔ بخلاف مردوں کے کہ وہ نوے برس تک ہمارے ملک میں اس قابل ہیں (۸) مشاہدہ کثرتِ زنا جن بلاد میں تعدد ازدواج جائز نہیں بلاد میں بضرورت صحبت کسی اَور سے مندرجہ بالا اسباب ہیں جو تعدد ازدواج کی ضرورت کو بیان کرتے ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بہ نسبت اپنی اُمت کے زیادہ بیویاں کرنے کی وجہ

(۱) جیسا کہ آپ بنی آدم کے مردوں کے لئے رسول تھے ایسا ہی عورتوں کے بھی رسول تھے لہذا ضروری تھا کہ کچھ عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائمی صحبت میں رہ کر آنحضرت

ف یعنی عورت کا بانجھ ہونا ۱۲ ✦

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلیم پاکر دوسری عورتوں کو تعلیم و تبلیغ اسلام کریں سو اسی غرض کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے بہ نسبت اپنی امت کے زیادہ بیویاں کی ہیں۔

(۲) آپ کی جسمانی و روحانی قوت بہ نسبت اوروں کے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ آپ صوم وصال یعنی روزہ پر روزہ رکھ لیا کرتے تھے مگر امت کو اس سے منع فرمایا۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں تو فرمایا تم میں مجھ سا کون ہے یا آیکم مثلی انی ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی۔ ترجمہ یعنی میں اپنے پروردگار کے پاس شب باش ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے نکاحوں کے متعلق بڑی غلط فہمی پھیلائی گئی وغیرہ ہے کیونکہ آپ کے نکاحوں کی اصلی غرض یا تو محض ہمدردی و ترحم تھا یا مختلف قوموں کو ایک کرنا اور ان کے علاوہ بھی متعدد ملکی مصالح اور دینی اغراض تھیں مگر بعض مخالفین ان کی بنا نفسانی خواہشیں بتاتے ہیں (نعوذ باللہ)

تاریخ شاہد ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ۲۵ برس کی عمر میں نکاح کیا تو آپ عفت اور پرہیزگاری میں تمام عرب میں مشہور تھے۔ پھر اس کے بعد ۲۵ سال تک یعنی جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ رہیں آپ نے دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا۔ حالانکہ عرب میں تعدد ازدواج کی رسم بلا قید کسی شرط کے مروج تھی پس ان لوگوں کا جو کہ ناحق نیک افعال میں بداغراض تلاش کرتے ہیں یہ فرض ہے کہ وہ اسکا سبب بھی تلاش کریں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ۵۵ سال کی عمر تک جب آپ بوڑھے ہو چکے تھے ایک سے زیادہ بیوی سے نکاح نہیں کیا اگر نفسانی خواہشیں کسی وقت ایک شخص کے دل پر غلبہ پا سکتی ہیں تو وہ جوانی کا وقت ہوتا ہے جبکہ جذبات جوانی

جوش میں ہوتے ہیں۔ مگر اس جوانی کے وقت آپ نے ایک بی بی پر ایسا اکتفا کیا کہ جو وقت قریش نے جمع ہو کر آپ کو یہ کہا کہ آپ بت پرستی کو برا کہنا چھوڑ دیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور خوبصورت سے خوبصورت عورتیں آپ سے نکاح کرنے کے لئے حاضر کرتے ہیں تو آپ نے کچھ بھی پرواہ نہ کی۔

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ نفسانی خواہشوں کے غلبہ کا وقت جوانی کا وقت ہے اور چونکہ آپ کے اس زمانہ کی نسبت آپ کے سخت ترین دشمنوں کو بھی اقرار ہے کہ آپ اس وقت طہارت پاکیزگی عفت کا نمونہ تھے اس لئے یہ الزام کہ نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے آپ نے شادیاں کیں آپ کی ذات عصمت مآب پر سخت بہتان ہے۔

دوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائی زمانہ اور آخری زمانہ میں بڑا بھاری تغیر واقع ہو چکا تھا ابتدائی سالوں میں جب مکہ میں آپ نے تبلیغ شروع کی تو اگرچہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ اور تکلیفیں پہنچتی تھیں مگر رشتہ داری کے تعلق منقطع نہیں ہو چکے تھے خصوصاً ایسے لوگ جو ذی عزت و وجاہت تھے وہ نسبتاً کفار کے حملوں سے محفوظ تھے اور ان سے تعلقات بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک لڑکی ایک کافر سے بیاہی ہوئی تھی اور حضرت ابوبکر کی لڑکی عائشہ رضی کی منگنی بھی ایک کافر کے لڑکے جبیر بن مطعم سے ہوئی تھی۔ مگر مطعم نے بدیں وجہ انکار کر دیا کہ اس تعلق سے خوف ہے کہ لڑکا نئے دین میں چلا جائے گا۔ اس کے بعد ہی حضرت عائشہ رضی کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا۔ اگرچہ ابتدا میں ایسے تعلقات تھے مگر آہستہ آہستہ یہ تعلقات بالکل منقطع ہو چکے تھے اور کسی مسلمان عورت کا کفار کے ہاتھ پڑ جانا اس کیلئے ہلاکت کا موجب تھا۔ پھر آپ کی ہجرت سے سہے سہے تعلقات بھی کٹ گئے پس مسلمان لڑکیوں

یا بیوہ عورتوں کے لئے ضروری تھا کہ مسلمان ہی خاوند ہوں۔

ان واقعات کو مدنظر رکھکر ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاحوں کو دیکھنا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں کہ سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آپ کی ساری بیویاں بیوہ عورتیں تھیں۔ ان کو ہم الگ الگ جماعتوں پر تقسیم کرتے ہیں۔

اول وہ عورتیں جنھوں نے اپنے خاوندوں کے ساتھ حبش یا مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور دوسری وہ عورتیں جو کسی قوم کے سردار کی لڑکیاں یا بیوہ تھیں اور جن کے خاوند لڑائیوں میں مارے گئے۔ ان کا ذکر ہم اسی ترتیب سے کرتے ہیں جس ترتیب سے اُن کے نکاح ہوئے۔ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد سب سے پہلے آپ نے ام المومنین سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔ سودہ اور اس کا خاوند ابتدا ہی میں ہجرت کرکے حبش کو چلے گئے تھے اور اس جگہ وہ بیوہ ہوگئیں۔ واپس آنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے نکاح کیا۔

اس کے بعد ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑکی تھیں۔ انھوں نے بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کی۔ جب آپ بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمرؓ نے پہلے عثمانؓ کو اور پھر حضرت ابوبکرؓ کو آپ سے نکاح کرنے کے لئے کہا۔ مگر ان دونوں نے انکار کیا۔ اس کے بعد آپ کا نکاح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا۔ حضرت عمرؓ کا خود حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو کہنا بتاتا ہے کہ مسلمانوں کو کس قدر مشکلات تھیں۔

اس کے بعد ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں وہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ اس پہلے گروہ میں شامل تھیں جو سب سے اول کفار کے ظلم سے تنگ آکر حبش کو

ہجرت کو گیا۔ ام سلمہ کے خاوند کی موت کا موجب ایک زخم ہوا جو ان کو ایک لڑائی میں لگا تھا۔

ام سلمہ کے بعد ام حبیبہ رضی سے آپ کا نکاح کیا یہ قریش کے مشہور سردار ابو سفیان کی لڑکی تھیں۔ آپ مع اپنے خاوند کے اس دوسرے گروہ میں شامل تھیں جو ہجرت کر کے حبش کو چلا گیا تھا۔ وہاں ان کا خاوند عیسائی ہو گیا اور تھوڑے روز بعد مر گیا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

اس کے بعد آپ کا نکاح ام المومنین زینب بنت جحش سے ہوا ان کو زید بن حارثہ نے بوجہ نا اتفاقی طلاق دیدی تھی اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

اس کے بعد ام المومنین زینب بنت خزیمہ سے نکاح ہوا جو ام المساکین کے نام سے مشہور تھیں آپ کا خاوند احد کی جنگ میں شہید ہو گیا تھا۔ آپ خود بھی نکاح سے دو تین ماہ بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو فوت ہو گئیں۔

ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی مہاجرات میں سے تھیں اور بیوہ ہونیکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

آپ اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جس قدر عورتیں آپ کی ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں وہ سب کی سب ایسی تھیں جو ابتدا ہی میں مسلمان ہوئی تھیں اور آخر کفار کے ہاتھ سے طرح طرح کے دکھ اٹھا کر جلاوطنی اختیار کر کے دوسرے ملکوں میں انھوں نے پناہ لی اور وہ سب کی سب قریش کے شریف خاندانوں سے تھیں۔ ایک طرف تو وہ اپنے گھر بار کو چھوڑ چکی تھیں۔ اور اپنی جائداد اور آسائش کو قربان کر کے صرف دین کی خاطر جلاوطنی قبول کی تھی۔ اب دوسری مصیبت یہ آپڑی کہ ان کے خاوند جو محنت و مشقت کر کے ان کو کھلاتے تھے وہ بھی مر گئے یا جنگوں میں شہید ہو گئے اس بیکسی کی

حالت میں ان کی تکالیف کا اندازہ کون کرسکتا ہے کیا جائز تھا کہ ان عورتوں کو کفار
کی طرف واپس بھیج دیا جاتا تاکہ وہ طرح طرح کے دکھ دیکر ان کو مار ڈالتے یا کیا درست تھا
کہ ان کو بغیر خبرگیری کے چھوڑ دیا جاتا تاکہ وہ خستہ حال ہو کر تباہ ہو جائیں۔ نہیں نہیں
اسلام نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کو جنہوں نے مذہب اور دین کی خاطر طرح طرح کے
دکھ اٹھائے تھے یوں ذلت اور کس مپرسی کی حالت میں تباہ ہونے کے لئے چھوڑ دیا جاتا
یا خود اپنے ہاتھوں سے دشمنوں کے سپرد کیا جاتا۔ بلکہ نہایت ضروری تھا کہ جو ظلم ہوا ہے ان پر رحم کریں۔ اس
بیکسی کی حالت پر رحم کھا کر ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو اپنی
ازواج مطہرات ہونے کا شرف بخشا تاکہ ان کی عزت کو جنہوں نے گھر بار چھوڑ کر دین
کی خاطر چھوڑا تھا اس سے بھی دوچند عزت ان کو اس دنیا میں دی جاوے۔

ام المومنین جویریہ اور ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہما ان عورتوں میں سے تھیں
جو قوم کے سرداروں کی لڑکیاں تھیں اور جنگوں میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ
میں آئیں۔ ان میں سے سابق الذکر ایک کافر کی بیوی تھیں جو لڑائی میں مارا گیا۔

مال غنیمت میں وہ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں ثابت نے بہت سا روپیہ
رہا کرنے کے معاوضہ میں ان سے مانگا جسے وہ دے نہ سکتی تھیں۔ چنانچہ آپ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور سارا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
روبرو بیان کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ میں اپنے قوم کے سردار کی لڑکی ہوں۔ پس
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اپنی قوم میں واپس جائے تاکہ
کوئی اور فساد نہ ہو اور خود روپیہ دیکر آپ نے ان سے نکاح کر لیا کیونکہ عربوں کی غیرت
یہ برداشت نہ کرسکتی تھی کہ ایک رئیس کی لڑکی ہو کر کسی کم درجہ کے آدمی کے نکاح میں جاوے

ام المومنین صفیہ خیبر کی لڑائی میں ہاتھ آئی تھیں۔ پہلے وحیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ قیدی عورتوں میں سے ایک مجھے دی جائے جس پر آپ نے اس کو کہا جسے چاہے لے لو۔ انھوں نے صفیہ کو چُنا مگر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ ایک سردار کی لڑکی ہے اور مناسب نہیں کہ آپ کے سوا وہ کسی دوسرے کے قبضہ میں آئے یا نکاح کرے اس پر آپ نے اس سے نکاح کیا۔

ان آخری دونوں نکاحوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ ایک تعلق سے وہ کل کی کل قوم فساد سے رک جاوے اور اسی طرح پر وہ قومیں جن کی عمریں جنگوں میں گذرتی ہیں ایک ہو جائیں۔ یہ امر کہ اس ذریعہ سے آپ نے پوری پوری کامیابی حاصل کی ایسا بدیہی اور صاف ہے کہ جس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

نکاح میں تعیین مہر کا راز

(۱) نکاح میں یہ بات متعین ہوئی کہ مہر مقرر کیا جائے تاکہ خاوند کو اس نظم و تعلق کو توڑنے میں مال کے نقصان کا خطر لگا رہے اور بلا ایسی ضرورت کے جس کے بغیر اس کو چارہ نہ ہو اس پر جرأت نہ کر سکے۔ پس مہر کے مقرر کرنے میں ایک قسم کی پائداری ہے

(۲) نکاح کی عظمت بغیر مال کے جو کہ شرمگاہ کا بدلہ ہوتا ہے ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ لوگوں کو جس قدر مال کی حرص ہے اور کسی چیز کی نہیں ہے لہذا اسی کے صرف کرنے سے ایک چیز کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہو سکتا ہے اور اس کے مہتم بالشان ہونے سے اولیا کی آنکھیں اس شخص کو اپنے لخت جگر کے مالک ہوتے ہوئے دیکھنے سے ٹھنڈی ہو سکتی ہیں۔

(۳) مہر کے سبب سے نکاح و زنا میں امتیاز ہو جاتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین۔ ترجمہ۔ بذریعہ اپنے مالوں کے تم اپنی عفت کی حفاظت کرنے والے بنو اور صرف مستی نکالنے والے نہ بنو۔

یہی وجہ ہے کہ رسوم سلف میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وجوب مہر کو بدستور باقی رکھا۔

تعیین ولیمہ کی وجہ ولیمہ یعنی نکاح کے بعد جو عام لوگوں کو روٹی کھلائی جاتی ہے اس کے تقرر میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔

(۱) اس سے نکاح کی اور اس بات کی اشاعت اور شہرت ہوتی ہے کہ بیوی سے دخول کرنا چاہتا ہے۔ یہ اشاعت ضروری ہے تاکہ نسب میں کسی کو وہم کرنے کی بھی گنجائش نہ ہو اور نکاح و زنا میں تمیز بادی الرائے میں معلوم ہو جاوے اور لوگوں کے سامنے اس عورت کے ساتھ جائز تعلق متحقق ہو جاوے

(۲) اس سے بیوی اور اس کے کنبے کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے لئے مال کا خرچ کرنا اور لوگوں کا اس کے لئے جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی وقعت اور عزت ہے۔ اور میاں بیوی کے مابین اس قسم کے امور الفت قائم کرتے ہیں خاصکر ان کے اول اجتماع میں ضروری ہوتے ہیں

(۳) ایک جدید نعمت کا حاصل ہونا اظہار شکر و سرور و خوشی کا سبب ہے اور مال کے خرچ کرنے پر آدمی کو آمادہ کرتا ہے اور اس خواہش کی پیروی کرنے سے سخاوت کی عادت و خصلت پیدا ہوتی ہے اور بخل کی عادت جاتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے فوائد ہیں۔ سو چونکہ سیاست مدینہ و منزلیہ و تہذیب نفس و احسان

کے متعلق کافی فوائد اور مصالح ولیمہ میں موضوع ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف رغبت اور حرص دلائی اور خود بھی اس کو عمل میں لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولیمہ کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی مگر اوسط درجہ کی حد بکری ہے اور آپ نے حضرت صفیہ رض کے ولیمہ میں لوگوں کو علیدہ کھلایا تھا اور آپ نے بعض اپنی بیویوں کا ولیمہ دو مد جو سے بھی کیا ہے اور فرمایا اذا دعی احدکم الی الولیمۃ فلیاتہا۔ ترجمہ۔ یعنی جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی مسنون دعوت میں بلایا جاوے تو چلا آوے۔

نکاح میں تقرر گواہ و اعلان کی وجہ

سب انبیاء و ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ نکاح کو شہرت دی جائے تاکہ حاضرین کے سامنے اس میں اور زنا میں تمیز ہو جاوے لہٰذا گواہ بھی مقرر ہوئے اور مزید شہرت کے لئے مناسب ہے کہ ولیمہ کیا جائے اور لوگوں کو اس میں دعوت دی جاوے اس کا اظہار کیا جاوے کہ دوسرے لوگوں کو بھی خبر ہو جاوے اور بعد میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔

تعیین عقیقہ اور بچہ کا سر منڈانے کی وجہ

اہل عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے عقیقہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں یا جن کا رجوع مصلحت ملیہ اور مدنیہ اور نفسیہ کی طرف تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا خود بھی اس پر عمل کیا اور اوروں کو بھی اسکی ترغیب دی۔

(۱) منجملہ ان مصلحتوں کے ایک یہ ہے کہ عقیقہ میں اولاد کے نسب کی اشاعت ہوتی ہے

(۲) ازانجملہ سخاوت کے معنی اس میں پائے جاتے ہیں۔

(۳) ازانجملہ ایک یہ ہے کہ نصاریٰ میں جب کسی کے بچہ پیدا ہوتا تھا تو زرد

پانی سے رنگا کرتے تھے اور اس کو معمودیہ کہتے تھے یعنی تعمید اور ان کا قول تھا کہ اس کے
سبب سے وہ بچہ نصرانی ہو جاتا ہے اسی کی مشاکلت کے طور پر اللہ پاک نے فرمایا ہے
صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔ پس مناسب معلوم ہوا کہ ملت حنیفیہ
یعنی دین محمدی کے لیے بھی ان کے اس فعل کے مقابلہ میں کوئی ایسا فعل پایا جاوے جس فعل سے
اس امر پر تنبیہ ہو کہ یہ ملت ابراہیمی و اسمعیلی کا تابع ہو گیا اور معلوم ہے کہ جس قدر افعال
حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما الصلوۃ والسلام کے ساتھ مخصوص تھے اور ان کی اولاد میں
چلے آتے تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنے
بیٹے حضرت اسمعیل علیہ الصلوۃ والسلام کے ذبح کرنے پر آمادہ ہونا اور پھر خدا تعالیٰ کا اس کے
فدیہ میں ذبح عظیم کے ساتھ انعام کرنا ہے اور ان دونوں کے شرائع میں سے زیادہ مشہور
حج ہے جس کے اندر سر منڈانا اور ذبح کرنا ہوتا ہے پس ان باتوں میں ان کے ساتھ
مشابہت پیدا کرنا ملت حنیفی پر آگاہ کرنا اور اس بات سے اطلاع دینا ہوتا ہے کہ
اس فرزند کے ساتھ اس ملت کا برتاؤ کیا گیا۔

ساتویں روز تعیین عقیقہ اور نام رکھنے کا سبب

عقیقہ کے لیے ساتویں روز کی تخصیص اس لیے ہے کہ ولادت
و عقیقہ میں کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے کیونکہ سب کنبہ اس زچہ و بچہ کی خبر گیری میں
اول مصروف رہتے ہیں۔ پس ایسے وقت میں یہ مناسب نہیں ہے کہ ان کو عقیقہ کا
حکم دیکر ان کا شغل اور زیادہ کیا جائے۔ اور نیز بہت سے لوگوں کو اسی وقت بکرے
دستیاب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ تلاش کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ اگر پہلے ہی روز عقیقہ
مسنون کیا جائے تو لوگوں کو دقت ہو۔ لہذا سات روز کا فاصلہ ایک کافی اور معتد بہ

مدت ہے اور ساتویں روز نام رکھنے کی یہ وجہ ہے کہ اس سے پہلے لڑکے کا نام رکھنے کی کیا حاجت ہے۔ بلکہ نام رکھنے میں بھی مہلت چاہیے تاکہ خوب غور و تدبر کر کے اچھا نام رکھا جاوے۔ ایسا نہ ہو کہ عجلت کے سبب کوئی خراب نام مقرر کر دیں۔

بچے کے سر کے بالوں کے برابر چاندی تصدق کرنے کا راز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی کو حضرت حسن رضی کے متعلق فرمایا کہ اے فاطمہ رضی اس کے سر کے بالوں کو منڈوا دو اور ہموزن اس کے بالوں کے چاندی خیرات کر دو چاندی کے خیرات کرنے میں یہ سبب ہے کہ بچہ کا حالت جنینیت سے منتقل ہو کر طفلیت کی طرف آنا خدا تعالیٰ کی نعمت ہے تو اس پر شکر واجب ہے اور بہترین شکر یہ ہے کہ اس کے بدلہ میں کچھ دیا جاوے اور جنین کے بال جنینہ کے نشان کا بقیہ تھے ان کا دور ہونا طفلیت کے نشان کے مستقل ہونے کی نشانی ہے اس لیے واجب ہوا کہ ان کے بدلے میں چاندی جاوے اور چاندی کی خصوصیت یہ ہے کہ سونا گراں ہے بجز امرا کے اور کسی کو دستیاب نہیں ہوتا اور چیزیں کم قیمت بہت ہیں چاندی اوسط ہے۔

لڑکے کا عقیقہ دو بکرے سے اور لڑکی کا عقیقہ ایک سے ہونے کی وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

عن الغلام شاتان وعن الجاریۃ شاۃ۔

ترجمہ یعنی لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری عقیقہ میں دینی چاہیئے ان کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک بہ نسبت لڑکیوں کے لڑکوں کا نفع زیادہ تر ہے لہذا دو کا ذبح کرنا زیادتی اور اس کی عظمت کے مناسب ہے حضرت ابن قیم اس کے بارہ میں لکھتے ہیں۔ ھاصر التفضیل فیہا تابع لشرف الذکر وما

مبیزہ اللہ تعالیٰ بہ علی الانثی ولما کانت النعمۃ بہ علی لوئد اتم والسرور والفرحۃ بہ اکمل کان الشکر علیہ اکثر فانہ کلما کثرت النعمۃ کان شکرھا اکثر۔ ترجمہ۔ یعنی لڑکے کے لئے دو سے اور لڑکی کے لئے ایک بکری سے عقیقہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لڑکے کو لڑکی پر فضیلت ہے اور جب لڑکے کے وجود سے والدین پر تمام وکمال نعمت اور سرور وخوشی زیادہ ہوتی ہے تو اس پر مزید شکر واجب ہے کیونکہ جب زیادہ نعمت ملی تو زیادہ شکر کرنا لازم آتا ہے۔

عورت کے نکاح میں اجازت ولی کی حکمت

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لا نکاح الا بولی ترجمہ۔ یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح میں عورتوں کو حکم کرنا روا نہیں ہے کیونکہ وہ ناقصات العقل ہوتی ہیں اور ان کے فکر ناقص ہوتے ہیں اس لئے بسا اوقات مصلحت کی طرف ان کو راہبری نہ ہو سکے گی۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ غالباً وہ حسب کی حفاظت نہ کریں گی اور بسا اوقات ان کو غیر کفو کی طرف رغبت پیدا ہو سکتی ہے اور اس میں قوم کی عار ہے پس ضروری ہوا کہ ولی کو اس باب میں کچھ دخل دیا جاوے تاکہ یہ مفسدہ بند ہو۔

(۳) لوگوں کا عام طریق یہ ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوتے ہیں اور تمام بندوبست انہی کے متعلق ہوتا ہے اور سارے خرچ مردوں ہی کے متعلق ہوا کرتے ہیں اور عورتیں ان کی مقید ہوتی ہیں چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض۔ ترجمہ۔ یعنی مرد عورتوں پر قوام ہیں اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

(۴) نکاح کے اندر ولی کی شرط مقرر ہونے میں اولیار کی عزت و حرمت ہے اور عورتوں کو اپنا نکاح خود بخود کرنے میں بے عزتی ہے جس کا مدار بے حیائی پر ہے اور اس میں اولیار کی مخالفت اور ان کی بے قدری ہے۔

(۵) یہ بات واجبات سے ہے کہ نکاح کو زنا کے ساتھ شہرت سے امتیاز ہو اور شہرت کی بہتر صورت یہ ہے کہ عورت کے اولیار نکاح میں موجود ہوں البتہ کسی صورت میں ولی کا ہونا مستحب اور کسی صورت میں شرط ہے۔ تفصیل کے لئے فقہ کا فن ہے۔

مرد پر بعض اہل قرابت عورتوں کے حرام ہونے کی وجہ

(۱) سلامت مزاج کا یہ اقتضار ہے کہ آدمی کو اس عورت کی جانب رغبت نہ ہو جس سے وہ خود پیدا ہوا ہے یا اس سے وہ عورت پیدا ہوئی ہے یا وہ دونوں ایسے ہیں جیسے ایک باغ کی دو شاخیں یعنی بھائی بہن۔

(۲) جب اقارب خود ایسی قرابت والی عورات سے نکاح کر لیا کرتے تو کوئی شخص عورتوں کی طرف سے ان اقارب سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرنے والا نہ ہوتا باوجودیکہ عورتوں کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی شخص ان کی طرف سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرنے والا ہو اور ایسا ارتباط جس میں یہ دونوں وصف پائے جاویں یعنی رغبت نہ ہونا اور کسی کا اس سے مطالبہ نہ کرسکنا طبعی طور پر مرد اور اس کے ماں، بہن، بیٹی، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی میں واقع ہوا ہے۔ پس یہ سب حرام ہوئیں۔

(۳) اسی طرح رضاعت بھی موجب حرمت ہے کیونکہ دودھ پلانے والی عورت مثل ماں کے ہوجاتی ہے اس لئے کہ وہ اخلاط بدن کے اجتماع اور اس کی صورت قائم ہونیکا سبب ہوتی ہے پس وہ بھی فی الحقیقت ماں کے بعد ماں ہے اور دودھ پلانیوالی

کی اولاد بہن بھائیوں کے بعد اس کے بہن بھائی ہیں۔ پس اس کا مالک ہو جانا اور اسکو اپنی جورو بنا لینا اور اسکے ساتھ جماع کرنا ایسی بات ہے جس سے فطرت سلیم نفرت کرتی ہے۔

(۴) اسی طرح دو بہنوں کا جمع کرنا حرام ہے کیونکہ ان میں سوکن پنے کا حسد منجر بالعداوت[۵] ہوگا جس سے قطع رحم ہوگا اور یہ امر خدا تعالیٰ کو منظور نہیں ہے کہ اہل قرابت میں قطع رحم ہو۔ اور علیٰ ہذا القیاس اس قسم کی قرابت دار قریبی عورات کا آپس میں ایک شخص کے نکاح میں ہونا حرام ہوا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں لا یجمع بین المرأۃ وعمتہا ولا بین المرأۃ وخالتہا۔ ترجمہ۔ یعنی نہ ایک عورت اور اس کی پھوپی کو جمع کرو اور نہ ایک عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرو۔

(۵) اسی طرح مصاہرت باعث حرمت ہے۔ اس لئے کہ اگر لوگوں میں اس قسم کا دستور جاری ہو کہ ماں کو اپنی بیٹی کے خاوند کی طرف اور مردوں کو اپنے بیٹوں کی بیویوں کی اور اپنی بیویوں کو بیٹوں کی طرف رغبت ہو جو کہ حلت نکاح کی صورت میں محتمل ہے۔ تو اس تعلق کے توڑنے یا اس شخص کے قتل کرنے میں کوشش کیا کریں۔

حکمت جواز نکاح مرد مسلم با یہودیہ و نصرانیہ نہ بالعکس جس کی طرف خواہش پائے

مسلمان مرد کا نکاح کسی یہودن و عیسائن سے اس لئے جائز ہے کہ خدا تعالیٰ نے مرد کو غالب اور عورت کو مغلوب قرار دیا ہے تو ایسے نکاح اور ازواج سے یہ صورت ہو گی کہ توحید کے نقشہ کو بالا اور غالب اور شرک و کفر کو پست و مغلوب کر کے دکھایا گیا جس میں یہ ایما ہے کہ توحید شرک پر غالب ہے اور واقع میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ چونکہ مرد کی تاثیر قوی ہوتی ہے اس لئے عورتیں خواہ یہودی ہوں یا عیسائن وہ اکثر مسلمان ہو جاتی ہیں مگر اس کے برعکس ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مسلمہ عورت کا نکاح یہودی یا عیسائی

[۵] یعنی دشمنی کا سبب ہوگا ۱۲

مرد کے ساتھ کسی مجبوری کے سبب جائز ہو سکے کیونکہ یہ امر حکمت الٰہی کے برخلاف ہے وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا نکاح جائز ہوتا تو یہ نقشہ یوں دکھائی دیتا کہ شرک بالا ہوتا اور توحید پست ہوتی اور اس امر سے خدا کی غیرت اور اس کا قانون قدرت و عظمت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و افضلیت مانع ہیں کہ ایسے ازدواج سے افضل الرسل و خاتم الانبیاء و سید ولد آدم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو پست و مغلوب دکھاتا پڑتا۔ سو یہ امر خدا کو منظور نہیں ہے۔

یارا محمد شوکتا غالب شوی ٭ یار علی یارا مشو نیلے مخوی

باب الطلاق

حکمت جواز طلاق زن

واضح ہو کہ طلاق عربی لفظ ہے جس کے معنی اردو زبان میں کھولنے اور چھوڑ دینے کے ہیں اور اصطلاح شریعت اسلام میں مرد کا اپنی عورت کو اپنے نکاح سے خارج کر دینا ہے۔ جس کا مطلب تفصیل ذیل سے بخوبی معلوم ہوگا۔

واضح ہو کہ مسلمانوں میں نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں مرد کی طرف سے اسلام اور مہر اور تعہد نان ونفقہ و حسن معاشرت شرط ہے اور عورت کی طرف سے عفت اور پاکدامنی اور نیک چلنی اور فرمانبرداری کے عہد و شرائط ضروریہ ہیں اور جیسا کہ دوسرے تمام معاہدے شرائط کے ٹوٹ جانے سے قابل فسخ ہو جاتے ہیں ایسا ہی یہ معاہدہ بھی شرطوں کے ٹوٹنے کے بعد قابل فسخ ہو جاتا ہے صرف یہ فرق ہے کہ اگر مرد کی طرف سے شرائط ٹوٹ جائیں تو عورت خود بخود نکاح توڑنے کی مجاز نہیں جیسا کہ وہ خود بخود نکاح

کرنے کی مجاز نہیں۔ بلکہ حاکم وقت کے ذریعہ سے نکاح کو توڑ سکتی ہے جیسا کہ ولی کے ذریعہ سے نکاح کرا سکتی ہے اور یہ کمی اختیار اس کی فطرتی شرمساری اور نقصان عقل کی وجہ سے ہے لیکن مرد جیسا کہ اپنے اختیار سے معاہدہ نکاح کا باندھ سکتا ہے ایسا ہی عورت کی طرف سے شرائط ٹوٹنے کے وقت طلاق دینے میں بھی خود مختار ہے سو قانون فطرتی قانون سے جو مقرر ہے۔ مذکور ہوتا ہے مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے گویا کہ اس فطرتی قانون کی عکسی تصویر ہے کیونکہ فطرتی قانون نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ ہر ایک معاہدہ شرائط قرار دادہ کے فوت ہونے سے قابل فسخ ہو جاتا ہے اور اگر فریق ثانی فسخ سے مانع ہو تو وہ اس فریق پر ظلم کر رہا ہے جو فقدان شرائط کی وجہ سے فسخ عہد کا حق رکھتا ہے۔ سو جب ہم سوچیں کہ نکاح کیا چیز ہے تو بجز اس کے اور کوئی حقیقت معلوم نہیں ہوتی کہ ایک پاک معاہدہ کی شرائط کے نیچے دو انسانوں کا زندگی بسر کرنا ہے اور جو شخص شرائط شکنی کا مرتکب ہو وہ عدالت کی رو سے معاہدہ کے حقوق سے محروم رہنے کے لائق ہو جاتا ہے اور اسی محرومی کا نام دوسرے لفظوں میں طلاق ہے۔

پس جس مطلقہ کی حرکات سے شخص طلاق دہندہ پر کوئی بد اثر پہنچتا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک عورت کسی کی منکوحہ ہو کر نکاح کے معاہدہ کو کسی اپنی بد چلنی سے توڑے تو وہ اس عضو کی طرح ہے جو گندہ ہو گیا اور سڑ گیا یا اس دانت سے جس کو کیڑے نے کھا لیا اور وہ اپنے شدید درد سے ہر وقت تمام بدن کو اور دکھ دیتا ہے تو اب حقیقت میں وہ دانت دانت نہیں ہے اور نہ وہ سڑا ہوا عضو حقیقت میں عضو ہے اور سلامتی اسی میں ہے کہ اس کو اکھاڑ دیا جاوے اور کاٹ دیا جاوے اور پھینک دیا جاوے۔ یہ سب کارروائی قانون قدرت کے موافق ہے۔ عورت

ھروسے ایسا تعلق نہیں ہے جیسے اپنے ہاتھ اور پاؤں کا لیکن تاہم اگر کسی کا ہاتھ یا پاؤں کسی آفت میں مبتلا ہوجاوے کہ اطبار اور ڈاکٹروں کی رائے اس پر اتفاق کرے کہ زندگی اس کے کاٹ دینے میں ہے تو بھلا تم میں سے کوئی ہے کہ ایک جان کے بچانے کے لئے اسکے کاٹ دینے پر راضی نہ ہو پس ایسا ہی اگر کسی کی منکوحہ اپنی بدچلنی اور کسی شرارت سے اسپر وبال لاوے تو وہ ایسا عضو ہے کہ بگڑ گیا ہے اور سڑ گیا ہے اور اب وہ اس کا عضو نہیں ہے اس کو کاٹ دے اور گھر سے باہر پھینکدے ایسا نہ ہو کہ اس کا زہر اس کے سارے بدن میں پہنچ جاوے اور تجھے ہلاک کر دے۔ پھر اگر اس کاٹے ہوئے اور زہریلے جسم کو کوئی پرند یا درند کھاوے تو اس کو اس سے کیا کام کیونکہ وہ جسم تو اس وقت سے تیرا جسم نہیں رہا جبکہ اس نے اس کو کاٹ کر پھینکدیا۔

وہ ہدایتیں جن کی پابندی کے بعد ہر ایک شخص طلاق دینے کا مجاز ہوسکتا ہے

قال اللہ تعالیٰ والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلاً ط ان اللہ کان علیاً کبیراً ہ فان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکماً من اھلہ وحکماً من اھلھا ان یریدا اصلاحاً یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیماً خبیراً ہ ترجمہ۔ یعنی جن عورتوں کی طرف سے ناموافقت کے آثار ظاہر ہوجائیں پس تم ان کو نصیحت کرو اور خوابگاہوں میں ان سے جدا ہو اور ان کو مارو یعنی جیسی جیسی صورت اور مصلحت پیش آوے پس اگر وہ تمھاری تابعدار ہوجائیں تو تم بھی ان کے طلاق یا سزا دینے کی راہ مت نکالو۔ بیشک خداتعالیٰ صاحب علو صاحب کبریا ہے۔ اور پھر اگر میاں بیوی کی تنازعت کا اندیشہ ہو تو ایک منصف خاوند کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف بیوی کی طرف سے

مقرر کرو۔ اگر منصف صلح کرانے کی کوشش کریں گے تو خدا تعالیٰ ان میں باہمی موافقت دیدے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔

عورت کے لئے عدت مقرر ہونے کی وجہ

عدت کی بڑی وجہ رحم کے احوال کا معلوم کرنا ہے چنانچہ جس عورت کو قبل از جماع حقیقی یا حکمی طلاق دی جائے اس کے لئے کوئی عدت مقرر نہیں ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموہن من قبل ان تمسوہن فما لکم علیہن من عدۃ تعتدونہا فمتعوہن وسرحوہن سراحا جمیلا یعنی اے ایمان والو جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو چھونے سے پہلے طلاق دیدو تو تمہارے لئے ایسی عورتوں پر کوئی عدت نہیں ہے جس کی گنتی پوری کراؤ پس ان کو کچھ مال دیکر اچھی طرح سے رخصت کرو۔

عورت کو خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن کرنے کی وجہ

اس کی مناسبت کی غرض سے پہلے عدت کے ساتھ فرق عدت موت و عدت طلاق کے بیان میں عنقریب آئے گی اور بقدر ضرورت یہاں بھی کسی قدر لکھی جاتی ہے۔ اعلموا ان الاحداد علی الزوج تابع للعدۃ وھو من مقتضیاتہا و مکملاتہا فان المرأۃ انما تحتاج الی التزین والتجمل والتعطر لتتحبب الی زوجہا وتحسن ما بینہما من العشرۃ فاذا مات الزوج وعتدت منہ وھی لم تصل الی زوج آخر فاقتضی تمام حقوق الاول وتاکید المنع من الثانی قبل بلوغ الکتاب اجلہ ان تمتنع مما تصنعہ النساء لازواجہن مع ما فی ذلک من سد الذریعۃ الی طمعہا فی الرجال وطمعہم فیہا بالزینۃ

والخضاب والتطيب فاذا بلغ الكتاب اجله صارت محتاجة الى ما يرغب في نكاحها فابيح لها من ذلك ما يباح لذات الزوج فلا شيء ابلغ في الحسن من هذا الضبط والاحتياط ولو اقترحت عقول العقلاء ان تقترح شيئا احسن منه [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] معاشرت [illegible] تو وہ اس کی عدت کی رہے۔ اور دوسرے شوہر کے پاس نہیں پہنچی، پس پہلے خاوند کا تمام حقوق اور دوسرے شوہر کا ہونا ضرورت کامل ہونے سے پہلے نکاح سے روکنا ہے اس کو مقتضی ہے کہ عورت کو ان امور سے منع کیا جاوے جو عورتیں اپنے خاوندوں کے لئے کیا کرتی ہیں نیز اس میں اس بات کا سد ہو جاتا ہے کہ عورت کو مردوں کی طمع ہو اور اس کی زینت و خضاب و عطر کے ملاحظہ سے اس کی طرف مردوں کی نظر طمع ہو۔ پس جب عدت ختم ہو جاوے تو وہ ان امور کی محتاج ہوتی ہے جو مرغب فی النکاح ہیں۔ پس اس عورت کو وہ امور مباح ہوئے جو خاوند والی عورت کے لئے مباح ہوا کرتے ہیں۔ پس یہ ممانعت اور اباحت نہایت حسن و مناسبت پر واقع ہوئی ہے۔ تمام عالم کی عقلیں بھی اس سے بہتر تجویز نہیں کر سکتیں۔

عدت طلاق ایک حیض سے زیادہ ہونے کی وجہ

سوال: جبکہ رحم کے خالی یا حامل ہونے کا علم ایک ہی حیض سے معلوم ہو سکتا تھا تو پھر طویل عدت کے مقرر ہونے کی کیا وجہ؟

جواب۔ اس کی وجہ ان مصالح الٰہی سے معلوم ہو سکتی ہے جن کے لئے یہ مشروع کی گئی ہے۔ عدت کے مشروع ہونے میں چند مصلحتیں ہیں جن کی تفصیل ذیل میں ہے:۔

(۱) رحم کے خالی ہونے کا علم حاصل کرنا تاکہ دو شخصوں کا نطفہ ملجانے سے اختلاط نسبت ہو کر باعث فساد نہ ہو۔ عدم تقرر عدت کی وجہ سے ایسے فساد اور بگاڑ ہوتے جن کو شریعت و حکمت الٰہی مانع ہے۔

(۲) تقرر علامت کی وجہ عقد نکاح کی بزرگی اور رفع قدر و اظہار شرافت ہے۔

(۳) طلاق دینے والے کے لئے لمبا زمانہ مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مرد طلاق دینے سے نادم ہو کر عورت کی طرف رجوع کر سکے۔

(۴) تقرر عدت کی وجہ خاوند کے حق ادا کرنا اور خاوند کے فوت ہو جانے سے تأثر کا اظہار ہے اور یہ امر زینت اور آراستگی کے ترک کرنے سے ہوتا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ عدت محض برأت رحم کا علم حاصل کرنے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ یہ امر بھی عدت کے بعض مصالح و حکمتوں میں سے ہے باقی اور مصالح بھی ہیں جو ایک حیض کی مدت میں حاصل نہیں ہو سکتیں۔

اقسام عدت

(۱) حاملہ کی وضع حمل تک (۲) عدت بیوہ بمرگ شوہر چار ماہ دس دن (۳) عدت مطلقہ تین طہر (۴) عدت آئسہ یا صغیرہ جس کو زیادہ عمر کے سبب یا کم عمری کے سبب حیض نہ آتا ہو تین ماہ ہے۔

عدت بیوہ کی دوسری عدتوں سے مختلف ہونے کی وجہ

عدت بیوہ کی چار ماہ اور دس دن مقرر ہی خواہ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو پس ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ عدت کا حکم محض اطاعت کیلئے

ہے اس میں عقل کو دخل نہیں ہے مگر یہ بات اس وجہ سے باطل ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ عبادت محضہ ہوتی۔ حالانکہ عدت محض عبادت نہیں ہے کیونکہ عدت چھوٹی اور بڑی اور عاقلہ اور دیوانہ اور مسلمہ و ذمیہ سب کے حق میں لازمی ہے اور یہ سب مکلف نہیں ہیں نیز اس میں نیت کی ضرورت نہیں اور عبادت میں نیت ضروری ہے۔ پس لامحالہ اس میں مصالح ضرور ہیں اور اس کے ساتھ ہی جب اس میں اطاعت الٰہیہ کا قصد ہو تو یہ معنی العبادت سے بھی خالی نہیں۔ سو بعض مصالح تو نفس عدم میں ہیں جن کا علم آگے ہے حقوق زوج اول و اولاد و رعایت حق شوہر ثانی تفصیل عنقریب آتی ہے جس کی خاوند کی رعایت تو اس میں ایک یہ ہے دونوں میں جو تعلق نکاح کا تھا اس کی عزت اور وقعت باقی رہے۔ اور دوسری رعایت یہ ہے کہ اس میں دوامی حقوق زوجیہ مصاحبت کی کسی قدر وفاداری کا اظہار رہے۔ اور تیسری رعایت یہ ہے کہ اس کے رحم کی صفائی معلوم ہو سکے اور نسب میں بھی اشتباہ نہیں ہوتا۔ اور حق خاوند کی حرمت و عزت کا وفات کے بعد قابل لحاظ ہونا اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کے حقوق کی وجہ سے آپ کی وفات کے بعد آپ کی عورتوں سے اور لوگوں پر مدام کے لئے نکاح کرنا حرام ہو گیا۔ علاوہ آپ کی حرمت کے اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ آپ کی دنیا والی عورتیں آخرت میں بھی آپ کی ازواج مطہرات ہوں گی اس لئے بھی آپ کے بعد کسی کو ان سے نکاح کرنا حلال نہیں ٹھیرا۔

مگر یہ امر دوسروں کے لئے نہیں ہے کیونکہ نہ اس قدر کسی شوہر کا احترام ہے اور نہ یہ حق ان کے حق میں معلوم ہے۔ پس اگر اس حالت میں خاوند کے مرنے سے عورت کو دوسرا نکاح کرنا حرام ہوتا تو اس کو سخت ضرر لاحق ہوتا۔ بہرحال نکاح ثانی تو حلال

ہوا مگر کچھ احکام حافظ احترام شوہر مشروع ہونا چاہیے۔ اور زمانہ جاہلیت میں اس احترام
حق شوہر اور عزت عقد نکاح میں بہت مبالغہ کرتے تھے، سال بھر تک عورت عدت [illegible]
[illegible] کی [illegible] ہوتی تھی اور [illegible] بھی حرج تھا اس لیے
[illegible] نسبت [illegible]
[illegible] چار مہینے اور دس دن کی [illegible]
[illegible] بچہ کا [illegible]
ہو [illegible] دن تک [illegible] پھر چالیس دن تک لہو (خون)
کی [illegible] میں بچہ تیار ہوتا ہے اور یہ پورے
چار مہینے [illegible] اس مدت [illegible] طور میں روح پھونکی جاتی ہے جس کا
اندازہ [illegible] ظاہر ہو سکے۔ اور یہ مصلحت [illegible]
اس [illegible] ہوتی [illegible]

الغرض شارع نے بیوہ کی عدت چار مہینے اور دس دن اسی لیے مقرر کی ہے کہ
چار مہینے کے تین چلے ہوتے ہیں اور اس مدت کے اندر جنین میں جان پڑتی ہے اور حرکت
کرنے لگتا ہے اور دس روز اس پر اور زیادہ کیے گئے تاکہ وہ حرکت پورے طور پر ظاہر
ہو جاوے اور نیز یہ مدت حمل معتاد کی نصف ہے جس میں حمل پورے طور پر ایسا ظاہر
ہو جاتا ہے کہ ہر شخص دیکھ کر جان سکتا ہے۔

اور مطلقہ کی عدت میں بچہ کے محسوس ہونے کا لحاظ نہیں کیا گیا بلکہ اس کی عدت
حیض سے مقرر کی گئی۔ اور اس بیوہ کی چار مہینے دس دن سے مقرر کی گئی۔
وجہ فرق یہ ہے کہ مطلقہ میں تو حق دار یعنی خاوند زندہ ہوتا ہے جو نسب کی

مصلحت اور قرائن کو جانتا ہے پس ممکن ہے کہ عورت کو اس چیز کے ساتھ عدت شمار کرنے کا حکم دیا جاوے جس کا علم اس کے ساتھ خاص ہے اور خاوند اس کو امین سمجھے اور بیوہ کے واقعہ میں خاوند موجود نہیں ہوتا اور دوسرا شخص اس کا باطنی حال اور قریب نہیں معلوم نہیں کر سکتا جس طرح خاوند پہچان سکتا تھا پس ضرور ہوا کہ اسکی عدت ایسی مقرر کی جاوے جس کے معلوم کرنے میں قریب و بعید سب برابر ہوں۔ اور مدت بچہ کے محسوس ہونے کی ثابت ہے اور اس فرق سے عدت مطلقہ میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب وہاں حمل کا ظاہر ہونا یقینی طور پر معلوم کرنا نہیں ہے بلکہ صرف رحم کا خالی ہونا ہے تو وہ ایک حیض سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ عدت برأت رحم مقصود نہیں ہے اگرچہ برأت رحم بھی عدت کے بعض ضروری مقاصد میں سے ہے بلکہ عدت میں متعدد حکمتیں ہیں اور وہ جب معلوم ہو سکتی ہیں کہ جبکہ وہ حقوق معلوم ہوں جو اس میں ملحوظ ہیں۔ چنانچہ عدت میں ایک تو خدا تعالیٰ کا حق ہے اور وہ اس کے حکم کی اطاعت اور اس کی طلب رضا ہے۔ اور دوسرا طلاق دینے والے خاوند کا حق ہے۔ اور یہ حق اس کے رجوع کرنے کے لئے لمبا زمانہ ٹھہرایا خواہ رجعت سے یا نکاح جدید سے۔ تیسرا حق زوجہ کا ہے۔ اور یہ حق اس کا استحقاق نفقہ و سکونت خاوند پر ہے۔ جبتک عورت عدت میں ہو۔

اور چوتھا حق بچہ کا ہے یہ حق بچہ کے ثبوت نسب کی احتیاط کے لئے ہے۔ تاکہ اس کا نسب دوسرے کے ساتھ نہ ملجائے۔

پانچواں حق دوسرے خاوند کا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنا پانی دوسرے کی کھیتی کو دیکر ضائع نہ کرے۔ اور شارع علیہ السّلام نے ہر ایک کے مناسب خاص خاص احکام

بھی مرتب فرماتے ہیں چنانچہ رعایت حق خاوند میں یہ امر قرار پایا ہے کہ زوجہ گھر سے باہر نہ جاوے اور نہ خاوند اس کو باہر نکالے۔ اور نیز یہ حق ٹھیرایا ہے کہ عدت کے اندر اگر زوجہ سے طلاق دینے والا رجعی طلاق میں رجوع کر لے تو زوجہ مانع نہ ہو۔ اور زوجہ کا حق خاوند پر نفقہ و سکونت کا مہیا کرنا ہے۔

اور حق بچے کا یہ ہے کہ اس کے نسب کا ثبوت ہو جاوے اور وہ اپنے باپ سے ملحق ہو اور دوسرے سے ملحق نہ ہو۔ اور دوسرے خاوند کا حق یہ ہے کہ وہ بصیرت و برأت رحم کا علم ہونے کے بعد عورت سے دخول کرے۔ مبادا رحم میں پہلے شخص کا بچہ ہو اور اس طرح سے اختلاط نسب ہو جاوے۔

پس مطلقہ کے لئے تین حیض کا مقرر کرنا ان حقوق کے مجموعہ کی رعایت و تکمیل کے لئے ہے کہ ان میں بعض حقوق ایک حیض میں حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور عدت طلاق میں جو حقوق بیان کئے ہیں ان میں بعضے طلاق و وفات میں مشترک بھی ہیں چنانچہ تامل سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ پس اس تقریر سے اس وعدہ کا بھی ایفا ہو گیا جو شروع سرخی کے قریب کہا گیا تھا کہ تفصیل عنقریب آتی ہے۔

حرمت نکاح متعہ کی وجہ

(۱) متعہ کی رسم جاری ہونے سے نسب کا خلط ملط ہونا اور اس کی تباہی و بربادی لازم آتی ہے کیونکہ اس مدت متعہ کے گذرتے ہی وہ عورت خاوند کے قبضہ سے خارج ہو جاتی ہے اور عورت کو اپنا اختیار رہوتا ہے۔ اب معلوم نہیں کہ وہ جب حاملہ ہوگی تو کیا کرے گی اور عدت کا انضباط نکاح صحیح میں بھی جس کی بنا ہمیشگی پر ہوتی ہے۔ نہایت دشواری سے ہوتا ہے تو پھر متعہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

(۲) اس رسم میں یہ قبح بھی ہے کہ اس رسم کے جاری ہونے سے نکاح صحیح جو شریعت میں معتبر ہے اس میں اہمال لازم آتا ہے کیونکہ اکثر نکاح کرنے والوں کی خواہش غالباً شہوت شرمگاہ کا پورا کرنا ہوتا ہے۔

(۳) صرف جماع کی اجرت دینا طبیعت انسانی سے بالکل انسان باہر ہو جاتا ہے اور بے حیائی ہے اس کو قلب سلیم بالکل پسند نہیں کرتا۔ باقی وجود ان قبائح کے ابتداء میں چندے اس کی اجازت ہونا جوش سے بوجہ اضطرار اور نکاح پر قادر نہ ہو سکنے سے تھا جیسا میتہ کی مخمصہ میں اجازت ہو جاتی ہے۔ پھر ان قبائح کے سبب ہمیشہ کے لیے منسوخ ہو گیا۔

احادیث سے متعۃ النساء کی حرمت

حدثنا محمد بن عبد اللہ ابن نمیر حدثنا ابی حدثنا عبد العزیز بن عمر حدثنا الربیع بن سبرۃ الجھنی ان اباہ حدثہ انہ کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فقال یا ایہا الناس انی کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء ان اللہ قد حرم ذلک الی یوم القیامۃ فمن کان عندہ منہن شیء فلیخل سبیلہا ولا تاخذوا مما اتیتموھن شیئاً

صحیح مسلم مع نووی ص۴۵۱۔ ترجمہ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو میں نے تم کو متعۃ النساء کی پہلے اجازت دی تھی۔ اب خدا تعالیٰ نے متعۃ النساء کو قیامت تک حرام کر دیا ہے بس جس کے پاس ان عورتوں میں سے کوئی عورت ہو تو اُس کو چھوڑ دے۔ اور جو کچھ تم نے ان کو دیا اس میں سے کچھ مت لو۔ صحیح مسلم ص۴۵۱۔

حدثنا مالک بن اسمٰعیل قال حدثنا ابن انہ سمع الزہری یقول اخبرنی الحسن بن محمد بن علی واخوہ عبداللہ من ابیہ ان علیاً قال لابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نھی عن المتعۃ وعن لحوم الحمر الاھلیہ زمن خیبر بخاری وعن سفیان نھی عن النکاح المتعۃ فتح الباری۔

ترجمہ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس کو فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعۃ النساء اور خر اہلی کے گوشت سے خیبر کے ایام میں منع فرمایا اور سفیان سے روایت ہے کہ نکاح متعہ ممنوع ہو چکا ہے۔

متعۃ النساء کی تردید پر چھٹی دلیل

ہر شریف الطبع بھلامانس شریف قوم کا امیر آدمی اپنی جگہ سوچے کہ اگر شرعاً متعۃ النساء جائز بلکہ کار ثواب ہے تو پھر نکاح میں اور اس میں یہ فرق کیوں ہے کہ نکاح کی نسبت کرنے میں اپنی بیٹی بہن کی طرف تو عار نہیں مگر کیا کوئی شریف عباسی میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری ماں اور بیٹیوں اور بہنوں نے اتنے متعے کئے ہیں چھٹی رنگ میں یہ لاجواب دلیل ہے اور یقین تو یہ ہے کہ جیسے ازدواج و تزویج میں صریح مباکیا قبول کرتے ہیں اس طرح اپنی اقارب عورتوں کے متعہ کے متعلق اس مبارکباد کو برداشت نہ کر سکیں یہ تو عقلی دلیل تھی اور نقلی اوپر بیان ہو چکیں۔ اور اور بھی لکھی جاتی ہیں۔

عن علی بن ابی طالب ان النبی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نھی عن متعۃ النساء

ترجمہ یعنی علی مرتضیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے منع فرمایا عورتوں سے متعہ کرنا۔ ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کی تصحیح کی۔ اور حرمت متعہ پر صحابہ کرام رضی کا اتفاق تھا۔ البتہ حضرت ابن عباس قدیم ملکی روایات اور عادت کے باعث چند روز

عہ پہلے ہو گذرے ۱۲

مجوز رہے مگر جب انکو شرعی حکم کی اطلاع پہنچی تو تجویز متعہ سے رجوع کیا اور متعہ کی حرمت تمام حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ اور حنابلہ اور اہلحدیث اور صوفیہ کرام میں متفق علیہ مسئلہ ہے۔

مستورات اور مردوں کے لئے اسلامی پردہ کی وجوہ

پردہ کے متعلق اسلام نے مرد عورت کے لئے ایسے ایسے اصول بتائے ہیں جن کی پابندی سے ان کی عفت و عزت پر حرف نہ آئے اور وہ بدی کے ارتکاب سے محفوظ اور مصئون رہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکیٰ لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن الیٰ قولہ تعالیٰ ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللہ جمیعًا ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون۔ ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا۔ ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحًا۔ ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم۔ الیٰ قولہ تعالیٰ۔ فما رعوھا حق رعایتھا۔ ترجمہ یعنی ایماندار مردوں کو کہدے کہ آنکھوں کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے سے بچائے رکھیں یعنی ایسی عورتوں کو کھلے طور نہ دیکھیں جو شہوت کا محل ہو سکتی ہوں اور ایسے موقع پر نگاہ کو پست رکھیں اور اپنی ستر کی جگہ کو جس طرح ممکن ہو بچاویں (ایسا ہی کانوں کو نامحرموں سے بچاویں یعنی بیگانے کے گانے بجانے اور خوش الحانی کی آوازیں نہ سنیں اُن کے حُسن کے قصے نہ سُنیں جیسا دوسری نصوص میں ہے) یہ طریق نظر اور دل

کے پاک رہنے کے لئے عمدہ طریق ہے ایسا ہی ایماندار عورتوں کو کہدے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں (نیز ان کی پُر شہوات آوازیں نہ سُنیں جیسا دوسری نصوص میں ہے) اپنے ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اور اپنے زینت کے اعضاء کو کسی غیر محرم پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے یعنی گریبان اور دونوں کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں اور اپنے پیروں کو زمین پر (ناچنے والیوں کی طرح) نہ ماریں (یہ وہ تدبیر ہے کہ جس کی پابندی ٹھوکر سے بچا سکتی ہے) اور (دوسرا طریق بچنے کے لئے یہ ہے کہ) خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو (اور اس سے دُعا کرو تا کہ ٹھوکر سے بچاوے اور لغزشوں سے نجات دے) زنا کے قریب مت جاؤ یعنی ایسی تقریبوں سے دُور رہو جن سے یہ خیال بھی دل میں پیدا ہو سکتا ہے اور ان راہوں کو اختیار نہ کرو جن سے اس گناہ کے وقوع کا اندیشہ ہو زنا کرتا نہایت درجہ کی بیحیائی ہے زنا کی راہ بہت بُری راہ ہے یعنی منزل مقصود سے روکتی ہے اور تمہاری اخروی منزل کے لئے سخت خطرناک ہے اور جس کو نکاح میسر نہ آوے چاہیئے کہ وہ اپنے تئیں دوسرے طریقوں سے بچاوے مثلاً روزہ رکھے یا کم کھاوے یا اپنی طاقتوں سے تن آزاد کام لے اور ان لوگوں نے یہ طریق بھی نکالے تھے کہ وہ ہمیشہ عمداً نکاح وغیرہ سے دست بردار رہے یا خوجے (مخنث) بن گئے یا اور کسی طریق سے انھوں نے رہبانیت اختیار کی مگر ہم نے ان پر یہ حکم فرض نہیں کیا اور پھر وہ ان بدعتوں کو بھی پورے طور پر نباہ نہ سکے خدا تعالیٰ کے قول کے عموم میں یہ مضمون کہ ہمارا یہ حکم نہیں کہ لوگ خوجے بنیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اگر خدا کا حکم ہوتا اور سب لوگ اس پر

عمل کرتے ہوتے تو اس صورت میں بنی آدم کی قطع نسل ہو کر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو چکتا اور نیز اگر اس طرح پر عفت حاصل کرنا ہو کہ عضو مردمی کو کاٹ دیا جاوے۔ یہ در پردہ اس صانع پر اعتراض ہے جس نے وہ عضو بنایا اور نیز ثواب کا تمام مدار تو اس بات پر ہے کہ قوت موجود ہو اور پھر انسان خدا تعالیٰ کا خوف کرکے ممانعت کی جگہ اس قوت کے جذبات کا مقابلہ کرکے اور اجازت کی جگہ اس کے منافع سے فائدہ اُٹھا کر دو طور کا ثواب حاصل کرے اور جس میں بچہ کی طرح وہ قوت ہی نہیں رہی اس کو ثواب کیا ملے گا کیا بچہ کو عفت کا ثواب مل سکتا ہے ان آیات میں مع دیگر نصوص کے خدا تعالیٰ نے خلق احصان یعنی عفت حاصل کرنے کے لئے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاک دامن رہنے کے لئے کافی علاج بھی بتلا دیئے یعنی یہ کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا کانوں کا نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا نامحرموں کے قصے نہ سننا اور ایسی تمام تقریبوں سے جن میں کہ اس فعل بد کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا اور اگر نکاح نہ ہو سکے تو روزہ رکھنا وغیرہ۔

یہ اعلیٰ تعلیم ان سب تدبیروں کے ساتھ جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں صرف اسلام ہی سے خاص ہے اور اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو شہوت کا منبع ہے (جس سے انسان بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہیں ہو سکتا) ایسی ہے کہ اس کے جذبات محل اور موقع پاکر جوش مارنے سے رہ نہیں سکتے یا اگر باز بھی رہ سکے تاہم سخت خطرہ میں پڑ جاتے ہیں اسلئے خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو بلا تکلف دیکھ تو لیا کریں اور ان کی تمام زینتوں پر نظر بھی ڈال لیں اور ان کے تمام ناز انداز ناچنا وغیرہ بھی مشاہدہ

کرہیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں اور نہ ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانا سن لیں اور ان کے حسن کے قصے بھی سنا کریں۔ لیکن پاک خیال سے نہیں بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور ان کی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں۔ نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے۔ اور ان کی خوش الحانی کی آوازیں اور ان کے حسن کے قصے نہ سنیں نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے۔ بلکہ ہمیں چاہیے کہ ان کے سننے اور دیکھنے سے ایسی نفرت رکھیں جیسا کہ مردار سے۔ تاکہ ٹھوکر نہ کھاویں۔ کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکریں پیش آئیں۔ سو چونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک رہیں۔ اس لئے اس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ بے قیدی ضرور گناہ کا موجب ہو جاتی ہے۔ اگر ہم بھوکے کتے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھدیں اور پھر امید رکھیں کہ اس کتے کے دل میں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ سو خدا نے چاہا کہ نفسانی قویٰ کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی تقریب پیش نہ آوے جس سے بد خطرات جنبش کر سکیں۔

اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہیئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے بلکہ اس کے لئے اس تمدنی زندگی میں غض بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آجائے گی اور اس کی تمدنی ضرورت میں فرق نہیں پڑے گا۔ یہی وہ خلق ہے جس کو احصان اور عفت کہتے ہیں۔

حیض میں عورت سے حرمت جماع کی وجہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ویسئلونک عن

عن المحیض قل ھو اذیً فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتی یطھرن۔
ترجمہ۔ یعنی پوچھتے ہیں تجھ سے حکم حیض کا تو کہہ وہ ناپاکی ہے۔ سو تم حیض میں عورتوں سے کنارہ کرو اور صحبت نہ کرو ان سے جب تک وہ پاک نہ ہولیں۔
جبکہ خدا تعالیٰ حیض کو ناپاکی واذی فرماتا ہے تو ایسی حالت میں صحبت کرنے سے شدید ضرر پہنچنے کا قوی مظنہ ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے حیض میں جماع سے منع فرمایا۔
طب کی رو سے جو شخص حالتِ حیض میں عورت سے جماع کرے اس کو مندرجہ ذیل امراض لاحق ہونے کا احتمال ہے۔
جرب یعنی خارش، نامردی، سوزش یعنی جلن، جریان مذی، اولاد یعنی جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو جذام ہو جاتا ہے۔
اور عورت کو مندرجہ ذیل بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں:۔
اس کو اکثر ہمیشہ کے لئے خون جاری ہو جاتا ہے اور بچہ دان یعنی رحم باہر کو لٹک آتا ہے۔ بعض عورات کے لئے اکثر اوقات کچا حمل گر جانے کا باعث منجملہ دیگر امور کے بڑا سبب یہ بھی ہوتا ہے۔ چونکہ حالتِ حیض میں جماع کرنے سے مذکورہ بالا امراض اور بھی دیگر عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کر کے حالتِ حیض میں جماع کرنے سے منع فرما دیا۔

وجہ حرمت جماع حائض و حکمت اباحت وطی مستحاضہ

حائضہ سے جماع حرام ہونا اور مستحاضہ سے جائز ہونا باوجودیکہ دونوں نجاست کی قسم سے ہیں۔ اس میں وجہ یہ ہے کہ یہ امر شارع کی کمال حکمت میں سے ہے کہ اس نے دونوں خونوں میں فرق ظاہر کر دیا کیونکہ حیض کی نجاست

بہ نسبت استحاضہ کے زیادہ تر قوی ہے۔ استحاضہ کا خون شرمگاہ کی ایک رگ سے جاری ہوتا ہے۔ پس شرمگاہ سے جریان خون استحاضہ کا ایسا ہے جیسا کہ ناک سے نکسیر جاری ہوتی ہے۔ اس خون کا نکلنا مضر ہے اور اس کا بند ہونا دلیل صحت ہے بخلاف حیض کے اگر حیض کا خون بند ہو جاوے تو وہ موجب بیماری ہے اور اس کا جاری ہونا موجب صحت ہے۔ پس خون حیض و استحاضہ دونوں ازروئے حقیقت و حکم و سبب برابر نہیں۔ پس یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں و محاسن میں سے ہے کہ دونوں خونوں میں فرق ظاہر کر دیا جیسا کہ وہ حقیقت میں بھی الگ الگ ہی ہیں۔ مستحاضہ کے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ ھل تدع الصلوٰۃ زمن استحاضۃ فقال لا انما ذلک عرق ولیس بالحیضۃ فامرھا ان تصلی مع ھذا الدم وعلل بانہ دم عرق ولیس بدم حیض۔

طلاق کا تین تک محدود ہونے کی وجہ

طلاق کو صرف تین تک ہی محدود کرنے میں یہ راز ہے کہ وہ کثرت کی شرعی حد ہے۔ اور نیز طلاق میں فکر کرنا اور سوچنا اور سمجھنا ضروری ہے سو تین تک محدود ہونے میں اس کا موقع ملتا ہے کیونکہ بہت لوگوں کو طلاق کا مصلحت ہونا نہ ہونا معلوم نہیں ہوتا جب تک کہ وہ عورت کے ملک سے نکلنے کا مزہ نہیں چکھ لیتے اور اصل تجربہ ایک سے ہو جاتا ہے اور دو سے اس تجربہ کی تکمیل ہوتی ہے اور تیسری طلاق کے بعد نکاح کا شرط کرنا تجدید اور انتہاء کے معنی کے محقق کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ اگر بغیر دوسرے نکاح کے اس سے رجوع درست ہوتا

تو یہ بمنزلہ رجعت کے ہوتا کیونکہ مطلقہ سے نکاح کرنا یہ بھی ایک قسم کی رجعت ہی ہے
اور عورت جب تک خاوند کے گھر میں اور اس کے قبضہ میں اور اس کے اقارب کے
پاس ہے اس وقت تک احتمال ہے کہ خاوند اس کی رائے پر غالب رہے اور
وہ عورت بالاضطرار اس رائے کو پسند کرے جس کی خوبی اس عورت کے سامنے
پیش کی جاتی ہے اور جب ان سے بالکل جدا ہو جاوے اور زمانہ کی سردی و
گرمی کا مزہ چکھ لے اور اس کے بعد ہی اس شخص سے راضی ہو جاوے۔ تو یہ
رضامندی فی الواقع رضامندی ہے اور نیز اس نکاح شوہر ثانی کے اشتراط
میں اس کو مفارقت کا مزہ چکھانا اور بلا کسی ضروری مصلحت کے موجب طلاق
دینے کے باعث یہی اس کا قضائے نفسانی کے تابع ہونے کا عذاب دینا ہے اور نیز اس
اشتراط میں مطلقہ ثلاثہ کا اس شخص کی آنکھوں میں حرمت دینا ہے اور اس بات
کا جتانا ہے کہ تین طلاقوں پر وہی شخص دلیری کر سکتا ہے جو بغیر ذلت اور عار سے
زیادہ بے عزتی کے اپنے نفس کو اس عورت سے متعلق طمع کے قطع کرنے پر راضی
و قائم کر لے۔

طلاق رجعی کا دو تک محدود ہونے کی وجہ

اہل جاہلیت جس قدر چاہتے تھے طلاقیں دیکر رجوع کر لیا
کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں عورت پر کس قدر ظلم تھا۔ لہذا آیت کریمہ نازل ہوئی
الطلاق مرتان۔ یعنی ایسی طلاق دو بار ہے جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔ پھر
اگر تیسری طلاق دے تو اس کے بعد تو جب تک وہ عورت برضا خود کسی اور خاوند سے
نکاح نہ کر لے پہلے کے لئے وہ حلال نہیں ہو سکتی۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اس نکاح کے ساتھ صحبت کرنے کو بھی شرط فرمایا ہے اور اس اشتراط سے ہماری یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ وہ عورت خاص حلالہ ہی کی غرض سے دوسرے سے نکاح کرے کی بلکہ نکاح تو ہمیشہ کی آبادی کی غرض سے کرے مگر اتفاق اگر وہاں بھی طلاق ہو جاوے تو شوہر اول سے نکاح جائز ہے۔

تین طلاق دینے اور بغیر نکاح ثانی کے بعد پہلے شوہر پر اس عورت کے حلال ہونے کی وجہ

یہ سوال حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر وارد ہوا تھا اس پر جو جواب انہوں نے اپنی کتاب اعلام الموقعین عن رب العالمین میں درج فرمایا ہے ہم اس کا ترجمہ بطور ملخص یہاں لکھ دیتے ہیں وھو ھذا:-

تین طلاق کے بعد مرد پر عورت کے حرام ہونے اور دوسرے نکاح کے بعد پھر پہلے مرد پر جائز ہونے کی حکمت کو وہی جانتا ہے جس کو اسرار شریعت اور مصالح کلیہ الٰہیہ سے واقفیت ہو۔ پس واضح ہو کہ اس امر میں شریعتیں بحسب مصالح ہر زمانہ اور ہر امت کے لئے مختلف رہی ہیں۔ شریعت تورات نے طلاق کے بعد جبتک عورت دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے پہلے مرد کا رجوع اس کے ساتھ جائز رکھا تھا اور جب وہ دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی تو پہلے شخص کو اس عورت سے کسی صورت میں رجوع جائز نہ تھا۔ اس امر میں جو حکمت و مصلحت الٰہی ہے ظاہر ہے۔ کیونکہ جب مرد جانے گا کہ اگر میں نے عورت کو طلاق دیدی تو اس کو پھر اپنا اختیار رہو جائے گا۔ اور اس کے لئے دوسرا نکاح کرنا بھی جائز ہو جائیگا اور پھر جب اس نے دوسرا نکاح کر لیا تو مجھ پر ہمیشہ کے لئے یہ عورت حرام ہو جائیگی تو ان امور خاصہ کے تصور سے مرد کا عورت سے تعلق و تمسک پختہ ہوتا تھا اور

عورت کی جُدائی کو ناگوار جانتا تھا۔ شریعت توریت بحسب حال مزاج اُمت موسوی نازل ہوئی تھی کیونکہ تشدد اور غصہ اور اس پر اصرار کرنا ان میں بہت تھا۔ پھر شریعت انجیلی آئی تو اس نے نکاح کے بعد طلاق کا دروازہ بالکل بند کر دیا جب مرد کسی عورت سے نکاح کر لیتا تو اس کیلئے عورت کو طلاق دینا ہرگز جائز نہ تھا۔

پھر شریعت محمدیہ آسمان سے نازل ہوئی جو کہ سب شریعتوں سے اکمل افضل واعلیٰ اور پختہ تر ہے اور انسانوں کے مصالح معاش ومعاد کے زیادہ مناسب اور عقل کے زیادہ موافق ہے خدا تعالیٰ نے اس اُمت کا دین کامل اور ان پر اپنی نعمت پوری کی۔ اور طیبات میں سے اس اُمت کے لیے بعض وہ چیزیں حلال ٹھہرائی ہیں جو کسی اُمت کے لیے حلال نہیں ہوئی تھیں۔ چنانچہ مرد کیلئے جائز ہوا کہ بحسب ضرورت چار عورات تک سے نکاح کر سکے۔ پھر اگر مرد عورت پسند نہ ہو تو مرد کو اجازت دی کہ اس کو طلاق دیکر اور عورت سے نکاح کرلے۔ کیونکہ جبکہ پہلی عورت موافق طبع نہ ہو یا کوئی اس سے فساد واقع ہو اور وہ اس سے باز نہ آئے تو شریعت اسلامیہ نے ایسی عورت کو مرد کے ہاتھ اور پاؤں اور گردن کی زنجیر بنا کر اس میں جکڑنا اور اس کی کمر توڑنے والا بوجھ بنانا نہیں تجویز کیا اور نہ اس دنیا میں مرد کے ساتھ ایسی عورت کو رکھکر اس کا دوزخ بنانا چاہا ہے ؎

زن بد در سرائے مرد نکو　　ہم درین عالم ست دوزخ او

لہذا اللہ تعالیٰ نے ایسی عورت کی جدائی مشروع فرمائی۔ اور وہ جدائی بھی اس طرح مشروع فرمائی کہ مرد عورت کو ایک طلاق دے پھر عورت تین طہر یا تین ماہ تک اس مرد کے رجوع کا انتظار کرے۔ تاکہ اگر عورت سدھر جائے اور شرارت سے

باز آجائے اور مرد کو اس عورت کی خواہش ہوجائے یعنی خدائے مصرف القلوب عورت
کی طرف مرد کے دل کو راغب کر دے تو مرد کو عورت کی طرف رجوع ممکن ہوسکے اور
جس کے لئے رجوع کرنے کا دروازہ مفتوح ہے تاکہ مرد عورت سے رجوع کر سکے اور جس
امر کو غصہ و شیطانی جوش نے اس کے ہاتھ سے نکال دیا تھا اس کو لے سکے اور چونکہ
ایک طلاق کے بعد پھر بھی جانبین کی طبعی غلبات اور شیطانی تحریک کا عود ممکن
تھا اس لئے دوسری طلاق علاوہ مذکورہ کے اور مشروع ہوئی تاکہ معلوم ہو جائے بار بار
کی طلاق کی تلخی کا ذائقہ چکھ کر اور تجربہ کر کے خود سمجھ لے اور آئندہ ایسا نہ کرے جس سے اس کے
خاوند کو غصہ آوے اور اس کے لئے جدائی کا باعث ہو اور مرد بھی عورت کی جدائی
محسوس کر کے عورت کو طلاق نہ دے۔

اور جب اسی طرح تیسری طلاق کی نوبت آپہنچے تو اب یہ وہ طلاق ہے کہ
جس کے بعد خدا کا یہ حکم ہے کہ اس مرد کا رجوع اس عورت مطلقہ ثلاثہ سے نہیں
ہوسکتا اس لئے جانبین کو کہا جاتا ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق تک تمہارا
رجوع آپس میں ممکن تھا۔ اب تیسری طلاق کے بعد رجوع نہ ہوسکے گا تو اس قانون
کے مقرر ہونے سے وہ دونوں مضطر ہوجائیں گے۔ کیونکہ جب مرد کو یہ تصور ہوگا کہ تیسری
طلاق اس کے درمیان اور اس کی بیوی کے درمیان بالکل جدائی ڈالنے والی ہے تو وہ
طلاق دینے سے باز رہے گا کیونکہ جب اس کو اس بات کا علم ہوگا کہ اب تیسری
طلاق کے بعد یہ عورت مجھ پر بدون شخص ثانی کے شرعی معروف و مشہور نکاح اور
اس کی طلاق و عدت کے حلال نہ ہوسکے گی اور پھر دوسرے شخص کے نکاح سے
عورت کا لوٹنا بھی یقینی نہیں اور دوسرے نکاح کے بعد بھی جبتک دوسرا خاوند

اس کے ساتھ دخول نہ کر چکے اور اس کے بعد یا تو وہ دوسرا خاوند مر جائے یا وہ اس کو برضاء
خود طلاق دیدے اور وہ عورت عدت پوری کر لے تب جا کر وہ اس پہلے خاوند کی طرف رجوع
کر سکتی ہے تو اس وقت مرد کو اس بات کا خیال ہوگا کہ پہلے اپنے دوسرے کے رجوع
کرنے سے ایک غیرت اور اندیشہ پیدا ہو جائے گی اور وہ ان تینوں کو بالکل ایسی صریح عبارات
یعنی طلاق کے واقع کرنے سے باز رہے گا اسی طرح جب عورت کو اس امر کی جو رجوع کی
بابت ہوگی تو اس کے اخلاق بھی درست رہیں گے اور ان کے ان کی آپس میں
اصلاح ہوتی رہے گی۔ اور اس حکم ثانی کے متعلق نبی علیہ السلام نے اس طرح تاکید فرمائی
کہ اگر کوئی شخص اس کے بعد بھی اگر دوسرا شخص اس عورت سے اپنے پاس ہمیشہ کی
طور پر رکھنے کا ارادہ سے نکاح نہ کرے بلکہ خاص حلالہ ہی کے لئے کرے تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے اور جب پہلا شخص اسی قسم کے
حلالہ کے لئے کسی کو رضامند کرے تو اس پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ عن ابن عباس
رضی اللہ عنہ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المحلل والمحلل لہ
ترجمہ: یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے پر
لعنت فرمائی تو شرعی حلالہ وہ ہے جو خود ایسے اسباب پیدا ہو جائیں کہ جس طرح پہلے
خاوند نے اتفاقاً عورت کو طلاق دی تھی اسی طرح دوسرا بھی طلاق دے یا مر جائے تو
عورت کا رجوع بعد عدت پہلے خاوند کی طرف بلا کراہت درست ہے۔

پس اتنی سخت رکاوٹوں کے بعد پہلے خاوند کی طرف رجوع مشروع ہونے کی وجہ
بیان مذکورہ سے ظاہر و باہر ہے کہ اس میں عزت و عظمت امر نکاح کی اور شکر نعمت
الٰہی کا اور اس نکاح کا دوام اور عدم قطع ملحوظ ہے کیونکہ جب خاوند کو عورت کی جدائی سے

اس کے حبل ثانی تک اتنی رکاوٹیں درمیان میں حائل ہونے والی متصور ہوں گی تو وہ تیسری طلاق تک نوبت نہیں پہنچائے گا۔ ان الشارع حرمها عليه حتى تنكح زوجاً غيره عقوبة له ولعن المحلل والمحلل له لمناقضتهما ما قصده الله سبحانه من عقوبته وكان من تمام هذه العقوبة ان طول مدة تحريمها عليه فكان ذلك ابلغ فيما قصده الشارع من العقوبة فانه اذا علم انها لا تحل له حتى تعتد بثلاثة قروء ثم يتزوجها آخر بنكاح رغبة مقصود لا تحليل موجباً للعنة ويفارقها وتعتد من فراقه ثلثة قروء اخر طال عليه الانتظار وعيل صبره فامسك عن الطلاق الثلاث وهذا واقع على وفق الحكمة والمصلحة والزجر فكان التربص الثلاثة قروء في الرجعية نظراً للزوج ومراعاة لمصلحته لما لم يوقع الثالثة المحرمة لها عليه وههنا كان تربصها عقوبة له وزجراً لما اوقع الطلاق المحرم لما احل الله له واكدت هذه العقوبة بتحريمها عليه الا بعد زوج واصابة وتربص ثان۔

ایلاء کی مدت چار ماہ مقرر ہونیکی وجہ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے للذين يؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر فان فاؤا فان الله غفور رحيم وان عزموا الطلاق فان الله سميع عليم

ترجمہ: جو لوگ اپنی بیویوں سے جدا ہونے کے لئے قسم کھا لیتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کا انتظار ہے سو اگر وہ اس چار ماہ کے عرصہ کے اندر اپنے ارادہ سے باز آجاویں (اور رجوع کر لیں) تو خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے اور طلاق دینے پر پختہ ارادہ کر لیں (اسی طرح سے کہ رجوع نہ کریں) تو (یاد رکھیں کہ) خدا سننے اور جاننے والا ہے۔

ایلار کے معنی قسم کھانے کے ہیں اہل جاہلیت اس بات کا حلف یعنی قسم کھایا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں سے کبھی یا ایک مدت دراز تک جدا رہیں گے اس میں عورتوں پر نہایت ظلم اور ضرر تھا لہذا خدا تعالیٰ نے چار مہینے سے زیادہ مدت ایلار کی منسوخ فرما دی اور اس ایلار کی مدت چار مہینے مقرر ہونے میں بہت راز ہیں از انجملہ چند درج ذیل ہیں۔

(۱) اس مدت کے تعین کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اتنی مدت میں خواہ مخواہ نفس کو جماع کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اگر انسان کا وقت نہ ہو تو اس کے چھوڑنے سے ضرر پہنچتا ہے۔

(۲) یہ مدت سال کا ایک ثلث حصہ ہے اور نصف سے کم کا انضباط ثلث کیساتھ ہوا کرتا ہے اور نصف کو مدت کثیرہ شمار کیا جاتا ہے۔

(۳) اگر ایلار کی مدت زیادہ ہوتی تو مرد لاپرواہ ہو کر عورت کے نان ونفقہ کو ٹال دیتا اور یہ امر عورت کے لئے سخت مضر ہے کہ وہ کہاں سے کھاتی اور کہاں سے پہنتی اور کہاں رہتی۔

(۴) ممکن ہے کہ اس ایلار سے مرد نے عورت سے جماع کر لیا ہو جس سے احتمال حمل ہو سکتا ہے۔ اندریں صورت یہ ثبت ہم چار ماہ میں باکمل وجہ معلوم ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے پس اس مدت میں باکمل وجہ اور پورے طور سے ہر کسی کو شناخت حمل ہو سکتی ہے۔ پھر اگر حمل معلوم ہوا اور مرد رجوع بھی نہ کرے تو پھر عدت وضع حمل تک ہے۔

(۵) خدا تعالیٰ نے جو کہ دانائے راز نہاں و آشکارا ہے ایلار کی مدت چار ماہ مقرر کرنے میں یہ راز رکھا ہے کہ بالعموم فطرتی طور پر تندرست جوان عورت کو چار ماہ سے زیادہ اپنے مرد کی جدائی گراں و ناگوار گزرتی ہے اور وہ غالباً اس مدت تک

پھر اپنے مرد کا وصال چاہتی ہے چنانچہ حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں۔ اخرج ابن جریج قال اخبرنی من اصدق ان عمرؓ بینما ھو یطوف (ای فی المدینۃ) سمع امرأۃ تقول شعراً

تطاول ھذا اللیل واسود جانبہ	وارقنی ان لا خلیل الاعبہ
فلولا حذار اللہ لا شئی مثلہ	لزعزع من ھذا السریر جوانبہ

فقال عمرؓ ما لک قالت اغزیت زوجی منذ اشھر وقد اشتقت الیہ قال اردت سوءاً قالت معاذ اللہ قال فاملکی علیک نفسک فانما ھو البرید الیہ فبعث الیہ ثم دخل علی حفصۃ فقال انی سائلک عن امر قد اھمنی فافرجیہ عنی کم تشتاق المرأۃ الی زوجھا فخفضت رأسھا واستحیت قال فان اللہ لا یستحیی من الحق فاشارت بیدھا ثلاثۃ اشھر والا فاربعۃ اشھر فکتب عمرؓ ان لا تحبس الجیوش فوق اربعۃ اشھر۔ ترجمہ۔ یعنی ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے خبر دی اس شخص نے جس کی بات کو میں سچ جانتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات مدینہ منورہ کی گلیوں میں اپنی خلافت کے زمانہ میں بپاس خاطر رعیت گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت کو شعر ذیل پڑھتے سنا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رات دراز ہو گئی اور اس کے اطراف سخت تاریک و سیاہ ہو گئے ہیں اور مجھے اس خیال نے بیدار کر دیا ہے کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے کہ جس کے ساتھ کھیلوں اگر مجھے خدا بے مثل و بے مانند کا ڈر نہ ہوتا تو میری اس چارپائی کی طرفین ہلائی جاتیں۔ پس حضرت عمرؓ نے اس عورت کو آواز دے کر کہا تو کیا چاہتی ہے اس عورت نے کہا کہ آپ نے میرے خاوند کو کئی ماہ سے غزوہ پر بھیجا ہے اور آپ مجھے اپنے خاوند کے

ملنے کی مشتاق ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا تو برا خیال رکھتی ہے اس عورت نے کہا خدا کی پناہ میرا یہ خیال نہیں ہے پس حضرت عمر نے اس کو فرمایا کہ تو اپنے آپ کو ضبط رکھو اتنی دیر کہ تیرے خاوند کو بلانے کے لئے قاصد روانہ کیا جائے گا پھر حضرت عمر بی بی حفصہ کے پاس آئے اور حفصہ سے کہا کہ میں تجھ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں جس کا مجھے بڑا اہتمام ہے اور مشکل ہے اس کو حل کر دو۔ اور وہ یہ ہے کہ کتنی مدت کے بعد عورت کو اپنے خاوند کے وصال کا شوق پیدا ہوتا ہے حفصہ نے اپنا سر نیچے کر لیا اور شرما گئیں حضرت عمر نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا پس حفصہ نے اپنے ہاتھ سے تین مہینے کا اور پھر زیادہ سے زیادہ چار مہینے کی مدت تک کا اشارہ کیا یعنی مرد کو چاہیے کہ تین ورنہ چار ماہ تک ضرور اپنی عورت سے ملے پس حضرت عمر نے لشکروں کے افسروں کے نام خط لکھ کر روانہ کئے اور تاکید کی کہ کسی سپاہی کو چار ماہ سے زیادہ لشکر میں بند نہ رکھا جائے یعنی ہر سپاہی کے ہر چار ماہ کے بعد گھر پر آنے کی رخصت کا عام حکم نافذ فرما دیا۔

وفات انبیاء کے بعد انکی عورتوں سے اوروں کو نکاح حرام ہونیکی وجہ

انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کو بعد مرگ بھی قریب قریب وہی تعلق اپنے اجسام سے رہتا ہے جو قبل از مرگ تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے اجساد مثل اجسام احیاء کے پھوٹتے پھٹتے نہیں چنانچہ احادیث میں موجود ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انکی ازواج مثل ازواج احیاء اوروں سے نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتیں اور یہی وجہ ہے کہ انکے سوال کو مثل احیاء ان کے وارث تقسیم نہیں کر سکتے اور اسی وجہ سے حدیث لا نورث کو معارض آیت یوصیکم اللہ اور آیت لا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا کو معارض آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا نہیں کہہ سکتے کیونکہ آیت

یوصیکم اللہ اور آیت والذین یتوفون کے مصداق وہ ہیں جن کی ارواح کو ان کے ابدان کے ساتھ وہ تعلق نہ رہا ہو جو حالتِ حیات میں تھا چنانچہ للرجال نصیب مما ترک الوالدان میں لفظ ترک اور آیت والذین یتوفون میں لفظ توفی اس کا شاہد ہے علیٰ ہذا آیت ولیخش الذین لو ترکوا من خلفہم ذریۃ ضعافا میں لفظ ترکوا قرینہ مضمون معروض ہے کیونکہ جیسے مضمون توفی جس کے معنی لغوی قبض کے ہیں جبھی چسپاں ہوتا ہے جبکہ کوئی چیز نکال لی جائے اور یہ بات یہاں اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے کہ جب روح کو بدن سے نکال باہر کیا جائے کیونکہ الذین کا مصداق آیت والذین یتوفون میں وہی ہے اور نیز وہ نہ ہو تو جسم ہوگا اور ظاہر ہے کہ جسم مورد توفی وقت مرگ نہیں ہوتا کیونکہ وہ کہیں نکالا نہیں جاتا اس لئے یہی کہنا پڑے گا کہ ایسے لوگوں کی روح کو اپنے جسم سے وہ علاقہ نہیں رہتا جو وقت حیات تھا ایسے ہی مضمون ترک بھی گرفتاران محبت اولاد و اموال کے حق میں جبھی صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس خاکدان سفلی کو چھوڑ کر عالم علوی کو چلے جاویں سو یہ بھی جبھی متصور ہے جبکہ روح کو وہ تعلق نہ رہے ورنہ وہ ترک نہیں بلکہ مثل بندیوان دست و پابستہ ملاقات اولاد و تصرفات اموال سے مجبور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیدیوں کے ازواج و اموال انکی ملک سے خارج نہیں ہوتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ سکنہ والے کی ازواج و اموال بدستور اس کے ملک میں باقی رہتے ہیں گو ان لفظوں میں یہ فرق ہے کہ قیدیوں کے اجسام مقید ہو جاتے ہیں مگر ان کا قیدخانہ یہی جسم خاکی ہوتا ہے اس لئے وہ پھیلاؤ جو بذریعہ ظہور افعال اختیاریہ ہوا کرتا ہے اور نور آفتاب و قمر کے پھیلاؤ کے مشابہ ہوتا ہے ایسی طرح بند ہو جاتا ہے جیسے چراغ پر کسی ظرف کے رکھدینے کے وقت اس کے نور کا پھیلاؤ بند ہو جاتا ہے سو

یہی صورت بعینہ انبیاء علیہم السّلام کی موت کی سمجھ لو اتنا فرق ہے کہ سکتہ میں سوائے بعض
مواقع تمام اعضاء میں سے رُوح کھینچ لے جاتی ہے اور تمام قوائے روحانی کو مثل قوت
سامعہ وقوت باصرہ اپنے اپنے مواقع سے کھینچ لیتے ہیں اور اس وجہ سے اگر تدبیر مناسب
نہ بن پڑے تو رفتہ رفتہ بالکل کھینچ کر باہر کردیتے ہیں اور ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ
علاقہ بدستور رہتا ہے مگر اطراف وجوانب سے سمٹ آتی ہے اس لئے حیات جسمانی
کو نسبت سابق اسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف مذکور کے رکھ دینے کے بعد
چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض
کرو کہ چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہونے کو ہو بہر حال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے
ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے بلکہ کیفیت حیات میں بوجہ اجتماع اور بھی قوت آجاتی
ہے اور مثل چراغ وظلمت ظرف محیط حیات وموت دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں۔
الغرض بقائے حیات انبیاء ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی
ازواج کو نکاح ثانی کی اجازت نہیں اور اسی وجہ سے ان کے اموال میں میراث کا جاری
ہونا مقرر نہیں ہوا اور نیز اس حکم میں عظمت انبیاء بھی منظور ہے اور لفظ ترک گو ایک
حدیث میں منسوب الی الانبیاء بھی ہے مگر دلائل حیات کے قرینہ سے وہ مشاکلۃً مجاز ہے

عورت کیلئے ایک سے زیادہ خاوند کرنے سے ممانعت کی وجہ

(۱) عورت اولاد کے حق میں ایسی ہی جیسے
زمین پیداوار کے حق میں مگر پیداوار کو تو بوجہ تشابہ اجزاء برابر بانٹ سکتے ہیں اسلئے
اس کی شرکت میں کچھ حرج نہیں مگر ایک عورت اگر چند مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ
استحقاق نکاح اول تو بہر زم ہر کسی کو استحقاق قضائے حاجت اس صورت میں

اول تو اسی وجہ سے اندیشہ فساد و عناد ہے شاید ایک ہی وقت سب کو ضرورت
ہو دوسرے بعد نکاح اگر بوجہ استحقاق مذکور سب اس سے اپنا مطلب نکالنا چاہیں تو
درصورت تولد فرزند واحد تو فرزند کو پارہ پارہ نہیں کر سکتے جو اس طرح تقسیم کر کے اپنے
پارہ کو ہر کوئی لے جائے اور متعدد فرزند ہوں تو بوجہ اختلاف ذکورت و انوثت و تفاوت
شکل و صورت و تباین خلق و سیرت و فرق قوت و ہمت تو از بس ممکن نہیں ہو پایا
کہ ایک ایک لے کر اپنے دل کو سمجھا لیں پھر بوجہ تساوی حیثیت جملہ اولاد یہ دوسری دقت
رہی کہ ایک کے وصال سے اتنا سرور نہ ہوگا جتنا اوروں کے فراق سے رنج اٹھانا
پڑے گا پھر اس وجہ سے خدا جانے کیا فتنہ برپا ہو۔ غرض ہر طور اس انتظام میں
خرابی نظام عالم تھی۔ ہاں اگر ایک مرد ہو اور متعدد عورتیں ہوں تو جیسے ایک
کسان متعدد کھیتوں اور زمینوں میں تخم ریزی کر سکتا ہے۔ ایسے ہی ایک مرد
بھی متعدد عورتوں سے بچے جنوا سکتا ہے اور پھر اس کے سوا اور کوئی خرابی
نہیں عورتوں کے رنج سے چنداں فساد کا اندیشہ نہیں قتل و قتال کا کچھ خوف نہیں۔

(۳) عورت موافق قواعد اسلام محکوم اور مرد حاکم ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو وہ
مالک ہوتا ہے کہ اس کو مالک کہا کرتے ہیں اور کیونکر نہ کہیں باندیاں تو مملوکہ ہوتی
ہی ہیں بیبیاں بھی بدلیل مہر ان کی خریدی ہوئی ہوتی ہیں وہاں اگر اعتاق تو یہاں
طلاق یعنی جیسے باندی غلام باختیار خود قید غلامی سے رہا نہیں ہو سکتے۔ ہاں مالک
کو اختیار رہتا ہے وہ چاہے تو آزاد کر دے۔ ایسے ہی عورت باختیار خود قید خاوند سے
رہا نہیں ہو سکتی۔ البتہ خاوند کو اختیار رہتا ہے چاہے تو طلاق دیدے جیسے باندی
غلام کا نان و نفقہ مالک کے ذمہ ہوتا ہے ایسے ہی عورت کا نان و نفقہ خاوند کے

ذمہ ہے جیسے مالک ایک اور غلام باندی کئی کئی ہوتے ہیں ایسے ہی خاوند ایک اور
عورتیں کئی کئی ہوتی ہیں بالجملہ عورتیں موافق قواعد اہل اسلام مملوک اور محکوم
اور خاوند مالک اور حاکم ہوتا ہے اور خاوند کی طرف سے بیع و ہبہ کا نہ ہو سکنا دلیل
عدم الملک نہیں اگر یہ بات دلیل عدم الملک ہوا کرے تو خدا کا مالک ہونا بھی ثابت
نہیں ہو سکتا بلکہ بیع و ہبہ سے ملک کا منتقل نہ ہونا بعد ثبوت ملک جس کا بیان
ہو چکا اسی طرح قوت ملک پر دلالت کرتا ہے جیسے خدا کے ملک کا منتقل نہ ہونا اسکے
ملک کی قوت پر دلالت کرتا ہے اور اس وجہ سے شوہر کو دربارۂ مالکیت خدا سے مشابہت
تام ہے پر چونکہ خدا کے مالک کے سامنے شوہر کی ملک برائے نام ہے اور پھر اسکے
ساتھ خدا کی ملک ممتنع الانفکاک اور شوہر کی ملک بوجہ ثبوت طلاق ممکن الزوال مگر
پھر بھی جس قدر خدا کی ملک سے شوہر کی ملک مشابہ ہے اس قدر اور کسی کی ملک مشابہ
نہیں۔ الحاصل شوہر کی ملک میں کچھ کلام نہیں بلکہ اس کی ملک اوروں کی ملک سے
قوی ہے وہ حاکم ہے اور عورت محکوم۔ اور ظاہر ہے کہ محکوموں کا تعدد اور ان کی
کثرت موجب عزت ہے وہ بادشاہ زیادہ معزز سمجھا جاتا ہے جس کی رعیت زیادہ ہو
اور احکام کی کثرت موجب ذلت ہے اور طریقہ تو حکام کی کثرت کا نہیں۔ ہاں یہ
صورت ہوتی ہے کہ نیچے سے اوپر تک جتنے حکام ہوں ان سب کا یا اکثر کا یا بعض
کا محکوم ہو عوام رعیت کو دیکھئے وہ سب کے محکوم ہوتے ہیں اور کسی کے حاکم نہیں
ہوتے۔ ان سے بڑھکر کوئی ذلیل نہیں اور حکام ماتحت حکام بالادست کے تو
محکوم ہوتے ہیں اور رعیت کے حاکم وہ رعیت سے معزز اور حکام بالادست سے
سے ذلیل ہوتے ہیں اس طرح دور تک چلے چلو بادشاہ سب کا حاکم ہوتا ہے اور

عـــہ یعنی جس کا جدا ہونا محال ہو ۱۲

کسی کا محکوم نہیں ہوتا اس سے بڑھ کر کوئی معزز ہی نہیں ہوتا اس صورت میں اگر کسی عورت کے متعدد خاوند ہوں تو یہ ایسی صورت ہوگی جیسے فرض کرو ایک شخص تو رعیت ہو اور اس کے بادشاہ اور حاکم کثیر سب جانتے ہیں کہ یوں نہیں ہوا کرتا اور مرد کیلئے بہت سی عورتیں ہونا کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ مرد مخدوم ہے اور عورت خادم ایک مخدم کے لئے بہت خادم ہو سکتے ہیں مگر ایک خادم بہت سے مخدوموں کیلئے نہیں ہو سکتا

(۳) عورت کے اندر خدا تعالیٰ نے فطرۃً ایک شرم وحیا کا وصف ایسا پیدا کیا ہے کہ وہ غیر مردوں کے سامنے آتے جھجکتی ہے عورت جب مرد سے کوئی بات کرنے لگتی ہے تو شرم کے مارے بار بار اپنی آنکھیں جھکا لیتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فاحشہ عورتوں کے سوائے جن کی فطری قوت حیا بالکل ضائع اور معدوم ہو جاتی ہے۔ باقی سب عورتیں اپنی نیچرل[1] حالت میں مردوں سے حیا اور حجاب کرتی ہیں۔ مادۂ حیا جو خدا تعالیٰ نے ان کی فطرت میں پیدا کر رکھا ہے ثابت کرتا ہے کہ وہ ایک ہی خاوند کے لئے ہیں کیونکہ کئی مردوں سے تعلق رکھنے میں بے حیا رہ نہیں سکتی جیسا بازاری عورتوں میں مشاہدہ ہے۔

(۴) تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ ایک مرد عند الضرورۃ کئی جورو[2] کرلے تو بھی سب کے ساتھ نباہ سکتا ہے مگر ایک عورت دو خاوندوں کی بی بی ہو کر کبھی نباہ نہیں سکتی۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرد کے لئے کئی جورویں ہو سکتی ہیں مگر ایک عورت کے لئے کئی خاوند نہیں ہو سکتے۔

(۵) دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے اکثر زیادہ رہتی ہے اور یہ امر صریح دلیل ہے اس بات کی کہ ایک مرد کے لئے کئی جوروئیں ہو سکتی ہیں مگر اس کے برعکس

[2] بیوی ۱۲

[1] یعنی فطری طبعی حالت میں ۱۲

قدرت کی مرضی نہیں۔

(۶) مرد کو پروردگار نے عورت کی نسبت قوی اور زبردست پیدا کیا ہے اور عورت کو نازک اور ضعیف الاعضاء۔ لہٰذا اس سے ظاہر ہے کہ قوی ہی زیردستوں کو اپنے ماتحت رکھ سکتا ہے نہ کہ برعکس۔

(۷) قدرتی تعلق کی طرف غور کریں تو ایک عورت کہ اگر سو خاوند بھی ہوں تاہم ایک حمل میں وہ ایک دو بچے سے زیادہ جن نہیں سکتی۔ مگر ایک مرد کے پاس جس قدر جورو ہوں وہ سب توالد کو پورا کرنے کا واسطہ ہو سکتی ہیں۔

بہشت میں مردوں کیلئے زیادہ عورتیں ملنے کا راز اور عورتوں کیلئے ایک سے زیادہ خاوند نہ ہونے کی وجہ

(۸) انعام میں راحت کے سامان اور اعزاز و اکرام کے سامان دیئے جاتے ہیں۔ بے رنج وکلفت کے سامان اور تحقیر و توہین کے سامان انعام میں نہیں دیئے جاتے۔ یہ چیزیں سزا کے لیے ہوتی ہیں۔ بہشت چونکہ انعام کا مقام ہے اس لیے وہاں یہی چیز ہوگا اگر وہاں ایک مرد کو متعدد عورتیں ملیں تو اعزاز و اکرام بھی ہے اور راحت و آرام بھی ہے اور ایک عورت کو متعدد خاوند ملیں تو راحت و آرام تو کچھ زیادہ نہ ہوگا خاصکر اس صورت میں جبکہ مرد کی قوت سب عورتوں کی خواہش کے برابر بڑھائی جائے جیسے اہل اسلام کی روایتیں اس پر شاہد ہیں۔ بلکہ بجائے اعزاز و اکرام اُلٹی تحقیر و تذلیل و توہین ہوگی۔

اگر ایک عورت کے لئے کئی خاوند قرار دیئے جاتے تو یوں کہو کہ حاکم متعدد ہونگے اور حاکم متعدد ہوئے تو جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت زیادہ ہوگی سو یہ تحقیر اور تذلیل اور توہین عورت کے حق میں اگر جائز ہوتی تو دنیا میں کسی مذہب میں شاید اس کی اجازت ہوتی۔ بہشت میں جو جائے عزت و آرام ہے یہ صورت تحقیر ہرگز

ممکن الوقوع نہیں۔ ہاں اگر ایک ناوند سے رفع ضرورت متصور نہ ہوتی یا لذت میں
کمی رہتی تو اس وقت شاید یہ اجازت بھی ان کے لیئے تجویز کیا جاتا مگر روایات
صحیحہ اہل اسلام اس پر شاہد ہیں کہ ایک مرد کو بہشت میں اتنی قوت ہوگی کہ علی الاتصال
کتنی ہی عورتوں کے پاس جا سکے اور جس طرح رب العالمین نے دنیا کے اندر مرد و
عورت کی حالت اور فطرت میں اختلاف کیا ہے یعنی مرد حاکم ہے اور عورت محکوم اور
مخدوم ہے اور عورت خادم اور مرد کی پابند رہتی ہے اور عورتوں کے [illegible] اسی طرح جنت میں
بھی ان کی حالت میں اختلاف رہے گا۔

عورت کو جنت میں بھی ایک ہی خاوند پر منحصر رہنا پڑیگا اور [illegible]

خداوند تعالیٰ نے بادشاہی و امارت میں عورتوں پر فضیلت دی ہے مردوں کو عورتوں پر حاکم
بنایا تاکہ وہ عورتوں کے مصالح و بہبودی میں کوشاں رہیں اور ان کے امور معاش
کے لیے چلتے پھرتے رہیں اور خطرناک مقامات میں وارد ہوں اور جنگلوں اور بیابانوں کو
طے کریں اور اپنی جانوں کو عورات کے لیئے محنت و مشقت میں ڈالیں پس خداتعالیٰ نے
مردوں کی قدردانی کی ہے اور ان کو وہ اختیارات دیئے ہیں جو عورتوں کو نہیں دیئے
اور مردوں کو وہ طاقتیں دی ہیں جو عورتوں کو نہیں دیں جب تم مردوں کی محنت و
مشقت میں غور کرو گے جو کہ عورتوں کے مصالح و بہتری میں ساعی رہتے ہیں تو تم پر صاف
عیاں ہو جائے گا کہ عورات کی محنت مردوں کی نسبت بہت کم ہے اور مردوں کا حصہ
محنت و مشقت و تحمل میں زیادہ تر ہے اور یہ امر خداتعالیٰ کے کمال حکمت اور اس کی
رحمت پر مبنی ہے پس جبکہ مرد پر اس قدر بوجھ ڈالے گئے ہیں تو اس سے صاف ثابت

ہوتا ہے کہ اس میں ان بوجھوں کی برداشت کی طاقت بھی زیادہ رکھی گئی ہے اور وہ کئی عورتوں کو بھی رکھ سکتا ہے اور جبکہ عورت پر اس قدر بوجھ نہیں ڈالے گئے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان بوجھوں کے برداشت کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس لئے حق تعالیٰ نے عورت کی فطرت و سرشت کے مطابق ہر ایک عورت کے لئے ایک ہی خاوند تجویز فرمایا۔

کتاب الرق

غلامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی غلامی کی فلاسفی اور اسلام سے پہلے غلامی کی حالت

الحمد للہ الذی خلق الناس نوعین الادانی والاعالی لیتخذ بعضہم بعضا سخریا والصلاۃ والسلام علی رسول محمد المصطفی واحمد المجتبیٰ الذی جعلہ اعدل الناس لیکون لہم اسوۃ حسنۃ وشفیعا وعلی آلہ واصحابہ ھذا طریق الحق وحماۃ الاسلام۔ امابعد واضح ہو کہ جن لوگوں نے غلامی کے خلاف لکھا ہے انھوں نے اس کی اس قدر تقبیح کی ہے اور اس کو سرتا پا خوبیوں سے اس قدر خالی اور مضرات سے اس قدر پرتاب کر کے دکھانے کی کوشش کی ہے کہ جو شخص ٹھنڈے دل سے اور جوش سے خالی ہو کر اس مضمون پر قلم اٹھائے (جس کا یہ مقصد ہو کہ ہر شئی کی تہہ تک پہنچے اور بدی پر اس وقت بھی لعنت بھیجنے کیلئے تیار ہو جبکہ وہ نیکی کا لباس پہنکر نکلے اور نیکی کی اس وقت بھی تعریف کرنے کے لئے آمادہ ہو جبکہ تمام دنیا اس نیکی کو برا سمجھ رہی ہو) اس شخص کا فرض ہوگا کہ ابتدا ہی میں اس غلط فہمی کو دور کرے کہ غلامی کا رواج سراسر لغو اور فضول تھا جس سے کوئی فائدہ نہ تھا

بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان تھا۔ اس لئے میں بھی اس غلط فہمی کو دُور کرتا ہوں پس
سمجھنے [illegible] یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی اپنی تدریجی ترقی میں ایسی حالتوں سے ہو گذری
ہے کہ ان حالات کے ماتحت غلام بنانے میں نہ صرف وہ حق ہی پر تھے بلکہ ضروری تھا
کہ ایسے حالات میں غلامی کا رواج ہوتا تو دنیا میں بہت سے رواج ابتک ایسے چلے آتے
ہیں کہ جن پر غور کرو تو وہ دل پر ایک دہشت سی پیدا کرتے ہیں مگر تاہم بہت سے اغراض ترقی
کے لئے ان کا جاری رہنا ضروری ہے جس وقت ایک فتح یاب جرنیل بڑے بڑے جہازوں کو
جن پر ہزار ہا انسان ملک کے چیدہ اور بہادر نوجوان موجود ہوتے ہیں ایک دم غرق کرکے
سمندر کی تہہ میں پہنچا دیتا ہے یا ایک بڑے شہر پر گولہ باری کرکے بیشمار بے گناہ عورتوں
[illegible] بچوں کو تباہ کر دیتا ہے تو کبھی اس کی آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں آتا مگر [illegible] حالت
[illegible] کہنا جائز نہ ہوگا کہ وہ ایک سخت دل ظالم اور بے رحم انسان ہے۔ وہ لوگ جو اپنی
[illegible] سبب ایک انسان کے قتل کو برداشت نہیں کر سکتے اور اس کے واقعات کو سنکر
[illegible] ہیں۔ وہی دوسرے موقعوں پر ہزار ہا انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرکے
یا اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھکر کبھی لرزہ نہیں کھاتے بلکہ بسا اوقات خوش
ہوتے ہیں جنگوں کا ہونا انسانی سوسائٹی کی ضروریات میں سے رہا ہے اور ابتک
یہی حال ہے۔ جوں جوں انسانی گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کیا جاوے یہ معلوم ہوگا کہ
لڑائیاں انسان کی ابتدائی ترقی میں اس کی موجودہ حالت سے بڑھکر ضروری رہی ہیں۔
اور انہی جنگوں کے لوازم میں سے ہی غلامی بھی ہے بلکہ درحقیقت غلامی کا رواج انسانی
ترقی میں ایک عظیم مرحلہ تھا کیونکہ اس رواج کے ساتھ وہ بے رحمی جاتی رہی جس کی رُو سے
کل کے کل اسیر جو کسی دوسری قوم کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگے ہوں قتل کئے جاتے تھے

چنانچہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے۔

مگر اس بات کو ابھی تک لوگوں نے اچھی طرح نہیں سمجھا کہ پچھلی تمدنی تاریخی ترقی میں جنگ ایک ضروری فرض کو ادا کرنے والی تھی۔ اول اس لحاظ سے کہ جنگ کا اصل مقصود یہ تھا کہ متفرق قومیں ایک ہو جائیں اور اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ مخالفین میں سے جو لوگ پکڑے جائیں وہ ایک ماتحتی کی حالت میں رکھے جائیں تا کہ دوبارہ اس قوم کو سر اٹھانے کی طاقت نہ ہو اور یوں جنگ کا اصلی مقصد حاصل ہو۔ دوم اس لحاظ سے کہ یہ مسلّم امر ہے کہ ابتدا میں انسانی سوسائٹی میں محنت اور مشقت کے کاموں سے گریز کیا جاتا ہے اور عموماً آرام طلبی زیادہ ہوتی ہے پس جب ایک قوم کے لوگ اپنے مخالفوں کے درمیان آ کر رہیں گے تو وہ سوائے مجبوری کے کبھی کام نہ کریں گے اس لئے ضروری ہوا کہ ان کو غلام بنا کر ان سے کام لیا جاوے۔ اس دوسرے امر کے متعلق اس قدر کہدینا کافی ہے کہ دنیا کی کسی قوم میں بھی خود بخود اور خوشی سے محنت کو اختیار نہیں کیا گیا بلکہ ہر ایک ملک میں جس کا ہمیں علم ہے یہی نظر آتا ہے کہ زبردستوں نے مجبور کر کے زیردستوں کو کام پر لگایا ہے اور ان سے محنت شاقہ کے کام لئے ہیں اور آخر جب مدت تک یہ مجبوری چلی آئی تو پھر اس قوم کی عادت میں وہ امر داخل ہو گیا۔ امر اول کے لحاظ سے آزاد آدمی لازماً جنگ پیشہ تھے اور غلام محنت کا کام کرنے والے لوگ تھے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے لئے بطور معاون تھے اور ایک کا وجود دوسرے کے لئے سہارے اور آسائش کے لئے اور اس کے کام پر لگائے رہنے کے لئے ضروری تھا اور یوں بغیر مقابلہ در جھگڑے کے وہ دونوں ایک دوسرے

کے معاون ہو کر انسانی سوسائٹی کی ترقی کے ذرائع تھے۔"

اسلام میں غلاموں سے سلوک

یہ ایک امر واقع ہے جس کی تصدیق روزمرہ واقعات سے ہو رہی ہے کہ مسلمانوں میں مالک اور مملوک کا تعلق مغرب میں آقا اور نوکر کے تعلق سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگ صاحب مرتبہ یا صاحب ثروت ہیں وہ غریب لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر یہ تحقیر ان مغربی اقوام میں سب سے بڑھی ہوئی ہے جن کو اس بات پر فخر ہے کہ ہم غلامی کے رواج سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ غلامی کے نام کو انھوں نے دور کر دیا ہے مگر اس کی حقیقت اب بھی نوکر اور آقا کے تعلقات میں ویسی ہی پائی جاتی ہے اور نام کی تبدیلی سے حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ایک مہذب مغربی جب ایک غیر قوم کے آدمی کو ملازم رکھتا ہے تو وہ اسے ایک وحشی سے بھی بدتر سمجھکر سلوک کرتا ہے خصوصاً اس حالت میں جب ملازم کا کام ادنیٰ درجہ کا ہو اور جہانتک سختی اور سلوک کا سوال ہے کوئی شخص امتیاز نہیں کر سکتا کہ صاحب کا سلوک اپنے نوکر سے اچھا ہے یا قدیم زمانہ میں ایک رومی کا تعلق اپنے غلام سے اچھا تھا۔ یہ ہی کوئی موسم گرما ایسا گذرتا ہوگا جبکہ ہمارے کانوں میں نہ پڑتی ہو کہ ایک غریب پنکھا قلی کو آقا نے مار مار کر مرف اس لیے ہلاک کر دیا کہ اس بدقسمت کو تھکاوٹ کر فرا اونگھ آگئی تھی اس حالت میں میں نہیں سمجھتا کہ رومی مالک کو وہ کونسا اختیار اپنے غلام پر حاصل تھا۔ جو اب ایک مہذب عیسائی کو اپنے نوکر پر حاصل نہیں یا کونسی بدسلوکی وہ کرتا تھا جو اب نہیں کی جاتی اور گالیاں دینا یا معمولی طور پر مار لینا تو کوئی بات ہی نہیں۔ مہذب مغربی قوم کو غلامی کے موقوف کرنے پر اس وقت تک فخر نہیں کرنا چاہیئے جبتک کہ حقیقت غلامی

یعنی نوکروں پر ظلم اور ان کے ساتھ بدسلوکی سے وہ نجات حاصل نہ کرلیں اگر غلامی موقوف کرنے میں بڑی غرض یہ تھی کہ جو ظلم ایک مالک مملوک سے خدمت لینے میں کرسکتا ہے وہ اُن کو نہ کیا جا سکے اور ان لوگوں کو جو کہ غلام کہلاتے ہیں ان کی ذلیل حالت سے نکالکر دوسرے انسانوں کی طرح ان کو سمجھا جاوے تو ہم دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یورپ میں ابھی تک غلامی کا رواج دور نہیں ہوا اور ابھی تک وہ مقصد حاصل نہیں کیا جو اسلام نے اس تیرہ سو سال پہلے حاصل کر چکا ہے کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یورپین دیسی لوگوں کو جن سے وہ خدمت کا کام لیتے ہیں وحشیوں سے اچھا نہیں سمجھتے پھر اتنی بات سے کیا فرق ہو جائے گا کہ وہ ان کا نام غلام نہیں بلکہ خادم رکھتے ہیں آقا اور خادم کے سچے تعلقات کو سمجھنے میں یورپ ابھی اسلام سے باوجود تیرہ صدیاں گذر جانے کے بہت پیچھے ہے جو ذلت قدیم اقوام میں غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی اور جو ذلت آج بھی غریب اور کم حیثیت آدمیوں کی کی جاتی ہے اسلام نے اس کو غلامی کے نام سے قطعاً دور کر دیا اور نہ صرف لفظوں میں ہی بلکہ عملی طور پر اسے جڑ سے کاٹ دیا۔ اسلام کے ظہور سے آقا اور خادم یا مالک اور مملوک کے تعلقات سچے برادرانہ تعلقات سے بدل گئے آقا اپنے غلام کی محنت کے کاموں میں شریک ہونے لگا اور غلام اپنے آقا کی وجاہت اور عزت میں شریک ہو گیا یہ صرف انھیں آقاؤں کی حالت نہ تھی جو سوسائٹی کے درمیانی یا نیچے درجہ میں تھے بلکہ معزز سے معزز اور دولتمند سے دولتمند آقاؤں کا بھی یہی حال تھا سب سے پہلے ہمیں قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنا چاہیے کہ وہ غلاموں کے ساتھ کیسا سلوک چاہتا ہے۔ اس بارے میں مفصلہ ذیل آیت قرآن کریم کی وارد ہے۔

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتمیٰ

والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللّٰہ لا یحب من کان مختالا فخورًا (النساء رکوع ۶ آیت ۳۶)

یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور احسان کرو ماں باپ کے ساتھ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ جو تمہارے قبضہ میں ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو درست نہیں رکھتا جو اتراتیں (یعنی دوسروں کے حقوق کی پرواہ نہ کریں) اور بڑائی مارتے پھریں (یعنی دوسروں کو حقیر سمجھیں) اس آیت شریف میں دو قسم کے احکام ایک ہی جگہ اکٹھے کر کے بیان کئے گئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی مخلوق سے نیکی اور دوسرے حصہ میں بعض وہ لوگ جن کے ساتھ انسان کو نیکی کرنی چاہیئے مخصوص کر کے بیان کئے گئے ہیں تاکہ ان کی طرف زیادہ توجہ ہو ان دونوں احکام کو ایک ہی جگہ بیان کرنے سے یہ مقصود ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کا کوئی شریک نہ ٹھہرانا اسلام لانے کے لئے ضروری ہے ویسا ہی مخلوق کے ساتھ بھی نیکی کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی دو شریعت کے بھاری اجزاء ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرنا اور اس کی مخلوق سے نیکی کرنا۔

پس جہاں انجیل غلاموں کے ساتھ سلوک کرنے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہتی قرآن کریم اسے ایسا ضروری قرار دیتا ہے جیسا والدین سے نیکی کرنا کیونکہ ایک سے ہی الفاظ میں دونوں احکام بیان کئے گئے ہیں یہ اس قدر صاف حکم غلاموں سے نیکی کرنے کا ہے جس سے کوئی دشمن اسلام بھی انکار نہیں کر سکتا۔

چنانچہ ہیوز نے اپنی ڈکشنری آف اسلام میں اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ

لکھتا ہے کہ "یہ بالکل صاف امر ہے کہ قرآن شریف اور احادیث میں غلاموں کے ساتھ نیکی کرنے کی بڑے زور کے ساتھ تاکید کی گئی ہے۔"

اس کے علاوہ دینی اخوت کا سلسلہ جو اسلام نے قائم کیا وہ بجائے خود ایک زبردست محرک نیک سلوک کا تھا آزاد عورتوں اور غلاموں کے درمیان اور آزاد مرد اور لونڈیوں کے درمیان نکاح جائز قرار دیے گئے ایک مشرکہ آزاد عورت اور مسلمان لونڈی میں نکاح کے وقت ترجیح لونڈی کو دی گئی اور ایک مشرک مرد اور مسلمان غلام میں ترجیح غلام کو دی گئی۔ بات بات پر غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا گیا اور اسے بعض گناہوں کا کفارہ قرار دیکر یہ سمجھایا گیا کہ غلاموں کے ساتھ نیکی کرنا اور ان کو آزاد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت ہی محبوب فعل ہے لونڈی اگر نکاح کے بعد فحش کی مرتکب ہو تو اس کی سزا آزاد عورت سے نصف رکھی گئی ہے۔ غلاموں کے نکاح کرنے کا خاص طور پر حکم دیا گیا چنانچہ فرمایا وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ (النور رکوع ۴۔ آیت ۳۲) (ترجمہ) اور تم میں سے جن کے ازواج نہیں ان کے نکاح کرو۔ اور نیز تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک بخت ہوں ان کے بھی نکاح کرو اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انھیں غنی کر دے گا۔

قبل از اسلام جو بدیاں عرب میں لونڈی غلاموں کے معاملہ میں تھیں ان سب کو دور کیا گیا منجملہ ان کے ایک یہ بدرسم بھی تھی کہ لونڈیوں سے بدکاری کرا کر اس مال سے فائدہ اٹھاتے جس کی خاص طور پر ممانعت قرآن شریف میں کی گئی ہے۔

یہ ہیں قرآن شریف کے احکام ان میں سب سے پہلے یہ امر دیکھنا چاہیے کہ ان احکام

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے متبعین نے کیا سمجھا اور ان پر کیونکر عمل کیا اس غرض کے لیے احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور آپ کے عمل کو سب سے پہلے دیکھنا چاہیئے۔ احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر زور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر دیا ہے اور پھر خود بھی اس حسن سلوک کا نمونہ دکھایا ہے اس سے اگر موازنہ کیا جاوے تو ماننا پڑے گا کہ کسی دوسرے مصلح نے آپ کے بالمقابل کچھ بھی نہیں کیا۔ سب سے پہلے میں غلاموں کی احادیث کو بیان کرتا ہوں اور پھر دوسری متفرق احادیث کو۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اخوانکم خولکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم ما یغلبھم فان کلفتموھم ما یغلبھم فاعینوھم۔ یعنی یہ تمھارے بھائی تمھارے خدمتگار ہیں اللہ نے انھیں تمھارے ہاتھ کے نیچے رکھا ہے پس جس شخص کا بھائی اس کے ہاتھ کے نیچے ہو اُسے چاہیئے کہ جو چیز آپ کھاتا ہے اسی میں سے اُسے بھی کھلاوے اور جو پوشاک آپ پہنتا ہے اُسی میں سے اُسے بھی پہناوے اور ان پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر ان کی طاقت سے زیادہ کام ان کو دو تو پھر ان کو مدد بھی دو۔

بتاؤ کہ اور کونسا ایسا انسانوں کا ہمدرد پیدا ہوا ہے یا کون مصلح ہے جس نے ایسے کامل اخوت آقا اور غلام میں پیدا کی ہو جو صرف الفاظ تک ہی محدود نہیں بلکہ عملی رنگ میں ہے کہ مالک اور مملوک کا ایک ہی لباس اور ایک سی خوراک ہو پھر یہی نہیں بلکہ غلاموں کی حالت بہت ہی قابل رشک معلوم ہوتی ہے جب ہم آپ کے ایک

صحابی رضؓ کے یہ پیارے الفاظ پڑھتے ہیں والذین نفسی بیدہ لولا الجہاد فی سبیل اللہ والحج وبرامی لاحببت ان اموت وانا مملوک۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں جہاد اور حج اور اپنی ماں کی خدمت نہ ہوتی تو میں پسند کرتا کہ غلامی کی حالت میں ہی مروں۔ پھر غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک صرف اسی حد تک محدود نہیں رکھا گیا کہ ان سے کام لیا جائے اور انکے ساتھ نیکی کی جائے بلکہ ان کی عمدہ پرورش کے لئے بھی جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ لونڈیوں کے متعلق یہ ہدایت فرمائی قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایما رجل کانت لہ جاریۃ فادبہا فحسن تعلیمہا واعتقہا وتزوجہا فلہ اجران۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اس کی تادیب کرے یعنی اسے اعلیٰ درجہ کے نیک اخلاق کی تربیت دے اور اس کو نہایت عمدہ تعلیم دے پھر اس کے بعد اُسے آزاد کرے اور اس سے نکاح کرے اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔

اس حدیث کی طرف میں خصوصیت سے ان کوتاہ نظروں کو توجہ دلاتا ہوں جو یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام عورت کو جاہل رکھنا چاہتا ہے۔ وہ غور کریں کہ آزاد عورتیں تو ایک طرف رہیں اسلام تو لونڈیوں کے متعلق بھی یہ حکم دیتا ہے کہ ان کو نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دی جاوے اسی حدیث سے نہایت صفائی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا مطمح نظر غلاموں اور لونڈیوں کو کس درجہ تک ترقی دینے کا ہے۔

بہت سی اور حدیثیں ہیں جن میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے بارہ میں تاکید کی گئی ہے ان میں سے مشکوٰۃ کی بعض حدیثوں کا ترجمہ لیں۔ صاحب نے اپنے ترجمہ الف لیلہ

کے نوٹوں میں دیا ہے اور انہی کو ہلیوں نے اپنی ڈکشنری آف اسلام میں نقل کیا ہے
ان میں سے بعض کا اُردو ترجمہ میں یہاں کر دیتا ہوں :۔

"اپنے غلاموں کو اُس کھانے میں سے کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ
جو تم خود پہنتے ہو اور ان کو ایسا کام کرنے کو نہ دو جوان کی طاقت سے بڑھکر ہو۔ جو
شخص اپنے غلام کو بلا وجہ مارتا ہے یا اس کے منہ پر مارتا ہے اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسی
آزاد کرے۔ جو شخص اپنے غلام سے سختی کرتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جو شخص ماں
اور بیٹے میں جُدائی پیدا کرتا ہے (یعنی لونڈی کو بیچ کر) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُسے
اس کے دوستوں سے جُدا کرے گا۔"

ان تمام احادیث سے نہایت صاف اور یقینی شہادت اس بات کی ملتی ہے کہ مذہب
اسلام میں غلام کو غلام سمجھا ہی نہیں گیا بلکہ اس کے کام کو الگ چھوڑ کر جو اس کے سپرد کیا
گیا ہے وہ ہر طرح سے اپنے مالک کے برابر سمجھا گیا ہے۔ تیرہ سو سال گذر چکے ہیں جب پہلے
ایک سچے ہمدرد بنی نوع انسان نے یہ ہدایتیں جاری کیں نہ صرف جاری کیں بلکہ ان
پر عمل کیا اور کرایا مگر آج باوجود تیرہ سو سال کے گذر جانے کے اور باوجود بڑے بڑے
ہمدردی کے دعووں کے کسی شخص میں اس قدر اخلاقی جرأت بھی نہیں جو ان ہدایتوں
پر عمل کرنا تو درکنار پر نوکروں کے متعلق اسی قسم کی ہدایتیں دینے کی جرأت کرے۔

اب میں چند اور حدیثیں نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ ہمارے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس قدر تاکید اکید غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک
کے متعلق کی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مرض الموت میں آپ کے منہ میں یہ الفاظ تھے
الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں کا خاص طور پر خیال

رکھو یعنی نماز اور غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک۔ اس حدیث سے کیسی صفائی
کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں انسانوں کے ساتھ اور خصوصاً اس جماعت
کے ساتھ جس کو دنیا کی سب قوموں نے ذلیل سمجھا اور ابتک ذلیل سمجھ رہے ہیں (یعنی غلام)
کیسا سچا ہمدردی کا جوش تھا اور کس قدر ان کی بہتری کا فکر آپ کو تھا کہ اخیر وقت میں بھی
یہی لفظ آپ کے منہ سے نکلے آپ کیا چاہتے تھے۔

ایک شخص کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ آپ کے پاس آیا اور آپ سے پوچھا کہ میں کتنی مرتبہ
اپنے غلام کو معاف کیا کروں آپ نے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب اس کے سوال کا نہ دیا
وہ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ سامنے آیا اور یہی سوال دہرایا اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح بغیر جواب دیئے کے منہ پھیر لیا۔ چوتھی مرتبہ جب اس نے
سوال کیا تو آپ نے فرمایا اعف عن عبدك سبعين مرة في كل يوم یعنی تو ہر
روز ستر دفعہ اپنے غلام کو معاف کیا کر۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا آج ان اقوام میں جو مہذب کہلاتی ہیں ایک آدمی بھی ایسا
ہے جو اپنے خدمتگار کو باوجود اس کے قصور کے ستر دفعہ معاف کر سکے مگر اسلام میں غلاموں
کے متعلق واقعی ایسا عملدرآمد ہوا آپ کا دل یہ بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ غلام کو غلام پکارا
جائے۔ کیونکہ اس نام میں حقارت پائی جاتی تھی اور آپ پسند نہ کرتے تھے کہ کسی قسم کی بھی
تحقیر ان کی کی جائے۔ چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ حدیث روایت کی ہے لا یقل
احدکم عبدی و امتی ولیقل فتای و فتاتی و غلامی۔ چاہیے کہ تم یہ نہ کہو کہ میرا
غلام یا میری لونڈی بلکہ یوں کہو کہ میرا فتا یا فتاۃ یا اے میرے نوجوان (یہ لفظ فتی
ہر ایک جوان مرد اور جوان عورت پر بولے جاتے ہیں لفظ غلام بھی عربی میں عبد اور امۃ

کہنے سے اس لیے رہ گیا کہ یہ الفاظ عموماً لونڈیوں اور غلاموں پر ہی بولے جاتے تھے اور وہ
الفاظ جن کے بولنے کی ہدایت کی ہے وہ عام ہیں آزاد مردوں اور عورتوں پر بھی بولے جاتے
ہیں اور ان میں کوئی ادنیٰ تحقیر بھی نہیں ہے۔

اس کے بعد میں یہ بیان کروں گا کہ ان ہدایات پر عمل بھی کیا جاتا تھا یا نہیں
اور اگر کیا جاتا تھا تو کس حد تک مگر قبل اس کے کہ میں عمل کی نظیریں پیش کروں ایک
شبہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر غلاموں کو اس قدر حقوق دیئے گئے تھے اور
ان کی اس قدر رعایت ضروری تھی جیسا کہ حدیثوں سے پتہ لگتا ہے تو پھر مالک اور
مملوک میں فرق ہی کیا تھا۔ اس کا جواب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث
میں موجود ہے اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری میں مذکور ہے چنانچہ فرمایا۔ کلکم راع
وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامیر الذی علی الناس راع وھو مسئول
عنہم والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسئول عنہم والمرأۃ راعیۃ
علی بیت بعلھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم والعبد راع علی مال سیدہ
وھو مسئول عنہ۔ یعنی تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت
کے متعلق سوال کیا جائے گا پس امیر جو لوگوں پر مقرر حاکم ہے اور اس سے ان
لوگوں کے متعلق پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر اور اس کی اولاد پر حاکم
ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جائیگا اور غلام اپنے آقا کے مال پر حاکم ہے اور اس سے
اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اس حدیث کی رو سے ہر ایک شخص کے سپرد جدا جدا کام
ہے اور ایک رنگ میں ایک شخص حاکم ہے اور دوسرے رنگ میں وہی محکوم ہے۔ اسلام
ایسی مساوات کی تعلیم نہیں دیتا جس سے چھوٹوں بڑوں کا امتیاز بھی اٹھ جائے

اور دنیا کے کاروبار بند ہو جائیں۔ بلکہ ایک ایسی اخوت قائم کرتا ہے کہ کام بھی سب کے الگ الگ رہیں اور سوسائٹی میں بڑے بھی ہوں اور چھوٹے بھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ان میں انسان اور پھر بھائی ہونے کی حیثیت سے ایک مساوات بھی ہو نہ کام مقرر کرنے سے اسلام کی پاک تعلیم کا یہ منشا ہے کہ آقا غلام کے کام کو ذلیل سمجھ کر ہاتھ نہ لگانے دے اور آقا کا کام غلام کی عزت سے بڑھ کر سمجھا جاوے بلکہ یہ تعلیم دی کہ ضرورت کے وقت آقا غلام کے کام میں اس کی مدد کرے اور جو غذا آقا کھاتا ہے غلام کو اس سے محروم نہ رکھا جاوے البتہ فرق دونوں میں یہ رکھا ہے کہ آقا کو چاہئے کہ وہ اپنے غلام سے نیکی کرے اور احسان برتے اور غلام کا فرض ہے کہ دل سے آقا کی سچے دل سے فرمانبرداری کرے اور اپنے مفوضہ کاموں کو بجا لاوے۔ باقی امور میں وہ مساوی ہیں۔

اب میں چند مثالیں بیان کرتا ہوں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف معلم ہی تھے بلکہ ہر بات میں خود ایک پاک نمونہ بھی تھے یہی وجہ تھی کہ آپ کی تعلیم کا ذرہ زبردست اثر آپ کے صحابہ اور مسلمانوں پر ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ کے واقعات خادموں کے ساتھ نیکی کرنے کے بیان کئے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرتا رہا اس عرصہ میں کبھی آپ نے مجھ کو اُف تک نہیں کہا۔ جب میں نے کوئی کام کیا تو مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا اور اگر کوئی کام نہیں کیا تو یہ نہیں کہا کہ کیوں نہیں کیا اور آپ کا سلوک تمام دنیا سے بڑھ کر اچھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی خادم یا کسی عورت کو نہیں مارا۔

آپ کے صادق محب اور مخلص بھی آپ کے نقش قدم پر ہی چلتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نے اسیرانِ جنگ میں سے ایک اسیر ایک صحابی ابو الہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور غلام کے دیا اور ان کو نصیحت کی کہ اس سے نیک سلوک کرنا۔ ابو الہیثم اس غلام کو لیکر گھر گئے اور اپنی بی بی کو کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے یہ غلام دیا ہے اور ساتھ ہی یہ وصیت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بی بی نے کہا کہ اس نصیحت پر تم پورا کیونکر عمل کر سکتے ہو سوائے اسکے کہ غلام کو آزاد کر دو چنانچہ ابو الہیثم نے وہ غلام اسی وقت آزاد کر دیا۔

زنباع نے اپنے ایک غلام کو ایک لونڈی کے ساتھ پایا اور اس کی ناک کاٹ ڈالی۔ غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس گیا آپ نے پوچھا کہ کس نے تیرا یہ حال کیا ہے۔ غلام نے کہا زنباع نے۔ چنانچہ اسی وقت زنباع کو طلب کیا گیا اس نے جو دیکھا تھا بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غلام کو فرمایا کہ جا تو آزاد ہے پھر غلام نے کہا یا رسول اللہ میں کس کا مولیٰ کہلاؤں گا (یعنی میرا معاون اور مددگار کون ہوگا) آپ نے فرمایا خدا اور اس کے رسول کا مولیٰ۔ چنانچہ اسی وعدہ کے مطابق آپ جبتک جیتے رہے اس کی مدد کرتے رہے آپ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا اور واقعہ آپ کو یاد دلایا اس پر حضرت ابو بکرؓ نے اس کے اور اس کے عیال کے لئے گذارہ مقرر کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد وہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا آپ نے پوچھا تو کہاں جانا چاہتا ہے عرض کیا مصر میں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حاکم مصر کے نام حکم لکھدیا کہ اس کو اس کے گذارہ کے لئے زمین دیدو۔ سبحان اللہ کیسا پاک وعدہ تھا اور کیسا پاک اس کا ایفاء ہوا۔

ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ ناگہاں

میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی۔ ابو مسعود یاد رکھو کہ جس قدر طاقتور ہو تم اس پر ہو اس سے زیادہ طاقتور ہے خدا تم پر۔ ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس وقت اس کو خدا کے لئے آزاد کر دیا آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو تم آگ میں پڑتے

حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک روز دیکھا کہ ایک آدمی سوار ہے اور اس کا غلام اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے آپ نے فرمایا اسے اپنے پیچھے بٹھا لو کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے اور اس کی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے۔

معرور کہتے ہیں میں نے ابو ذرؓ کو دیکھا کہ وہ ایک عمدہ لباس پہنے ہوئے ہیں میں نے پوچھا تو فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے ایک آدمی کو (اس سے مراد کوئی غلام ہے) برا بھلا کہا۔ اس نے میری شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کی آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے اس کی ماں سے اس کو عار دلائی اور پھر فرمایا کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر تمہارے بھائی ہیں پس جس شخص کا بھائی اس کے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیے کہ اپنے کھانے سے اسے کھلائے۔ اور اپنے لباس سے کپڑا پہنائے تم اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر دو تو پھر اس کے کرنے میں خود مدد دو۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک غلام کی نافرمانی کی وجہ سے اس کا کان مروڑا اور پھر اپنے عمل سے توبہ کی اور اسی غلام کو کہا کہ تو بھی اسی طرح میرا کان مروڑ۔ مگر اس نے انکار کیا آپ نے اصرار کیا تو اس نے آہستہ آہستہ کان مروڑنا شروع کیا آپ نے کہا زور سے مروڑو کیونکہ میں قیامت

کے دن کی سزا برداشت نہیں کرسکتا۔ غلام نے جواب دیا اے میرے آقا جس دن سے تو ڈرتا ہے اُسی دن سے میں بھی ڈرتا ہوں۔

حضرت زین العابدین کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ ان کے ایک غلام نے بھیڑ کو پکڑتے ہوئے اس کی ایک ٹانگ توڑ دی انھوں نے کہا کہ تُو نے کیوں ایسا کیا۔ کہا آپ کو غصہ دلانے کے لئے۔ آپ نے فرمایا جس نے تجھے یہ تعلیم دی میں اسے غصہ دلاؤں گا یعنی شیطان کو۔ جا اور تو خدا کے لئے آزاد ہے۔

غلاموں یا آزاد کردہ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے۔ اُسامہ کو جو کہ حضرت زید کے بیٹے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فوج کا افسر بنایا قبل اس کے کہ یہ فوج روانہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا حضرت ابوبکرؓ کو لوگوں نے کہا کہ آپ کسی اور بڑے آدمی کو افسر بنائیں۔ مگر آپ بہت ناراض ہوئے کہ جو کام میرے پیارے محبوب اور آقا نے کیا ہے میں اُسے منسوخ کروں۔ جب فوج کی روانگی کا وقت آیا تو آپ اسامہ کے ساتھ ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور وہ سوار تھے۔ انھوں نے عرض کی کہ اے خلیفۂ رسول اللہ یا آپ بھی سوار ہو جائیں اور یا مجھے اجازت دیں کہ میں بھی پیدل چلوں۔ مگر آپ نے نہ مانا اور کچھ دیر تک نصیحت کرتے ہوئے اسی طرح ساتھ گئے۔

جب حضرت عمرؓ نے مصر کی فتح کا ارادہ کیا تو اول صلح کا پیغام دیکر ایک جماعت حاکم مصر کے پاس بھیجی جس کا سردار عبادہؓ کو قرار دیا جو حبشی تھے اور حبشی اس زمانہ میں بطور غلاموں کے فروخت ہوتے تھے۔ جب یہ جماعت حاکم مصر کے سامنے آئی تو اس نے کہا کہ اس حبشی کو باہر نکالو۔ انھوں نے کہا کہ یہی تو ہمارا سردار ہے اور جو

کچھ یہ کہے گا یا کرے گا اس کے ہم پابند ہیں۔

مقوقس حیران ہوا اور پوچھا تم نے ایک حبشی کو اپنا سردار کیونکر بنا لیا انھوں نے کہا سرداری ہمارے درمیان قومیت یا رنگ پر نہیں بلکہ فضیلت پر ہے سو یہ ہم سب میں سے افضل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بادشاہ کا سلوک جو اپنے غلاموں سے تھا وہ ظاہر کرتا ہے کہ ابتدائی اسلامی سوسائیٹی میں غلاموں کی کیا حیثیت تھی اور وہ لوگ کس طرح پر اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لفظوں پر عمل کرتے تھے۔

جب حضرت ابوعبیدہ رض نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور شہر کے لوگ تنگ آگئے تو انھوں نے اس شرط پہ شہر حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا کہ خود حضرت عمر رض آکر شرائط صلح طے کریں۔ ابوعبیدہ رض نے امیرالمؤمنین کو لکھا تو آپ فی الفور روانہ ہو گئے آپ کے ساتھ آپ کا غلام بھی تھا مگر سواری کے لئے اونٹ صرف ایک ہی تھا اس لئے خلیفہ اور غلام باری باری اس پر چڑھتے اور جس کی باری نہ ہوتی وہ پیدل ہمراہ دوڑتا جب آپ ابوعبیدہ رض کے ڈیرے کے قریب پہنچے تو اتفاقاً غلام کی باری سواری کی آگئی آپ اُتر کھڑے ہوئے اور غلام کو سوار کیا اور آپ پیدل ہمراہ بھاگتے تھے اور تمام نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی تھیں ابوعبیدہ نے اس بات سے ڈر کر کہ امیرالمومنین کو اس طرح پیدل بھاگتا ہوا دیکھ کر یروشلم کی اہالی پر بُرا اثر نہ ہو اور مبادا جنگ کا رخ پلٹ دے۔ عرض کیا تمام نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں اس صورت میں یہ مناسب نہیں کہ آپ کا غلام تو سوار ہو اور آپ نوکروں کی طرح ساتھ ساتھ بھاگیں۔

حضرت عمر رض اس بات کو سُنکر غضب میں آئے اور فرمایا کہ تجھ سے پہلے مجھے ایسا

کسی نے نہیں کہا ہم سب لوگوں سے زیادہ ذلیل اور حقیر اور سب سے تھوڑے تھے خدا نے اسلام کے ذریعہ ہمیں بڑا بنایا اور عزت دی اور جب ہم اسلام کی راہوں سے ہٹ کر اسلام [illegible] عزت [illegible] تلاش کرنے لگیں گے تو پھر خدا ہمیں ذلیل کرے گا جس [illegible] کہ ہم اپنی عزت اسی میں سمجھو کہ اپنے غلاموں کو اپنے برابر رکھو گے ہم اس مساوات میں اپنی ذلت سمجھنے لگیں گے تو پھر خدا ہمیں ذلیل کرے گا کیونکہ اس کی بتائی ہوئی راہ کو ہم چھوڑ دیں گے۔

میں چاہتا ہوں کہ آیا آج بھی دنیا میں کوئی ایسا فاتح موجود ہے یا کوئی چھوٹی سے چھوٹی ریاست کا حکمران ایسا موجود ہے یا کوئی شخص جو کسی بڑے عہدہ پر ممتاز ہو ایسا ہے کہ وہ ایسی اخلاقی جرأت دکھا سکے جو حضرت عمرؓ نے دکھائی یا نیک سلوک کا وہ نمونہ دکھا سکے جو ایک بڑے بادشاہ اسلام نے دکھایا۔

کیا حضرت عمرؓ اس سے ناواقف تھے کہ ایک نئے فتح ہوئے ہوئے ملک پر رعب کا قائم رکھنا کس قدر ضروری ہے؟ نہیں وہ خوب سمجھتے تھے بلکہ جیسا وہ ان معاملات کو سمجھتے تھے ایسا کوئی نہ سمجھتا تھا مگر اسلام کے احکام کی سچی عظمت ان کے دل میں تھی وہ صدق دل سے جانتے تھے کہ ہر ایک عزت اور شوکت انہیں راہوں پر چلنے سے ملے گی اور اگر بعد کے زمانہ میں مسلمانوں نے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ اس طریق کے برتاؤ کو چھوڑ دیا تو یہ وہی بات ہے جو حضرت عمرؓ نے کہی تھی۔ انھوں نے اسلامی راہوں کو چھوڑ کر اور راہوں سے عزت تلاش کی لیکن وہ عزت کو کھو بیٹھے۔ اب بھی جو مسلمان غیر مسلمان اقوام کے نقش قدم پر چلکر دنیا میں معزز بننا چاہتے ہیں اور اسلام کی راہوں کو حقارت کی نگاہ سے

دیکھتے ہیں انھیں یہی بات یاد رکھنی چاہیئے۔

مگر باوجود ان عملی غلطیوں کے جن میں پچھلے مسلمان پڑ گئے اور مرور زمانہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر کاربند ہونے سے دور جا پڑے یہ امر قابل غور ہے کہ آپ کی نیک تعلیم ایسی ان کے خونوں کے اندر رچ گئی تھی یا یوں کہو کہ آپکی قوت قدسی ایسی ان پر غالب آ گئی تھی کہ اس پر بھی مسلمانوں کا سلوک اپنے نوکروں اور غلاموں سے غیر اقوام کے سلوک کی نسبت بدرجہا بہتر رہا ہے۔ اور یہ شکر کا مقام ہے کہ ہمیں اس کا ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں خود عیسائیوں نے اسکو تسلیم کر لیا ہے۔ لین الف لیلہ کے انگریزی ترجمہ کے نوٹوں میں لکھتا ہے۔ اور یہ وہ شخص ہے جو مدتوں مصر میں رہا اور مسلمانوں کی حالت کو غور کی نظر سے دیکھتا رہا۔ وہ کہتا ہے کہ "مسلمانوں میں غلاموں کے ساتھ عموماً نیک سلوک کیا جاتا ہے"

دوسرے ممالک کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ "جن سیاحوں نے دوسرے اسلامی ممالک میں سفر کیا ہے ان کی شہادت غلاموں کے ساتھ مسلمانوں کے حسن سلوک کے متعلق بہت ہی قابل ستائش رہی ہے" اور پھر لکھتا ہے کہ "قرآن شریف اور احادیث میں جو احکام غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ہیں غالباً ان سب پر یا ان کے زیادہ حصہ پر مسلمان لوگ عمل کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق عیسائیوں کے گال کے طمانچہ کی تعلیم کی طرح نہیں کہ سراہتے سراہتے ہزارہا کا تذکرہ سننے میں آئیں اور جب اس کو دیکھیں تو ایک بھی عمل دنیا میں نظر نہ آئے۔"

یہ تو ایک غیر متعصب عیسائی ہے مگر پادری ہیلیو کو بھی یہ اقرار [illegible] ہے جیسا

کہ وہ لکھتا ہے کہ "مسلمانوں کا ممالک میں غلاموں کے ساتھ سلوک بہت اچھا ہے بمقابلہ اس سلوک کے جو امریکہ میں کیا جاتا ہے جہاں غلاموں کا رواج عیسائی اقوام کے نیچے رہا" ایسا ہی انسائیکلوپیڈیا ببلیکا میں ایک عیسائی مضمون نویس مسلمانوں کے درمیان غلامی کے رواج پر لکھتا ہے "مشرقی اسلامی ممالک کی غلامی عموماً کھیت میں مزدوروں کی طرح کام کرنے کی غلامی نہیں بلکہ گھر کے کاروبار کے متعلق ہے غلام اور خادم گھر کے ایک ممبر کی طرح سمجھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ محبت اور نرمی سے سلوک کیا جاتا ہے قرآن شریف غلاموں کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے سلوک کرنے کی روح پھونکتا ہے اور غلام آزاد کرنے کی ترغیب دیتا ہے"۔

اب اس اسلامی تعلیم اور ان واقعات تاریخی کو پیش کرنے کے بعد میں اپنے منصف مزاج ناظرین سے یہ سوال کرتا ہوں کہ یہ غلامی جس کے رواج کو اسلام نے روک نہیں دیا۔ کیا یہ ایسی غلامی ہے کہ اس لفظ کے معمولی مفہوم کی رو سے جو دنیا میں سمجھا جاتا ہے اس کو غلامی کہہ سکیں نہیں بلکہ جہانتک کہ آجکل کی نوکری کے ساتھ دیکھا جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں جس قدر لوگ خادم کے نام سے موسوم ہیں وہ ایک اسلامی غلام پر رشک کریں گے اور وہ اس خادمی کی حالت سے اس غلامی کی حالت کو بدرجہا بہتر سمجھیں گے۔ غلامی کے معمولی مفہوم کی رو سے تو یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ایک حد تک بھی اسلام نے غلامی کی اجازت دی کیونکہ ہر ایک بدی جو اس سے پیدا ہوتی تھی اسلام کی تعلیم نے اس بدی کو جڑ سے کاٹ دیا جو اپنے آقا کے برابر ہے اس کو غلام کیوں کہا جائے گا اور یہ مساوات اور خاندان کے ایک ممبر کی طرح ہونا صرف لفظی ہی لفظ نہ تھے بلکہ عملی بھی ہے۔ یہ دونوں باتیں اس سے ظاہر

ہوتی ہیں کہ جو کھانا آقا کھائے وہی غلام کھائے جو لباس مالک پہنے وہی مملوک پہنے جہاں وہ رہے اسی جگہ غلام رہے طاقت سے زیادہ کام نہ دینا کبھی سختی سے اسے مخاطب نہ کرنا اور نہ مارنا اس سے بڑھکر کونسی اصلاح کی دنیا خواہشمند ہو سکتی تھی یہ زمانہ لفظ پرست ہے اور بجائے مغز کے چھلکے پر خوش ہو جاتا ہے نام کو تو غلامی موقوف کر دی گئی مگر افسوس ہے کہ غلامی کی حقیقت ابھی تک مہذب ممالک میں اسی طرح موجود ہے عنقریب دنیا دیکھ لیگی کہ جبتک خادموں کے ساتھ وہ رفق اور نیکی کا طریق نہ برتا جائیگا جسکی تعلیم تیرہ سو سال ہوئے ایک انسانوں کے سچے ہمدرد اور خدا کے برگزیدہ میں سے سب سے بڑے برگزیدہ نے دی تھی تبتک غلامی کی موقوفی صرف لفظی موقوفی ہے اور حقیقۃً اس سے وہ اصلاح نہیں ہوئی جو دنیا کی اخلاقی ترقی کے لئے ضروری ہے اسلام ہی کی تعلیم وہ عملی تعلیم ہے جس پر دنیا چل سکتی ہے اور جس پر انسان انسانوں کے لئے مفید اور خدا تعالی کا سچا بندہ بن سکتا ہے۔



قال اللہ تعالیٰ

مَا یُرِیدُ اللہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَہِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ

چوں آیت کریمہ بالا دال ست بر مصالح عقلیہ خاصہ
در احکام نقلیہ خاصہ بعبارۃ النص و بر اشتمال احکام سمعیہ عامہ
بر مصالح حکمیہ عامہ بدلالۃ النص رسالہ مسمیٰ بہ

اَلْمَصَالِحُ الْعَقْلِیَّۃ لِلْاَحْکَامِ النَّقْلِیَّۃ

کہ ایں حصہ سوم از آن ست
از افادات حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ باحث بود
از حمل کافیہ منجملہ چنیں مصالح مودعہ شرائع لیس افادۃ للطالبین
لہا د نفعاً للراغبین فیہا

بتصحیح تام مولوی سید حسن صاحب مدرس دار العلوم دیوبند

المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ

جلد سوم

کتاب البیوع

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

وجہ حلت بیع سلم

اَمَّا بَعْدُ۔ بعض اشخاص کا اعتراض ہے کہ بیع سلم خلاف قیاس ہے کیونکہ وہ معدوم اشیاء پر ہوتی ہے اور معدوم اشیاء کی بیع خلاف قیاس وعقل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لا تبع ما لیس عندک یعنی اس چیز کی خرید و فروخت نہ کرو جو موجود نہ ہو۔

الجواب۔ واضح ہو کہ بیع سلم من وجہ موافق قیاس وعقل کے ہے کیونکہ بیع سلم میں بیان وصف ومعرفت قدر وجنس اور بائع کی طرف سے چیز کے ادا کرنے کا ذمہ شرط ہے اور یہ بیع اس معاوضہ کی طرح ہے جو اجارہ میں منافع پر ہو پس بیع سلم کا قیاس من کل الوجوہ معدوم شئی پر کرنا کہ جن کے حاصل ہونے کا احوال معلوم نہ ہو درست نہیں ہے۔ البتہ صورۃً بیع معدوم کے مشابہ ہے لیکن معنیً[1] بیع موجود کے مشابہ ہے۔ خداتعالیٰ نے عاقلوں کی فطرت میں اس امر کی تمیز رکھی ہے کہ وہ ان چیزوں میں فرق کرتے ہیں کہ جن کا انسان نہ مالک ہوسکتا

[1] حقیقتاً ۱۲

ہو اور نہ اس کی مقدار بیّن ہو اور درمیان ان اشیاء کے کہ جن کو بائع ادا کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور وہ عادۃً ان کے ادا کرنے پر قادر ہو یہ تو فرق اجمالی ہے باقی تفصیلی فرق وہ رائے پر نہیں رکھا گیا بلکہ اس میں وحی کی ضرورت ہے پس اس کی جزئیات کے احکام نقل سے تلاش کئے جاتے ہیں کہ کہاں یہ درست ہے مثلاً سلم بشرائط اور کہاں یہ درست نہیں مثلاً بیع ثمار قبل ظہور۔

جوازِ اجارہ کی حکمت

جو لوگ اجارہ کو خلاف قیاس کہتے ہیں ان کا گمان ہے کہ اجارہ ایک معدوم چیز کی خرید ہے کیونکہ منافع عقد اجارہ کے وقت معدوم ہوتے ہیں لیکن جواب یہ ہے کہ شریعت نے محل منافع کے وجود کو گویا وجود منافع کا قرار دیا ہے لوگوں کی ضرورت پر نظر کر کے پس وہ گو صورۃً معدوم ہیں مگر معنیً موجود ہیں جیسا ابھی ہم سلم میں لکھ چکے ہیں۔

خمر و مردار و خنزیر و بُت کی خرید و فروخت و اُجرت زنا و اجرت کاہن حرام ہونے کی وجہ

اشیاء کی حرمت کا مدار چند امور پر ہوتا ہے از انجملہ ایک یہ ہے کہ بعض اشیاء عادت کے اعتبار سے معصیت پر مشتمل ہوں یا لوگوں کو ان اشیاء سے اس قسم کا فائدہ و تمتع حاصل کرنا مقصود ہو وہ ایک قسم کی معصیت و گناہ ہو مثلاً شراب و طنبور وغیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی بیع کا طریق جاری کرنے اور ان کے بنانے میں ان معاصی کا ظاہر کرنا اور لوگوں کو ان معاصی پر آمادہ کرنا اور رغبت دلانا اور نزدیک کرنا پایا جاتا ہے لہذا مصلحت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ ان چیزوں کا بیع و شرا کرنا اور ان کا گھروں میں رکھنا حرام کیا جائے کیونکہ اس میں ان معاصی کو دور کرنا اور لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ وہ ان چیزوں سے پرہیز و اجتناب کریں۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ملہ یعنی ظاہر ہو ۱۲ منہ یعنی پھلوں کی بیع کرنا نکلنے سے پہلے ۱۲

فرمایا - ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام۔
ترجمہ - یعنی خدا تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب اور مردار اور خوک اور بتوں کا خرید و فروخت حرام کیا ہے اور پھر فرمایا - ان اللہ اذا حرم شیئا حرم ثمنہ۔ یعنی خدا تعالیٰ جب جس چیز کو حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کرتا ہے۔

یعنی جب ایک چیز سے نفع اٹھانے کا طریق مقرر ہے۔ مثلاً شراب صرف پینے کے لئے اور بت صرف پرستش کے لئے بنائے جاتے ہیں اور اس لئے خدا تعالیٰ نے اسکو حرام کیا ہے۔ پس حکمت الٰہیہ کا مقتضا ہوا کہ ان کی بیع کو بھی حرام کیا جائے اور نیز آپ نے فرمایا۔ مہر البغی خبیث یعنی اجرت زنا کی خبیث ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاہن کی اجرت سے منع فرمایا۔ اور مغنیہ[1] کے کسب سے بھی نہی فرمائی۔ وجہ یہ ہے کہ جس مال کے حاصل کرنے میں گناہ کی آمیزش ہوتی ہے اس مال سے بدو وجہ نفع حاصل کرنا حرام ہے۔ ایک تو یہ کہ اس مال کے حرام کرنے اور اس سے انتفاع نہ حاصل کرنے میں معصیت سے باز رکھنا ہے اور اس قسم کے معاملات کے دستور جاری کرنے میں فساد کا جاری کرنا اور لوگوں کو اس گناہ پر آمادہ کرنا ہے۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی سمجھ اور خیال میں فطری طور پر یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ ثمن بیع سے پیدا ہوتا ہے تو ملاء اعلیٰ میں اس ثمن کے لئے ایک وجود تشبیہی ہوتا ہے پس اس بیع اور اس عمل کی خباثت ملاء اعلیٰ کے علم میں اس ثمن اور اس اجرت کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور لوگوں کے نفوس میں بھی اس صورت عملیہ کا اثر ہوتا ہے۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کے بارے میں اس کے نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے اور پینے والے اور لے جانے والے اور جس کے پاس لے جاتا ہے

[1] یعنی شرود ۱۲ مہ یعنی گانیوالی عورت کی اجرت ۱۲ +

سبب پر لعنت کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کی مدد کرنا اور اس کا پھیلانا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا بھی معصیت اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے۔

اور ایک یہ وجہ ہے کہ نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے میں مثلاً مردار وخون وگوبر اور پاخانہ وغیرہ کے ساتھ ملابست کرنے میں نہایت قباحت اور خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہے اور اس کے سبب سے شیاطین کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ گندگی اور نجاستوں سے اجتناب کرنا اُن اصول میں داخل ہے جن کے قائم کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا گیا ہے اور جس کے سبب سے ملائکہ کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزہ لوگوں کو خدا تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ اور چونکہ کسی قدر مخالطت کے بغیر کچھ چارہ نہیں ہے اس لئے کہ بالکل اس باب کے مسدود کرنے میں لوگوں پر نہایت دقت و دشواری ہوتی ہے لہٰذا اسی قدر ضروری ہوا کہ ان ناپاک چیزوں میں سے جس کی ضرورت شدید واقع ہوتی ہے جیسے کھاد اس کی بیع کی تو اجازت دیدی جاوے تاکہ لوگوں کا حرج نہ ہو اور باقی کو منع کر دیا جاوے کیونکہ اس میں کسی کا حرج نہیں جیسے خمر و خنزیر کی بیع۔

کتاب الاکل والشرب

وجوہ حرمت خنزیر (۱) اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خوار بے غیرت و دیوث ہے اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہوگا کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی ہوگا جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام

سے پہلے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصہ حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے پس جبکہ یہ امر مسلم ہے کہ تغیر بدن و تغیر اخلاق کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے لہذا ایسے جانور کا گوشت کھانے سے شریعت اسلامیہ نے منع فرما دیا جس کی صفات دنیہ شیاطین کے ساتھ بالکل مشابہت رکھتی ہوں اور ملائکہ سے بعید ہونیکا سبب ہوں اور اخلاق صالحہ کے خلاف صفات کو پیدا کرتے ہوں۔

(۲) خنزیر یعنی خوک نجاست کی طرف بہت مائل ہے خصوصاً انسان کا فضلہ یعنی براز اس کی خوراک ہے۔ اس کا گوشت اسی نجاست سے پیدا ہوتا ہے پس اس کا گوشت کھانا گویا اپنی نجاست کھانا ہے۔

(۳) صاحب مخزن الادویہ فساد گوشت خوک اور اس کی حرمت کے تیرہ[عه] وجوہ ذیل میں تحریر کرتے ہوئے ظاہر فرماتے ہیں کہ۔ اس جانور کا گوشت فطرت انسانی کے برخلاف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔ گوشت خوک مُولد خلط غلیظ ست و مورث مرض شدید و صداع مزمن و داء الفیل و اوجاع المفاصل و فساد عقل و زوال مروت و غیرت و حمیت و باعث فحش است و اکثرے از فرق غیر اسلامی آنرا می خورند و قبل از ظہور اسلام گوشت آنرا در بازارہا می فروختند و بعد ازاں در مذہب اسلام حرام و بیع آن ممنوع و موقوف گردید بسیار کثیف و بد ہیئت است۔

نیز اس کا گوشت کھانے سے انسان پر فوراً سوداوی امراض حملہ آور ہوتے ہیں۔

جملہ درندوں اور شکاری پرندوں کے حرام ہونیکی وجہ

سارے درندے جانور جن کی سرشت و فطرت میں پنجوں سے چھینا اور موقت سے زخم پہنچانا ہے اور جن میں سخت دلی ہے سب حرام ٹھہرائے گئے ہیں

عـه یعنی کل ۔ ۱۳

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیڑیئے کے بارے میں فرمایا ہے اویاکلہ احدا یعنی کیا بھیڑیئے کو بھی کوئی انسان کھاتا ہے۔

یعنی اس کو کوئی نہیں کھاتا۔ وجہ حرمت ظاہر ہے کہ ان جانوروں کے کھانے سے انسان میں درندگی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی طبیعت اعتدال سے خارج ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں رحم نہیں ہوتا اسی واسطے ہر شکاری پرند کے کھانے سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور بعض جانوروں کو آپ نے فاسق سے تعبیر فرمایا۔ ان کے کھانے سے ان ہی جیسی خصلت کھانے والے میں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم یوم خیبر کل ذی ناب من السباع۔ وعن جابر رض حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم خیبر الحمر الانسیۃ ولحوم البغال وکل ذی ناب من السباع وذی مخلب من الطیر۔ ترجمہ:- یعنی حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ خیبر کے دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر ایک ذی ناب درندے کو حرام فرمایا اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن اہلی گدھے اور خچروں کے گوشت اور ہر ایک ذی ناب کو یعنی درندے جانوروں اور پنجوں والے پرندوں کو حرام فرمایا۔

شیر۔ بھیڑیا۔ ریچھ۔ گیدڑ۔ لومڑی۔ نیولا۔ باز۔ شاہین۔ چیل۔ باشا وغیرہ سب حرام ہیں کیونکہ یہ سب ذی ناب اور درندے جانور ہیں۔

وجہ حرمت مردار وخون

(۱) مردار کا حرام ٹھیرانا عین حکمت الٰہی ہے کیونکہ جانور کے بدن کو پاک کرنے والا روح ہے

جب روح اس سے جدا ہو جاتی ہے تو اس کی عفونت کو دور کرنے والا نہیں رہتا لہٰذا وہ عفونت اس کے سارے بدن کو فاسد کر دیتی ہے اور بہت بدمزہ اور بدبو اور بدتاثیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ [illegible] مردار کھانے کے عادی ہوتے ہیں ان کی صورت و شکل و اخلاق ایسے قبیح ہوتے ہیں کہ گویا ان کا مزاج ہی انسانیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ رذالت طبع و قساوت قلبی ان کی فطرت و جبلت ہو جاتی ہے۔

(۲) مردار کے اندر ایک خطرناک زہر ہوتا ہے جس کا نتیجہ انسان کے لئے اچھا نہیں ہوتا چنانچہ جتنی مردار خوار قومیں ہیں انکی زبان اور عقل موٹی اور بھدی ہوتی ہے۔

(۳) خون کے اندر اس قسم کا زہر ہوتا ہے جس سے اعصاب کو تشنج اور فالج اور استرخا ہو جاتا ہے۔

(۴) خون کا کھانا درندوں کے اخلاق کی طرف مائل کرتا ہے اور مزاج میں غصہ و بھیکی پیدا کرتا ہے جیسے کہ چماروں اور مردار خواروں میں جو کہ خون کھانے کے معتاد ہیں یہ اخلاق ظاہر ہیں لہٰذا تقاضائے حکمت الٰہی سے یہ چیزیں حرام کی گئیں۔

(۵) خنزیر و مردار و خون کی حرمت کی وجہ خدا تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ گندی چیزیں ہیں ان کے کھانے سے انسان کا ظاہر و باطن گندہ ہو جاتا ہے اور ایسا ہی غیر اللہ کے نام پر کسی چیز کے ذبح کرنے اور اس کے کھانے کا حال ہے کہ وہ سبب ہے فاسق ہونے کا چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اھل لغیر اللہ بہ۔ ترجمہ۔ یعنی حلال نہیں ہے مردار اور خون جاری اور گوشت خوک کا کھانا کیونکہ یہ چیزیں گندی ہیں (ان کے کھانے سے گندے اخلاق گندے اعمال ظاہر ہوتے ہیں) اور ایسا ہی

غیر اللہ کے نام پر ذبح کی ہوئی چیز کا کھانا بھی حلال نہیں ہے کیونکہ ایسے جانور کے کھانے سے انسان فاسد و بدکار بنجاتا ہے۔

الغرض مردار کا کھانا اس لئے شریعت میں منع ہے کہ مردار کھانے والے کو بھی اپنے رنگ میں لاتا ہے اور نیز ظاہر ہے کہ صحت کے لئے بھی مضر ہے اور جن جانوروں کا خون اندر ہی اندر رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا ہوا یہ تمام جانور درحقیقت مردار کے حکم میں ہی ہیں۔ کیا مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے نہیں بلکہ وہ ضرور خراب ہو جانے کے بہت جلد گندہ ہو گا اور اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کر دیگا۔ اور نیز خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہیں مر کر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلادیں گے اسی لئے تمام ملل میں مردار جانور حرام ہیں فی الحقیقت تو اس بات پر اس لئے اتفاق ہوا کہ حظیرۃ القدس سے ان امت والوں کو اس بات کی تفہیم و تلقی ہوئی کہ یہ چیزیں خبیث ہیں اور مذاہب باطلہ کا اس واسطے اتفاق ہے کہ ان کے علم میں اکثر مردار چیزوں میں زہر یلا اثر ہوتا ہے کہ مردار جانور کے بدن میں مرتے وقت اخلاط سمیہ پھیل جاتے ہیں جن کو انسانی مزاج سے منافات ہوتی ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ مردار جانور کو غیر مردار سے جدا کیا جاوے اس کا انضباط احکام شرعیہ کی تفصیل سے کیا گیا جن کی وجہ معقول غور کرنے سے سمجھ میں بھی آسکتی ہے۔ چنانچہ بعض امور غیر ظاہرہ کی وجہ آگے آتی بھی ہے۔ ان سرخیوں میں حرمت مذبوحہ غیر اہل کتاب نہ بوقت ذبح جانور پر الخ غیر اللہ کے نام ذبح کئے ہوئے الخ۔

(تنبیہ) میتہ و دم لحم الخنزیر و ما اھل بہ لغیر اللہ کے بیان میں بہ تفاوت

ہے کہ مردار کا اثر بد جسم پر اور خون کا اثر بد روح پر اور گوشت خوک کا اثر بد اخلاق وعادات پر اور مذبوح باسم غیر اللہ کا اثر بد اعتقادات پر پڑتا ہے۔

کوے کے بعض اقسام چیل، سانپ، بچھو، چوہے کی وجہ حرمت | ان حیوانات کی طبیعت میں آدمیوں کو ایذا دینا اور تکلیف پہنچانا اور ان سے کسی چیز کا اچک لینا ہے اور یہ ان چیزوں کے لوٹ کرنے کی غرض سے فرصت کے منتظر رہتے ہیں اور ان میں شیطانی الہام کے قبول کرنے کا مادہ ہے اس لئے وہ سب حرام ہیں اور احادیث نبویہ میں اس کی تفصیل آئی ہے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالفاظ ذیل روایت فرمائی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خمس فواسق یقتلن فی الحرم الفارۃ والعقرب والغراب والحدیا والکلب العقور۔ رواہ الترمذی۔ ترجمہ یعنی پانچ جانور بڑے فاسق ہیں ان کو حرم میں بھی قتل کیا جاوے چوہا، بچھو، کوا، چیل، دیوانہ کتا۔

چونکہ حرم کے جانوروں کے مارنے اور شکار کرنے میں نہی تھی لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان جانوروں کو ان کی شدت سرکشی وعصیان کے باعث حرم میں بھی مار ڈالنے کا حکم فرمایا کیونکہ باغی وسرکش کو حرم میں بھی امن نہیں مل سکتا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان جانوروں کو فاسق فرما کر ان کی حرمت کی وجہ بیان فرمائی ہے یعنی جو کوئی ان جانوروں کو کھائے گا اس میں فسق کے اوصاف پیدا ہو جائیں گے۔ دوسرا ان جانوروں کو فاسق کہتے ہیں اس امر کی طرف ایما فرمایا کہ ان جانوروں کو جس قدر کوئی پالتو بنالے اور ان کی پرورش کرے اس کو بالآخر ضرر دیں گے اور عہد تربیت کو توڑ دیں گے۔ اور اس امر کی وجہ کہ آپ نے کیوں ان جانوروں کو

حرام نہ کہا اور فاسق فرمایا یہ ہے کہ اگر آپ یہ فرما دیتے کہ یہ جانور حرام ہیں تو پھر اُن کی وجہ حرمت کے لیے جس کا آپ کو بیان کرنا مطلوب تھا دوبارہ کلام دہرانا پڑتا لہٰذا ایک ہی بار میں حرمت اور وجہ حرمت بیان فرما دی اور یہ جوامع الکلم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفت ہے۔

اب ان جانوروں کی وجہ حرمت ظاہر ہے کہ جو کوئی ان کا گوشت کھائے وہ انہی کے وصف کے ساتھ متصف ہو جائے اور ان جانوروں کے اوصاف کا مذموم ہونا ظاہر ہے مگر اس سے ہر کوا مراد نہیں۔ فقہ میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔

وجہ حرمت حشرات الارض جیسے چوہا وغیرہ | وہ حیوانات جن کی سرشت و فطرت میں ذلت اور گرا ہوا پن چھپا رہنا پایا جاتا ہے مثلاً [illegible] جیسے حشرات الارض وغیرہ جو اس قسم کے جانور ہیں وہ سب حرام ہیں اور ان کی وجہ حرمت یہ ہے کہ ان کا کھانے والا انہی جانوروں کے اوصاف ذلت و پستی قبول کرتا ہے۔ دوسری وجہ حرمت ان جانوروں کی یہ ہے کہ تمام حشرات الارض میں سمی مادہ ہوتا ہے ان کے کھانے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔

وجہ حرمت کتے اور بلی کی | کتا اور بلی دونوں درندہ جانور ہیں اور حرام چیزوں کو کھاتے ہیں۔ کتا باعتبار اوصاف مذمومہ کے شیطان ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے سبب اس کے کہ [illegible] درندہ بننا پڑتا ہے وہ اوصاف ذمیمہ یہ ہیں کہ کتا خبیث [illegible] ترین و خسیس ترین و حریص ترین حیوانات

سے ہے اس کی ہمت اس کے پیٹ سے آگے نہیں گذرتی۔ اس کی شدت حرص اور بے
ایک بات یہ ہے کہ جب وہ چلتا ہے تو شدت حرص کی وجہ سے ناک زمین پر رکھ کر
زمین کو سونگھتا جاتا ہے اور اپنے جسم کے سارے اعضاء کو چھوڑ کر ہمیشہ اپنی دبر
کو سونگھتا ہے اور جب اس کی طرف پتھر پھینکو تو وہ فرط حرص و غصہ کی وجہ سے
اس کو کاٹتا ہے۔ الغرض یہ جانور بڑا ہی کمینہ و ذلیل و دنی الہمت ہوتا ہے کیونکہ
مردار کو نسبت تازے گوشت کے زیادہ پسند کرتا ہے اور نجاست کو نسبت حلوا
کے بڑی رغبت سے کھاتا ہے اور جب کسی ایسے مردار پر پہنچے جو صدہا کتوں کیلئے
کافی ہو تو وہ شدت حرص و بخل کی وجہ سے اس مردار سے دوسرے کتے کو ذرہ
برابر کھانے نہیں دیتا اور اس کی بدخلقی میں سے ایک یہ امر بھی عجیب ہے کہ جب
وہ کسی خستہ حال اور پھٹے پرانے کپڑوں والے شخص کو دیکھتا ہے تو اس کو بھونکتا
اور اس پر حملہ آور ہوتا ہے گویا اس کو حقیر سمجھتا ہے جو کہ خاصہ ہے کبر کا اور جب
کسی وجیہ اور اچھے لباس والے اور رعب ناک آدمی کو دیکھتا ہے تو اسکا مطیع
ہو جاتا ہے گویا اس کے لئے منقاد ہونے سے عار نہیں کرتا تو اہل جاہ کی تعظیم
یہ شعبہ ہے تملق کا۔

پس جب کتے میں ایسے اوصاف مذمومہ ہیں تو جو شخص اس کو کھاتا وہ بھی
ان ہی اوصاف سے متصف ہوتا۔ لہٰذا یہ جانور حرام ٹھیرایا گیا۔ اور چونکہ کتا پالنے میں
اس کے ساتھ زیادہ تلبس ہوتا ہے جیسا کہ مشاہد ہے اس لئے بلا خاص ضرورت
کی صورتوں میں اس کا پالنا بھی ممنوع قرار دیا گیا کہ اس کی صفات خبیثہ اس شخص
میں اثر کریں گی۔ اور چونکہ ان صفات خبیثہ سے ملائکہ کو نفرت ہے تو اس شخص سے

ملائکہ تعوذ اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایسے گھر میں بھی نہیں آتے جہاں کتا ہوتا ہے۔ اور سیاست کے ملائکہ اس سے مستثنےٰ ہیں

وجہ حرمت گرگٹ کی اور اسکے مارنیکی تاکید شدید از

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے گرگٹ کے مارڈالنے

کا حکم صادر فرمایا اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ [illegible] آگ [illegible] کی ملتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض حیوانات [illegible] کر ان سے ملاءِ افعال قبیحہ و ہیئت شیطانیہ [illegible] شیطان کے قریب تر ہوتے ہیں [illegible]

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کر لیا تھا کہ گرگٹ بھی ان ہی حیوانات میں سے ہے اور اس بات پر آپ نے آگاہ فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آگ کو پھونکتا تھا شیطان کے وسوسہ کے سبب سے اس کا یہ کام مقتضائے طبع سے تھا۔ اگرچہ اس کے پھونکنے سے آگ میں کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ گرگٹ کے قتل کرنے میں آپ نے دو وجہ سے رغبت دلائی ایک تو یہ کہ اس میں نوعِ انسانی کی ایذاء کا اندفاع ہے گویا اس میں لشکر شیطانی کا توڑنا اور اس کے وسوسہ کا دور کرنا ہے۔ دوسری وجہ اس کے گوشت کا مضر ہونا۔ چنانچہ مخزن الادویہ میں گرگٹ کے لکھا ہے کہ گسے راکہ گزد دوچہ را بگزد کشندہ است و مداوائے ندارد و گوشت آں سم قاتل است و عارض میگردد از خوردن آں قے و دوجع فواد ہمیشہ نظر بآفتاب دارد و در ایام گرما جھرۂ آں سرخ میگردد و دو مغلظ آں بلند و جہلائے آں بجمیع جہات حرکت میکند برائے آنکہ صید خود را بہر طرف کہ باشد بہ بیند و چوں صید او مگس و امثال آں است نزدیک او

عہ سبب یہ ہے کہ رحمت کے فرشتے نہیں آتے اور عذاب و سزا دینے والے فرشتے تو ہر جگہ آتے ہیں ۱۲ مصحح

آید بسرعت زبان خود را بر می آرد و آں را می رباید و از دور کہ می بیند رفتہ آں را صید می کند و حشرات سمی مانند ہزار پا و عقرب را صید می کند و میخورد۔ اسی سے یہ بھی اس جانور کی حرمت کی ایک وجہ صاف ظاہر ہے کہ اسکا گوشت قاتل و مہلک ہوتا ہے

الو و چمگادڑ کی وجہ حرمت

ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ غذا کا اثر بدن کے علاوہ روحانی اخلاق و اطوار پر بھی ہوتا ہے۔ اس پرندہ یعنی الو کی حماقت اور بیوقوفی و ذلت ثابت شدہ امر بلکہ ضرب المثل ہے چنانچہ جب کوئی حماقت و بیوقوفی کا کام کرتا ہے تو اس کو کہتے ہیں الو تو نے ایسا کام کیوں کیا۔

صاحب مخزن لکھتا ہے کہ خوردن گوشت آن مورث ابلہی و بیوقوفی در جمیع الوہ است یعنی اس جانور کا گوشت کھانے سے انسان میں کند ذہنی و حماقت و بیوقوفی پیدا ہوتی ہے۔ اس جانور کی حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ جو کوئی اس کو کھاتا اسکو الو بنا دیتا۔

یہی حال چمگادڑ کا ہے کہ اس جانور کی غذا میں کند ذہنی و حماقت [illegible] مشہور و معروف ہے کہ ضرب المثل ہو گئی ہے چنانچہ جب کوئی ظاہر یا حق کو نہ دیکھا یا مانتا تو اس کو کہا کرتے ہیں شپرے است کہ روز روشن را شب قرار می دہد۔ یعنی چمگادڑ ہے کہ روز روشن کو رات قرار دیتا ہے۔ پس جو کوئی اس جانور کو کھاتا اسکی حقائق بینی کی آنکھ میں کوری پیدا ہوتی۔ لہذا اس جانور کا کھانا بھی حرام ہوا۔

گدھے اور خچر کی حرمت کی وجہ

وہ حیوانات جو نجاستوں اور ناپاکیوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ان میں رہتے ہیں اور وہی کھاتے ہیں یہانتک کہ ان کے بدن بھی ان میں بھرے رہتے ہیں مثلاً گدھا جو علاوہ اس تلبس نجاسات کے حماقت و بیوقوفی و ذلت میں بھی ضرب المثل ہے

چنانچہ جو کوئی بیوقوفی و حماقت کا کام کرتا ہے تو اس کو گدھے کا خطاب ملتا ہے پس اگر ایسے جانور کا گوشت کھائے تو بالضرور اس میں ذلت اور حماقت و بیوقوفی پیدا ہو جائے اور یہ جانور مزاج نوع انسان کے مخالف ہے لہذا طب کے اعتبار سے بھی اس کو کھانا نہ چاہیئے۔ نیز رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہر ایک ایسے جانور کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے جو نجاست کھاتا ہے اس کی وجہ بھی ظاہر ہے وہ یہ کہ جب اس جانور کے اعضا نے نجاست کو جذب کر لیا اور وہ اس کے اجزا میں پھیل گئی تو اس کا حکم بھی مثل نجاست یا اس جانور کے مثل ہو گیا جو نجاست میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔

حرام جانوروں اور اشیاء کی تخلیق کی وجہ

(۱) سوال جبکہ بعض جانوروں اور بعض اشیاء کے کھانے سے انسان کو منع کیا گیا ہے اور ان کو اس پر حرام ٹھیرایا گیا ہے تو پھر خدا تعالی نے ان کو کیوں پیدا کیا ہے وہ کس کام آتے ہیں۔؟

جواب خدا تعالی فرماتا ہے۔ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا یعنی تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے پیدا کی ہیں تمہارے لیئے تمام وہ چیزیں جو زمین میں ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ خدا تعالی نے تمام حلال و حرام چیزیں انسان ہی کے لیئے پیدا کی ہیں اس لیئے کہ اگر ایک چیز کا استعمال ایک وجہ سے حرام ہے تو دوسری وجہ سے حلال ہے۔ دیکھو گدھے کا کھانا حرام ہے مگر اس پر سواری کرنا اور اس پر بوجھ لادنا حلال ہے۔ ایسا ہی تمام درندہ جانوروں کا کھانا حرام ہے۔ مگر ان کے چمڑوں کی پوستین بنا کر پہننا حلال ہے۔ ایسا ہی اور حرام جانوروں اور اشیائے محرمہ کے متعلق سمجھ لو

من وجہ ان کا استعمال حرام ہے اور من وجہ حلال ہے اور جس جانور سے کسی قسم کا انتفاع حلال نہ ہو اس سے قدرت پر استدلال تو ہو سکتا ہے یہ بھی اس کے پیدا کرنے میں ایک حکمت ہے علاوہ انتفاع و استعمال کے ان کے پیدا کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ یہ محرمات خدا تعالیٰ کی باڑ ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں الا لکل ملک حمی وان حمی اللہ تعالیٰ محارمہ۔ ترجمہ۔ سنو کہ ہر ایک بادشاہ کی باڑ ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی باڑ اس کے محرمات ہیں۔ پس اس میں بندوں کا امتحان بھی ہے۔

خلاصہ وجوہ حرمت حیوانات و اشیاء محرمہ تمام وہ جانور جو حرام کئے گئے ہیں ان کی وجوہ حرمت ذیل ہیں:

(۱) خباثت و گندگی۔

(۲) درندگی یعنی ایسے جانوروں کے کھانے سے انسان درندہ طبع بنجاتا ہے

(۳) شیطانی امور سے مشابہت۔

(۴) سمیت بعض جانور و چیزیں زہردار ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔

(۵) بداخلاقی یعنی بعض جانوروں کے کھانے سے انسان بداخلاق بن جاتا ہے

(۶) بداعتقادی یعنی بعض ایسے جانوروں اور اشیاء کے کھانے سے انسان میں بداعتقادی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں جیسے ما اھل بہ لغیر اللہ کا کھانا۔

وجہ حرمت چھپکلی مخزن الادویہ میں لکھا ہے اسم آں وزغ است و لیکن مصطلح آن است کہ بری آں را سام ابرص و بلدی را وزغ نامند کہ بفارسی چلپاسہ می نامند خوردن آں مورث سل و امراض ردیہ است۔

اس سے حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ اس کے کھانے سے انسان مسلول وگرفتار امراض ردیہ ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔

حرمت میں مذبوحہ غیر اہل کتاب ومذبوح بنام غیر اللہ ومردار کے برابر ہونے کی وجہ	مذکورۂ بالا امور پر حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ سوال وجواب لکھے ہیں ہم ان کا ترجمہ مخلصاً

یہاں درج کر دیتے ہیں۔

سوال مذبوحہ غیر اہل کتاب ومردار کی حرمت میں برابری کی کیا وجہ ہے گویا سائل کا یہ خیال ہے کہ جبکہ مردار میں یہ خون جذب ہو جاتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے مگر غیر اہل کتاب اور ما اہل بہ لغیر اللہ کے ذبح سے خون جذب نہیں ہوتا تو پھر اس سے کس طرح جانور حرام ٹھیرایا جاتا ہے۔

جواب (۱) یہ بات غلط ہے کہ مردار کی حرمت کا سبب ایک ہی امر کو یعنی خون کے جذب ہونے کو قرار دیا جاوے بلکہ حرمت مردار کی بہت سی وجوہ واسباب ہیں اگر صرف جذب خون کی وجہ سے حرمت مردار ہوتی تو اس سوال کو وقعت ہوتی مگر جبکہ مردہ جانور کے حرمت کے متعدد اسباب ہوں تو کسی ایک سبب کے نہ ہونے سے اور اسباب حرمت کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس سبب معدوم کا کوئی اور سبب خلیفہ اور قائم مقام ہو سکتا ہے جس سے وہ جانور کو حرام کہا جاتا ہے اور یہ اسباب اور وجوہ عقلاً بیکار ہو سکتے ہیں پس سبب کے ظاہر ہونے کے حکم شریعت سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے شریعت تو کوئی وجہ بھی ہوگی (اس کا کچھ مختصر بیان بطور نمونہ کے آئندہ کی ان دو سرخیوں میں آوے گا۔ بوقت ذبح جانور پر تکبیر پڑھنے کا راز اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کی حرمت کی وجہ)۔

عـــہ یعنی مرض سل میں مبتلا ہو جاتا ہے ۱۲

سوال۔ کیا شریعت اسلامیہ نے دونوں قسم کے مردہ جانوروں میں برابری نہیں کی ہے حالانکہ ان کی موت کے مختلف اسباب ہیں گویا شریعت نے دو مختلف اور متضاد باتوں کو جمع کیا اور دو متماثل اور متشابہ امور کو الگ الگ کر دیا کیونکہ ذبح کرنا [illegible] ظاہری [illegible] ایک قسم کا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے تو ذبح کی بعض صورتوں سے حیوان کو مردار ہونے سے خارج کیا اور بعض صورتوں سے حیوان کو مردار قرار دیا حالانکہ کوئی وجہ فرق کی نہیں ہے پس ان میں دو متماثل [illegible] کو الگ الگ کر دیا پھر اس مذبوح علی غیر اسم اللہ کو اور میتہ کو ایک حکم میں داخل [illegible] تو اس میں دو متضاد چیزوں کو جمع کر دیا۔؟

جواب۔ شریعت نے دونوں مرداروں کے لغوی نام میں برابری نہیں کی بلکہ ان کے اسم شرعی میں برابری رکھی ہے پس مردار کا نام شرع میں بہ نسبت لغت کے عام ہے اور شارع علیہ السلام لغوی ناموں میں کبھی نقل سے اور کبھی عموم سے اور کبھی خصوص سے تصرف کرتے ہیں۔ اور اہل عرف بھی ایسا ہی کیا کرتے ہیں پس یہ بات شرع و عرف میں منکر نہیں ہے باقی حرمت میں ان کو اس لئے یکساں ٹھیرایا گیا ہے کہ خدا تعالے نے ہم پر پلیدیاں حرام کی ہیں۔ کبھی اور پلیدی جو کہ موجب حرمت ہوتی ہے اس کو بھی کبھی شارع علیہ السلام ظاہر فرماتا ہے اور کبھی پوشیدہ رکھتا ہے اور جو پوشیدہ ہو اس پیا ایک [illegible] کھڑی ہے جو اس کی خباثت پر دلالت کرے۔ پس مردار میں تو جذب خون سبب ظاہر موجود ہے۔ اور مجوس اور مرتد اور تارک تسمیہ کے مذبوحہ میں اور جو جانور غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو ایسے مذبوحہ جانوروں میں بھی ایسی پوشیدہ خباثت اور پلیدی کی رعایت کی جاتی ہے جو کہ موجب حرمت مذبوحہ ہے۔ اور اس کے

خفی ہونے کے سبب ایک علامت اس کے وجود پر قائم کردی ہے یعنی علی اسم اللہ اسکا ذبح نہ ہونا اور اس سبب خفی کی طرف حق تعالیٰ نے اشارہ بھی فرمایا ہے یعنی جن جانوروں پر خدا تعالیٰ کا نام بوقت ذبح نہیں لیا جاتا اُن کو خدا تعالیٰ فسق فرماتا ہے اور فسق پلیدی ہے پس جہاں پلیدی ہو وہاں حرمت ضرور لاحق ہو جاتی ہے۔

ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق (انعام ۸)

توضیح اس کی یہ ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کا پاک نام مذبوحہ کو پاک کرتا ہے اور ذبح کرنے والے اور مذبوح جانور سے شیطان سے دور کر دیتا اور مٹا دیتا ہے جب خدا تعالیٰ کا نام مذبوح پر نہ لیا جائے تو ذبح کرنے والے اور مذبوح جانور میں شیطان سرایت کر جاتا ہے اور شیطان کی خباثت جانور میں تاثیر کرتی ہے کیونکہ شیطان جانور کے خون سے قائم مقام ہو جاتا ہے اور خون ہی کے مقامات میں اس کا مقام ہوتا ہے خون ہی شیطان کی سواری اور وہی اس کا حامل ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ان الشیطان یجری من بنی آدم مجری الدم۔ یعنی شیطان بنی آدم میں اس کے رگ و ریشہ اور خون کے جاری ہونے کے مقاموں میں چلتا ہے اور وہ سب پلیدیوں سے بڑھکر ہے پس جب ذبح کرنے والا خدا تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو شیطان خون کے ساتھ ہی خارج ہو جاتا ہے اور مذبوحہ پاک ہو جاتی ہے۔ اور اگر اللہ پاک کا نام نہ لیا جاوے تو وہ پلیدی خارج نہیں ہوتی اور جب خدا تعالیٰ کے دشمن یعنی شیطان اور بتوں کا نام مذبوح پر لیا جاوے تو مذبوح میں پلیدی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

رہا یہ کہ جب ذابح مجوسی وغیرہ ہو گو اللہ ہی کے نام سے ذبح کرے اسکی

حرمت کا سبب ہے۔ اور ذبح کرنا قائم مقام عبادت الٰہی ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے
دونوں کو جمع کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے فصل لربک وانحر۔ قل ان صلاتی و
نسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔ و البدن جعلناھا لکم من شعائر
اللہ لکم فیہا خیر فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف فاذا وجبت جنوبہا فکلوا
منہا واطعموا القانع والمعتر کذلک سخرناھا لکم لعلکم تشکرون لن ینال اللہ
لحومہا ولا دماؤہا ولکن ینالہ التقوی منکم۔ خدا تعالیٰ نے بتادیا کہ ہم نے ان
جانوروں کو ان لوگوں کو مسخر کیا اور حلال ٹھیرایا کہ وہ ان پر خدائے تعالیٰ کا نام لیکر ان کو
ذبح کریں کیونکہ خدائے تعالیٰ کو تو انسان سے تقوی منظور ہے جس سے مراد خدائے
تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنا اس کا قرب چاہنا اور وقت ذبح جانوروں پر
خدا کا نام لینا ہے۔ اور جب وقت ذبح حیوانات پر خدائے تعالیٰ کا نام لینے سے
گناہ ذبح کا دور ہونا پسند ہے تو اس مکروہ فعل سے ان مذبوح جانوروں میں پلیدگی
کا اثر جاتا رہتا ہے اور اسی طرح اگر مذبوح پر خدائے تعالیٰ کے سوائے کسی اور کا نام
لیا جاوے تو وہ مذبوح مردار کی طرح ہو جاتا ہے جیسا ابھی قریب بیان ہوا پس جبکہ
تسمیہ ترک کرنے اور خدائے تعالیٰ کے سوا غیر اللہ کا نام لینے سے مذبوح حرام
ہو جاتا ہے تو جبکہ خدائے تعالیٰ کا دشمن ذبح کرے جو ناپاک ترین مخلوقات ہے اسکا
مذبوح جانور بالاولیٰ حرام ہوگا کیونکہ ذبح کرنے والے کا فعل و ارادہ اور اس کی خباثت
بالضرور مذبوح میں مؤثر ہوتی ہے۔

جبکہ غیر مذبوح جانور کا خون گوشت میں جذب ہو کر گوشت ہی بنجاتا ہے تو پھر اسکی حرمت کی کیا وجہ

اس کی تحقیق کہ آیا بعد مرگ خون گوشت میں جذب ہو جاتا ہے یا وہ بعد استحالہ کے گوشت

پہنچاتا ہے یہ ہے کہ مستحیل ہونے کے لیے تو قوت ہاضمہ کی اور قوت محیلہ کی یعنی اس قوت کی جس کا کام یہ ہے کہ ایک شئی کو دوسرے کی طرف مستحیل کرنے ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ بدن کی سب قوتیں جیسے قوت باصرہ اور سب قوائے حیوانی حیات ہی کے ساتھ ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اعضائے حیوانی مثل چشم و گوش وغیرہ ان قویٰ کے لیے ایسے ہیں جیسے آئینہ نور کے لیے یعنی قابل اور منفذ سو جیسے اصل نور آئینہ میں نہیں ہوتا بلکہ آفتاب میں ہوتا ہے۔ ایسے ہی اصل قوائے حیوانی نفوس حیوانی میں ہوتے ہیں اعضا میں نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ جیسے آئینہ بے امداد آفتاب نور کے اعتبار سے بیکار ہے ایسے ہی ابدان حیوانی بدون عنایت روحانی قویٰ حیوانی کے اعتبار سے بیکار ہیں اس صورت میں بعد مرگ استحالہ ممکن نہیں۔ نہ وہ جذب ہو گا جو بعد مرگ کا لہو تو خون نہیں نکلتا اور جذب ہوا تو پھر ناپاکی یقینی ہے۔

جانور کو حلق سے ذبح کرنیکی حکمت

(۱) جانور کو حلق سے اس لیے ذبح کیا جاتا ہے کہ مجمع خون کا دل اور جگر ہے اور خون کو اس جگہ سے نکالنے کا نزدیک تر یہی راہ ہے۔ اس واسطے طبیبوں کے یہاں مقرر ہے کہ اس جگہ کے مواد کو قے کرا کر نکال لیتے ہیں۔

(۲) اگر جانور کے بدن کا لہو کسی اور طرف سے نکالا جاوے تو جانور دیر میں مرتا اور اسکو تکلیف بہت ہوتی ہے اور حلق سے ذبح کرنے سے جلدی مر جاتا ہے۔

(۳) سانس کی آمد و رفت کا یہی راہ ہے اور سانس ممدِ روح ہے لہٰذا روح اور مرکب روح یعنی خون کو اسی راہ سے نکالنا مناسب ہے۔

(۴) روح اور خون غذا سے پیدا ہوتے ہیں اور غذا اسی راہ سے داخل ہوتی ہے

لہذا روح وخون کو جدا کرنے کی مناسب راہ یہی ہے۔

(۸۶) علت مچھلی و ٹڈی بغیر ذبح

(۱) مچھلی اس وجہ سے ذبح نہیں کی جاتی کہ اس کے بدن کا اصلی مادہ پانی ہے اور پانی بالطبع پاک اور پاک کرنے والا ہے پس جیسے کہ نجاست پانی میں اثر نہیں کرتی ایسا ہی آبی جانور کی روح جدا ہونے سے اس میں نجاست اثر نہ کرے گی اور حاجت ذبح کی نہ رہی۔ اور ٹڈی اس سبب سے ذبح نہیں کی جاتی کہ وہ خون جاری نہیں رکھتی اور تعلق اس کی روح کا بدن سے بلاواسطہ خون کے مثل تعلق روح پہاڑ اور درخت اور دیگر جمادات کے ہے اور اس طرح کے تعلق کا جدا ہونا موجب نجاست نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس جدائی سے خون جذب نہیں ہوا۔ اور اس علت میں اگرچہ تمام دریائی جانور اور تمام حشرات الارض مشترک ہیں مگر وہ بسبب ذاتی خباثت اور غذائے نجس و متنفر ہونے کے حرام ہیں بخلاف مچھلی و ٹڈی کے کہ وہ ذاتی و عارضی خباثت سے پاک و سالم ہیں۔ اسی واسطے ان دونوں کے لیے خاص استثناء ہوا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ احلت لنا میتتان ودمان اما المیتتان الحوت والجراد والدمان الکبد والطحال۔ ترجمہ:۔ یعنی ہمارے لئے دو میت اور دو خون حلال کئے گئے ہیں۔ لیکن دو میتوں سے مراد تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خونوں سے مراد جگر اور تلی ہیں۔ اور جگر اور تلی دو عضو ہیں مگر یہ دونوں خون کے مشابہ ہوتے ہیں لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شبہ کو رفع کر دیا جو ان سے پیدا ہوتا تھا۔ نیز مچھلی میں مثل ٹڈی کے دم مسفوح یعنی خون رواں نہیں ہوتا لہذا اس کے لئے بھی ذبح کرنا مشروع نہیں ہوا۔

[illegible] اور بکری اور دنبہ کی حلت کی وجہ (۱) یہ سارے جانور دراصل [illegible] ہوتے ہیں اس لئے حلال ٹھہرائے [illegible] کو خدا تعالیٰ نے [illegible] فرمایا ہے [illegible] اتفاق ہو [illegible] دنیا میں زیادہ تر انہیں جانوروں کا گوشت [illegible] استعمال کرتے [illegible] اس امر کی مقتضی ہے جیسا کہ [illegible] کی خوراک کا [illegible] ہے ایسا ہی کچھ حصہ اس کا حیوانات سے ہو اور اس کی [illegible] کے لئے حیوانات [illegible] مقرر ہونے مناسب تھے جو اس کے مزاج کے موافق ہوں [illegible] نے ایسا ہی کیا۔

(۲) [illegible] انسان جامع جلال و جمال ہے تو اس کی خوراک میں جمال جلال دونوں کا ہونا مناسب تھا لہذا انسان کی خوراک کے لئے وہ جانور مقرر ہوئے جن میں جمال و جلال ہر دو صفات موجود ہیں۔

ہرن، گورخر، خرگوش، شترمرغ کی حلت کی وجہ (۱) وہ جانور جو جنگل میں رہتے ہیں اور بہیمۃ الانعام کے [illegible] ہیں وہ سب حلال ہیں کیونکہ ان میں بہیمۃ الانعام کے پاک و ستھرے اوصاف [illegible] ہیں اور وہ مزاج انسان کے موافق اور مطابق ہیں مثلاً ہرن، گورخر، شترمرغ وغیرہ۔ ایک دفعہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی شخص نے [illegible] گورخر کا گوشت بھیجا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قبول [illegible] فرمایا۔

وجہ حلت مرغ و مرغابی و کنجشک و کبوتر و مانند آن

ان پرندوں کا گوشت مزاج انسانی کے موافق و مفید ہے لہذا حلال ٹھیرے۔

بہشت میں حلت شراب کی وجہ

سوال شراب جو دنیا میں ممنوعات اور محرمات سے ہے وہ کیونکر بہشت میں روا ہو جاوے گی

جواب۔ (۱) خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بہشتی شراب کو ان دنیاوی فساد انگیز شرابوں سے کچھ مناسبت نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بہشتی شراب کی صفت یوں فرمائی ہے۔ وسقٰھم ربھم شرابا طھورا۔ ترجمہ۔ یعنی جو لوگ بہشت میں داخل ہوں گے خدا ان کو پاک شراب طہور پلائے گا۔ جو خود بھی پاک ہوگی اور دل کو کامل طور پر پاک کر دے گی۔

اور بہشتی شراب کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے وکاس من معین لا یصدعون عنہا ولا ینزفون۔ الی قولہ تعالیٰ۔ لا یسمعون فیہا لغوا ولا تاثیما الا قیلا سلاما سلاما۔ ترجمہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ شراب صافی کے پیالے جو آب زلال کی طرح مصفی ہوں گے بہشتیوں کو دیئے جائیں گے وہ شراب ان سب عیبوں سے پاک ہوگی کہ درد سر پیدا کرے یا بیہوشی اور بدمستی اس سے طاری ہو اور بہشت میں کوئی لغو اور بیہودہ بات سننے میں نہیں آئے گی اور نہ کوئی گناہ کی بات سنی جائے گی۔ بلکہ ہر طرف سلام سلام جو رحمت اور محبت کی نشانی ہے سننے میں آئے گا۔ شرح اس کی یہ ہے کہ شراب میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک نشہ دوسرا سرور۔ اور ان دونوں میں باہم تضاد ہے۔ نشہ بیہوشی کا نام ہے اور بیہوشی میں نہ رنج ہوتا ہے نہ راحت نہ غم نہ خوشی۔ اس صورت میں ان دونوں

کا اجتماع ایسا ہوگا جیسا کہ تمام مرکبات عنصریات میں گرمی و سردی کا اجتماع ہوتا ہے مگر جیسے بایں وجہ کہ گرمی سردی باہم متضاد ہیں ایک شئی کی تاثیر یہ دونوں نہیں ہو سکتیں اور اس وجہ سے پانی اور آگ کا اقرار کرنا پڑتا ہے ایسی ہی بوجہ مذکور نشہ اور سرور شئے واحد کا اثر تو ہو ہی نہیں سکتے خواہ مخواہ یہی کہنا پڑے گا کہ نشہ کسی اور چیز کی خاصیت ہے اور سرور کسی اور چیز کی خاصیت۔ اگر شراب میں وہ چیز نہ رہے جس کی خاصیت نشہ ہے بلکہ قدرت الٰہی کی چھلنی سے چھان کر اس کو جدا کر دیں تو پھر اس صورت میں شراب فقط لذت اور سرور ہی رہ جائے گا اور بیشک ہر عاقل کے نزدیک وہ شراب حلال ہوگی۔

غرض یہ ہے کہ علت حرمت شراب جو ہے تمام عقلاء اور قائلان حرمت کے نزدیک یہی نشہ ہے اور اہل اسلام اس کی حرمت کے بھی قائل ہیں جب تک اس میں نشہ ہو اگر شراب سرکہ بن جائے اور نشہ نہ رہے تو وہ پھر اس کے پینے میں تامل نہیں کرتے اور حضر قرآن و حدیث و فقہ میں بھی یہی وجہ مذکور ہے۔ بالجملہ وجہ حرمت وہ نشہ ہے اور چونکہ وہ ایک جدی چیز کے ساتھ قائم ہے اور اس وجہ سے اس کا جدا ہونا ممکن تو درصورت جدائی فقط مادۂ سرور ہی شراب میں باقی رہ جائے گا اور ظاہر ہے کہ شراب کو جو کوئی پیتا ہے وہ بوجہ سرور پیتا ہے بوجہ بیہوشی نہیں پیتا سو کلام اللہ میں لذت کا ثبوت ہے جو باعث سرور ہے اور نشہ کی نفی ہے جو وجہ ممانعت تھی چنانچہ لفظ لا لغو فیہا ولا تاثیم اس پر شاہد ہے پھر دنیا میں نشہ کی چیزوں کی اسی وجہ سے ممانعت تھی کہ نشہ کے وقت احکام خداوندی ادا نہیں ہو سکتے سو یہ اندیشہ زندگانی دنیا تک ہی ہے بعد مرگ تمام

احکام ساقط ہو جاتے ہیں۔ بہشت میں ہر کوئی فرائض و واجبات وغیرہ سے فارغ البال ہوگا۔ وہاں اگر شراب حلال ہو جائے تو کیا حرج ہے۔

برتن میں مکھی پڑنے سے اس کو اس میں غوطہ دیکے نکالنے کی وجہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسہ ثم لیطرحہ فان فی احد جناحیہ شفاء وفی الاٰخر داء۔ ترجمہ۔ جبکہ تمہارے کسی برتن میں مکھی گر پڑے تو مکھی کو اس میں ڈبو کر پھر اس کو پھینکدو کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے۔

اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ مکھی اس پر کو مقدم کرتی ہے جس میں بیماری ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حیوان کے اندر اسکی طبیعت کو تدبیر بدن کے لئے پیدا کیا ہے وہ طبیعت اکثر اوقات مواد موذیہ کو جو جزو بدن ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے اعماق بدن سے اطراف کی طرف دفع کردیتی ہے یہی وجہ ہے کہ اطبا رجانوروں کی دم کھانے سے منع کرتے ہیں اور مکھی اکثر اوقات خراب غذا جو جزو بدن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی کھاتی رہتی ہے اور اسکی طبیعت اسی مادہ فاسد کو اس کے عضو خسیس یعنی پر کی طرف پھینکتی رہتی ہے اور خدا کی یہ حکمت ہے کہ جس چیز میں زہر رکھا ہے تو اس میں تریاقیہ مادہ بھی رکھا ہے۔ الغرض ہر جانور کے زہر کا تریاق اسی جانور کے بدن میں خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔ چنانچہ سانپ کے زہر کا تریاق سانپ کے سر میں ہوتا ہے ایسا ہی اور جانوروں کا ہوتا ہے۔ ورنہ اگر جانوروں میں زہر تو ہے مگر ان میں تریاقی مادہ نہ ہو تو کوئی جانور زندہ نہ رہ سکے۔

پانی اور برتن میں سانس لینا و پھونکنا منع ہونے کی وجہ

عن ابی ھریرۃ رض قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اذا شرب احد کم فلا یتنفس فی الاناء فاذا اراد ان یعود فلینح الاناء ثم لیعد ان کان یرید۔ یعنی حضرت ابی ہریرہ رض نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے راوی ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص پانی پینے لگے تو برتن میں سانس نہ لیوے اور پھر جب سانس لینا چاہے تو برتن کو منھ سے ہٹا لیوے اور پھر جب پینے کا ارادہ کرے تو برتن منھ سے لگاوے۔

دوسری حدیث میں ابن عباس رض آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے راوی ہیں۔ لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ینفخ فی الشراب۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پانی میں نہ پھونکتے تھے۔

اور ایسا ہی ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباس رض راوی ہیں۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان ینفخ فی الاناء۔ یعنی نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے برتن میں پھونکنے سے منع فرمایا ہے (ابن ماجہ)۔

سانس کا پانی میں لینا یا پانی میں پھونکنا اس لئے منع ہوا کہ سانس تمام گندے بخارات لیکر باہر آتا ہے اور پانی میں سانس لیا جاوے یا پانی میں پھونکا جاوے تو ان متعفنہ بخارات سے پانی متأثر ہو جاتا ہے جو اندر سے باہر آتے ہیں اور اس طرح سے وہی بخارات اندر چلے جاتے ہیں جن سے حدوث امراض کا خطرہ ہے۔

انسان کے اندر آمد و رفت سانس کی گویا الٰہی مشین ہے جس کے ذریعہ سے گندے اور متعفن مادے ہر دم باہر نکلتے ہیں اور تازہ ہوا اس کے اندر آتی رہتی ہے ۱۔ اس کے ذریعہ سے انسان کی صحت قائم رہتی ہے۔

الغرض اندر کے گندے اور متعفن بخارات اور مادّے جو سانس کے ذریعہ سے باہر آتے ہیں ان کو کھانے پینے والی چیزوں میں سانس کے ذریعہ سے ڈالنا ممنوع ہوا کہ اس سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔

انسان کے لئے گوشت کھانا کیوں جائز ہے

انسان کو مثل شیر و چیتا و بھیڑیا وغیرہ کچلیوں کا عطا ہونا اس بات پر

مشہور ہے کہ اس کی غذا اصلی گوشت ہے اور اہل تحقیق کے نزدیک یہ بات کم از کم اچھا نہیں اور ظاہر ہے کہ انسان کو جتنی چیزیں عطا کی گئی ہیں وہ کسی کام کے لئے دی گئی ہیں آنکھ، کان جیسے دیکھنے سننے کے لئے ہیں اس لئے ان سے صاف عیاں ہے کہ یہ دیکھنے سننے کی اجازت ہے۔ ایسے ہی کچلیوں کو بھی خیال فرمایئے۔ ہاں یہ بات کہنی ہے کہ سارے حیوانات یکساں نہیں ہر کسی کے گوشت میں جداگانہ تاثیر ہے۔ لہٰذا جس جانور کا گوشت مفید ہوگا وہی جائز ہوگا جس جانور کا گوشت مضر ہوگا بقدر ضرورت ناجائز ہوگا۔ کیونکہ خداوند کریم کے امر و نہی و اجازت و ممانعت آدمی کے نفع و نقصان کے لحاظ سے ہے۔ اپنے نفع و نقصان کے لحاظ سے نہیں۔ اس لئے سور اور شیر وغیرہ درندے بوجہ بداخلاقی کے قابل ممانعت ہو گئے اور ان کا کھانا انسان پر حرام ہو گیا۔ تاکہ ان کے کھانے سے مزاج میں بدخلقی نہ پیدا ہو جائے۔ جیسے گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی پیدا ہوتی ہے ایسے ہی حیوانات کے کھانے سے ان کے مزاج کے موافق انسان میں اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

گوشت اور ترکاریاں کھانے سے انسان کے روحانی اخلاق کیسے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں اور اس بات کو دوبارہ یاد دلاتے ہیں کہ غذا کا اثر جسم پر ویسا ہی ہوتا ہے جیسا غذا کا مزاج ہو۔ گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی کا پیدا ہونا مسلم ہے۔ اسی طرح

حیوانات کے کھانے سے انسانی اوصاف کا تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے عہ مثلاً بقولی و
غلہ جات کے کھانے سے انسان میں نرمی و حلم و رحم کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اور
گوشت کھانے سے اس میں شجاعت و جسارت و قوت غضبیہ کو تحریک ہوتی ہے چونکہ
انسان جامع جلال و جمال ہے لہٰذا اس کے لیے بقول اور گوشت دونوں قسم کی غذا
حلال ہوئیں اگر انسان سے قوت غضبیہ بالکل مفقود ہو جائے تو انسانی صفت سے
محروم رہ جائے اور اس کے بہت سے امور خلل پذیر ہو جائیں کہیں گرمی کی ضرورت
ہوتی ہے اور کہیں سردی کی حاجت کبھی تلخ ادویہ مفید ہوتی ہیں اور گاہے شیریں سے
حاجت برآری ہوتی ہے۔ جہاں تلخ ادویہ کے ساتھ معالجہ کرنا ہو وہاں شیریں اشیاء
کا استعمال کرنا سراسر نقصان دہ غیر مفید ہوگا۔ کبھی غصے و غضب ہی کا کام نکلتا ہے
اور نرمی سے بگڑتا ہے اور گاہے نرمی و رفق و حلم سے معاملہ سنورتا ہے اور غصہ و
غضب سے خراب ہوتا ہے۔ اسی طرح اغذیہ کو سمجھ لو اور مرچ جیسی تیز اور نیم جیسی تلخ
اشیاء اور قند جیسی شیریں چیزوں کا انسان کے لئے پیدا ہونا اس جانب مشیر ہے کہ
انسان کو مدام ایک ہی چیز کا استعمال کرنا مضر ہے۔ گاہے تلخ اور گاہے شیریں گاہے
غلہ و میوہ جات و سبزی اور گاہے گوشت، گاہے رحم اور گاہے غضب کا برتنا چاہئے
اور اسی طریق سے عدالت قائم ہو سکتی ہے۔

انسان میں قوت غضبیہ و حلم وغیرہ کی حکمت

انسان کی فطرت پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مختلف
قویٰ اس غرض سے دیئے گئے ہیں تاکہ وہ مختلف وقتوں میں حسب تقاضائے محل اور
موقع قویٰ کو استعمال کرے مگر انسان میں منجملہ اور خلقوں کے ایک خلق بکری کی فطرت

سے مشابہ ہے۔ اور دوسرا خلق شیر کی صفت سے مشابہت رکھتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بکری بننے کے محل میں بکری بنجائے اور شیر بننے کے محل میں وہ شیر بنجائے اور خدا تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت ہر محل میں بکری ہی بنا رہے اور نہ یہ کہ ہر جگہ وہ شیر ہی بنا رہے اور جیسا کہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ ہر وقت انسان سوتا ہی رہے یا ہر وقت جاگتا ہی رہے یا ہر دم کھاتا ہی رہے یا ہمیشہ کھانے سے منہ بند رکھے اسی طرح وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ انسان اپنی اندرونی قوتوں میں سے صرف ایک قوت پر زور ڈالدے اور دوسری قوتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملی ہیں ان کو لغو سمجھے اگر خدا نے انسان میں ایک قوت حلم اور نرمی اور درگذر اور صبر کی رکھی ہے۔ تو اسی خدا نے اس میں ایک قوت غضب اور خواہش انتقام کی بھی رکھی ہے۔ پس کیا مناسب ہے کہ ایک خداداد قوت کو تو حد سے زیادہ استعمال کیا جائے اور دوسری قوت کو اپنے میں سے کاٹ کر پھینکدیا جاوے اس تو خدا پر اعتراض آتا ہے۔ گویا اس نے بعض قوتیں انسان کو ایسی دی ہیں جو استعمال کے لائق نہیں۔ کیونکہ یہ مختلف قوتیں اسی نے تو انسان میں پیدا کی ہیں۔

پس یاد رہے کہ انسان میں کوئی بھی قوت بُری نہیں ہے بلکہ انکی بد استعمالی بُری ہے۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ۔ یعنی اگر کوئی تمہیں دُکھ پہنچاوے مثلاً دانت توڑ دے یا آنکھ پھوڑ دے تو اس کی سزا اسی قدر بدی ہے جو اس نے کی۔ لیکن اگر تم ایسی صورت میں گناہ معاف کر دو کہ اس معافی کا کوئی نیک نتیجہ پیدا ہو اور اس سے کوئی اصلاح ہو سکے۔ یعنی مثلاً مجرم آئندہ اس عادت سے باز آجائے تو اس صورت

میں معاف کرنا ہی بہتر ہے اور اس معاف کرنے کا خدا سے اجر ملے گا۔

اس آیت میں دونوں پہلوؤں کی رعایت رکھی گئی ہے اور عفو اور انتقام کو مصلحتِ وقت سے وابستہ کر دیا گیا ہے سو یہی حکیمانہ مسلک ہے جس پر نظام عالم کا چل رہا ہے۔ رعایت محل اور وقت سے گرم اور سرد دونوں کا استعمال کرنا ہی عقلمندی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم ایک ہی قسم کی غذا پر ہمیشہ زور نہیں ڈال سکتے بلکہ حسب موقع گرم اور سرد غذائیں بدلتے رہتے ہیں اور جاڑے اور گرمی کے وقتوں میں کپڑے بھی مناسب حال بدلتے رہتے ہیں۔

پس اسی طرح ہماری اخلاقی حالت بھی حسب موقع تبدیلی کو چاہتی ہے ایک وقت غصہ دکھلانے کا مقام ہوتا ہے وہاں نرمی اور درگذر سے کام بگڑتا ہے اور دوسرے وقت نرمی اور تواضع کا موقع ہوتا ہے وہاں رعب دکھلانا سفلہ پن سمجھا جاتا ہے۔ غرض ہر ایک وقت اور ہر ایک مقام ایک بات کو چاہتا ہے پس جو شخص رعایت مصالح اوقات نہیں کرتا وہ حیوان ہے نہ انسان اور وہ وحشی ہے نہ مہذب قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ کسی جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دی جائے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہیے کہ وہ محل اور موقع گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا۔ پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح صرف گناہ بخشنے کی عادت مت ڈالو بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو کہ حقیقی نیکی کس بات میں ہے بخشنے میں یا سزا دینے میں پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔

بوقت ذبح جانور تکبیر پڑھنے کا راز

ہر تاثیر کے لئے ایک مؤثر چاہئے اور ایک قابل آفتاب کی تاثیر سے جو آئینہ منور ہو جاتا ہے اور آتشیں شیشہ میں آتشیں شعاعیں آجاتی ہیں تو ان دونوں صورتوں میں آفتاب مؤثر ہے اور آئینہ اور آتشیں شیشہ متأثر اور قابل اگر ادھر آفتاب نہ ہو یہ نورانیت جو آئینہ میں آجاتی ہے اور یہ جو تپش آتشیں شیشہ میں پیدا ہو جاتی ہے ظہور نہ کرے اور اگر ادھر آئینہ اور آتشیں شیشہ نہ ہو تب بھی یہ نورانیت اور یہ تپش ظاہر نہ ہو۔

اسی طرح تکبیر وغیرہ ذکر اللہ مؤثر ہیں اور حیوانات معینہ قابل اور متأثر اگر مؤثر کی جانب بالکل خالی ہو یا بجائے ذکر اللہ کچھ اور ہو جب بھی حلت متصور نہیں اور اگر قابل کی جانب بالکل خالی ہو یا سوائے حیوانات معینہ کے اور کوئی حیوان ہو تب بھی حلت متصور نہیں۔ تکبیر کے مؤثر ہونے کی وجہ سمجھو کہ جب حکمت الٰہی نے انسان کے لئے ان حیوانات کو بعد زندگی بھی اسی کے مثل ہی مباح کردیا اور ان حیوانات پر اس کو قدرت عطا فرمائی تو واجب ہوا کہ ان حیوانات کی جان نکالنے کے وقت اس نعمت سے غافل نہ ہو اور غافل نہ ہونے کی یہی صورت ہے کہ خدا تعالیٰ کا نام ان پر ذکر کریں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام۔ ترجمہ۔ یعنی خدا تعالیٰ کا نام لیں اس چیز پر جو خدا تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی چارپایوں میں سے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ غلہ پھل وغیرہ نباتات کا بنی آدم کے لئے ہونا تو ظاہر

تھا کون نہیں جانتا کہ یہ چیزیں نہ ہوتیں تو بنی آدم کو زندگی محال تھی۔ البتہ حیوانات کا بنی آدم کے لیئے ہونا اس وجہ سے مخفی تھا کہ مثل بنی آدم کے دست و پا و چشم و گوش وغیرہ اعضاء و قویٰ ان کے حق میں بھی آلات انتفاع ہیں۔ پھر جیسے غلہ پھل وغیرہ نباتات بنی آدم کے کام آتے ہیں ایسے ہی حیوانات ہم سنگ بنی آدم نظر آتے ہیں۔ البتہ نباتات میں یہ بات نہ تھی اس لیئے ان کا تو پیدا کر دینا ہی کم از اجازت نہیں اور حیوانات میں پیدا کرنے کے سوا اور اجازت کی ضرورت ہے ورنہ ایذا فوذبح جو اعلیٰ درجہ کی ایذا ہے کیونکہ قتل ہے لاریب اعلیٰ درجہ کا ظلم ہوگا اور کیوں نہ ہو ہماری تمہاری ملک برائے نام ملک ہے جب ہماری مملوکات میں تصرف بے اجازت ظلم سمجھا جاوے تو خدا تعالیٰ کی مملوکات و مخلوقات میں تصرف بے اجازت ظلم کیوں نہ ہوگا اس لئے اس کی اجازت کی ضرورت پڑی۔

مگر ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ مالک کی اجازت اس وقت متصور ہے جب تصرف کرنے والا مالک کو مالک سمجھتا ہو اور اگر کسی اور کو سوائے مالک کے مالک سمجھ بیٹھے تو بجائے اجازت بحکم غیرت مالک ممانعت ضرور ہے علیٰ ہذا القیاس انعام کی توقع اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ حقوق مالکیت اسی کو ادا کئے جائیں اور اگر الغرض مالک کے حقوق کسی اور کو ادا کئے جائیں تو اس وقت انعام کی جگہ اُلٹا مستحق سزا ہوگا۔ اس لئے بغرض رفع اشتباہ ذبح کے وقت مالکیت اور اجازت کا اعلان ضرور ہوگا یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب کے مذہب میں وقت ذبح بسم اللہ کا کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بالجملہ وقت ذبح خدا کا نام لینا موافق عقل ضروری ہے۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کی حرمت کی وجہ

اوپر کی تقریر سے ثابت ہے کہ ذبیحہ کا کھانا خدا کی اجازت پر مبنی ہوگا مگر یہ ٹھیرے تو پھر اعلان اجازت خداوندی ضروری ہے تاکہ یہ وہم صورت حال ذبح سے نہ پیدا ہو کہ وہ خدا کی ذات کا محتاج نہیں یا بدون اجازت خدا کے عمدہ عمدہ مملوکات میں خاطر خواہ تصرف کرسکتا ہے جس سے اس کا ظاہر ہونا اور خدا کی تحقیر نکلتی ہے۔ پھر اس پہ اس اعلان میں یہ بھی فائدہ ہوگا کہ خدا کا نام سنکر حیوانات کو بوجہ اعتقاد خدا کی مالکیت اور اپنی مملوکیت کی جان دینی سہل ہوجائے۔

الغرض خداوند عالم مالک الملک ہے اور حیوانات اس کی متاع۔ اس لئے انکا حلال ہونا اگر وقت ذبح خدا کا نام لینے پر موقوف رکھا جائے اور غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو اگر حرام کہا جائے تو بجا ہے کیونکہ مالک کو یہ گراں نہیں ہوتا کہ اس کی اجازت سے اس کی مملوکات میں تصرف کیا جائے پھر بے اجازت تصرف کبھی گوارا نہیں ہوتا اور اگر اجازت کے سوائے یہ بھی پیش آجائے کہ تصرف کرنیوالا اس شئی کو کسی اور کے نام کہتا پھرے اور اسی کے نام سے اس میں تصرف کرے تو گوارا ہونا کجا الٹی سزائے بغاوت اس کے لئے تجویز کی جائے گی اور وہ چیز اس سے چھین لی جائے گی۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام ایسے ذبیحہ کو جس پر غیر خدا کا نام بوقت ذبح لیا جائے یا غیر خدا کا سمجھکر برائے نام خدا کے نام پر ذبح کیا جائے حرام کہتے ہیں۔ اس تقریر سے تو وقت ذبح خدا کے نام لینے کی ضرورت اور غیر خدا کے نام لینے کی خرابی موجہ ہوگئی۔

حرمت شراب وقماربازی کی وجہ

چونکہ لوگوں کی معاش اور خانگی تدابیر اور ریاست[۵۷]

۵۷ یعنی شہروں کا انتظام ۱۲

مُدن بغیر عقل و تمیز کے مکمل نہیں ہوسکتی اور شراب خوری کی عادت سے تمام انسانی انتظامات میں ہلچل پڑجاتی ہے۔ اس سے جنگ و جدال اور ذاتی رنجشیں پیدا ہوتی ہیں اور طبائع انسان میں جو بیہودہ خواہشیں ہیں وہ بھی عقلوں کو مغلوب کرلیتی ہیں پھر ان میں ایسے ایسے رذائل کا میلان ہوجاتا ہے اور تمام تدابیر کو وہ تلف کردیتے ہیں اگر ایسی ایسی حرکات کی روک ٹوک نہ کی جائے تو لوگ ہلاک ہوجائیں۔ اسی روک ٹوک کے لئے شراب کو حرام کیا گیا۔

شراب میں بہت سی خرابیوں کا اندیشہ ہے جن سے خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہوتی ہے۔ شراب کی وجہ سے خدا کی جانب خالص توجہ نہیں ہوسکتی تمدن اور خانہ داری کے انتظامات سب درہم برہم ہوجاتے ہیں۔ اس لئے شارع نے شراب کو نجاسات میں داخل کیا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے شراب ناپاک اور شیطان کا فعل ہے رجس من عمل الشیطان اس لئے خدا نے اس کو بہت تاکید کے ساتھ حرام کیا ہے حکمت الٰہیہ کا یہی اقتضا ہوا کہ اس کو پیشاب اور پاخانہ کی برابر کردیا جائے تاکہ لوگوں کے سامنے اس کی بُرائی متمثل ہوجائے اور اس سے خودبخود ان کے دلوں کو اسکی طرف سے کشیدگی ہوجائے اور اس کی حرمت کے اور بھی وجوہ ہیں جب فسادوں کے جامع ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون۔ ترجمہ شیطان چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بغض شراب اور جوئے سے اور روکے تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے۔ پھر اب تم باز بھی آؤ گے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔

یعنی جو چیز بہت نشہ آور ہو وہ تھوڑی بھی حرام ہے۔

قمار بازی یعنی جوا اس لئے حرام ہے کہ اس سے مال ناحق ضائع ہوتا ہے اور جھگڑے پیدا ہوتے اور تدابیر مطلوبہ متروک ہو جاتی ہیں اور محنت جس پر کہ تمدنی زندگی کا دارومدار ہے اس سے انسان اعراض کرتا ہے اگر ہمارے اس بیان کی تصدیق نہ ہو تو پھر غور کرو کہ کبھی تم نے جواریوں کو ان باتوں سے خالی اور آسودہ حال نہ دیکھا ہوگا۔ ایسا ہی شراب پینے والے کا حال ہے ان کے مضار و فساد بیشمار ہیں۔

اور جس گھر یا قوم و ملک میں شراب کی کثرت ہوگی وہاں مصائب کی کثرت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ممالک یورپ میں کثرت شراب نوشی کے باعث مصائب جرم کی بھی یوماً فیوماً ترقی ہو رہی ہے۔ دور نہ جاؤ یورپ میں بلجیم ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کی آبادی ۳ ۱/۲ ملین سے زائد نہیں ہے لیکن ایک لاکھ نو ہزار شراب خانے ملک میں موجود ہیں یعنی ہر پینتیس ۳۵ شخصوں کے لئے جن میں عورتیں اور لڑکے بھی شامل ہیں۔ ایک شراب خانہ ہے گذشتہ نصف صدی میں بلجیم کی آبادی میں فی صدی پچاس کی ترقی ہوئی لیکن شراب خانہ فی صد دو سو اٹھاون ۲۵۸ زیادہ ہوئے اہل بلجیم ایک سال میں ۵۵ گیلن شراب پیتے ہیں اور مجموعی مقدار دو کروڑ دس لاکھ چالیس ہزار پونڈ شراب میں صرف کرتے ہیں یعنی روزانہ ستاون ہزار چھ سو پونڈ کی شراب خرچ ہوتی ہے۔ فی کس ۳ ۱/۲ پونڈ اور فی خاندان پندرہ پونڈ سالانہ کا حساب بالاوسط ہے اس شراب خوری و اسراف کا نتیجہ یہ ہے کہ تعداد جرائم بہت بڑھی ہوئی ہے مجرموں میں فی صدی اسی خودکشی کرتے ہیں ۴۷ قیدخانہ میں

رہتے ہیں وہ فقر و فاقہ میں بسر کرتے آلہ وسلم نے بیاج لینے والے اور دینے والے اور
حقیقت میں اسلام نے شراب کو حرام کر انہوں سب پر لعنت فرمائی ہے اور خدا
اسلام میں مسکرات کی ممانعت ص
ین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی
کو شہوانیت سے کس قدر نفرت ہے۔ ہم
الو فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ
اسلام کوئی مذہب نفسانیت کی راہ نہیں ہے
سود رہ گیا ہے اگر تم مومن
چیز کی کوئی مخالفت نہیں۔ کیونکہ یہ مضمون اس وقت زیر بحث نہیں ہے
نہیں کہ اگر شراب شہوانی خیالات کو ابھارنے والی ہے جیسا کہ کل دنیا تسلیم
کرتی ہے تو کیا کسی مذہب کا شراب سے منع کرنا اور شراب خوری کو قطعاً
روک دینا اس امر کی یقینی اور قطعی شہادت نہیں ہے کہ وہ شہوانی خیالات سے
چھڑانے والا اور راستبازی اور روح و دل کی پاکیزگی کی طرف بلانے والا ہے اگر
اسلام ایک نفسانی مذہب تھا۔ اور اس کی غرض بھی تھی کہ شہوانی خواہشات کو پورا
کرنے کے ذریعے بتا دے اور ان کی راہ کھول دیوے تو پھر اس نے شراب کو کیوں
منع کیا اور شراب خوری کو کیوں جڑ سے کاٹا۔

ہمیں اور بھی تعجب ہوتا ہے جب ہم بعض نام کے مسلمانوں کو یہ کہتے ہوئے
سنتے ہیں کہ اسلام کے اصول ایک ابتدائی سوسائٹی کے لئے تجویز کئے گئے تھے
جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ گویا یہ اصول ایک وحشی قوم کیلئے
تجویز کئے گئے تھے اور آجکل مہذب اقوام کے لئے وہ موزوں نہیں۔ بہرحال ان
مہذبوں سے جو آجکل شراب خوری سے تباہ ہو رہے ہیں یہ وحشی قوم ہی اچھی ہی
افسوس ہے کہ لوگ واقعات کی بناء پر نتائج پیدا نہیں کرتے بلکہ جو ایک خیال

پاکیزگی اس پاکیزگی کے برابر نہیں
پاکیزگی کو نفسانیت کہا جاتا ہے حالانکہ
انسانوں کو لے جا رہی ہے پاکیزگی کے نام
چیز ہے جو انسان کے نفسانی جذبات کو جوش
ملت کو اسلام نے جڑ سے کاٹ کر انسانوں کو حیوانی
جذبات سے آزاد کر دیا ہے۔ ابھی تک دنیا اس حقیقی نور سے بے خبر ہے مگر وہ زمانہ
بہت قریب آیا جاتا ہے کہ جب دنیا کی آنکھیں اس نور کے دیکھنے کے لیے کھولی
جائیں گی۔ اور جب اسلام کے اصول دنیا کو معلوم ہوں گے تب سمجھ میں آئے گا
کہ وہ پاکیزگی ان لوگوں کے وہم وگمان سے بھی برتر ہے جو اسلام سکھاتا ہے۔

حرمتِ سود کی وجہ سود کی ایک کثیر الوقوع صورت یہ ہے کہ مقروض
نے جتنا قرض لیا ہے اس سے زیادہ یا بہتر کو ادا کرے
حرام اور باطل ہے کیونکہ تمام مقروضوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کا قرض
کی حاجت اور پریشانی کی وجہ سے لے تو لیتے ہیں لیکن حسب وعدہ اس کا
ادا نہ کرنے سے دو چند سہ چند ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس سے خلاصی کبھی ممکن
نہیں اور اس میں جھگڑوں اور عام خصومتوں کا گمان غالب ہے اور جبکہ
کے بڑھانے کا اس طرح طریقہ ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے کھیتیاں
تمام صنعتیں متروک ہو جائیں گی اس لئے اس پیشہ کو حرام ٹھیرا دیا گیا۔
عن ابن مسعود رضی قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکل الربوا
وموکلہ وشاھدیہ وکاتبہ (مسلم وترمذی شریف) **ترجمہ** یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ

راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے بیاج لینے والے اور دینے والے اور سود کا معاہدہ لکھنے والے اور سود کے گواہوں سب پر لعنت فرمائی ہے اور خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلو فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ

ترجمہ۔ اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو سود رہ گیا ہے اگر تم مومن ہو پھر اگر تم ایسا نہیں کرتے اور سود لینے اور دینے سے باز نہیں آتے ہو تو تم کو خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے

اور دینے کی ممانعت اس لئے ہے کہ اگر سود دینے والے ہی نہ ہوں یعنی سود پر قرض کوئی نہ لے تو پھر سود خوار بھی کوئی نہ رہے بلکہ اس قبیح رسم کی بیخ کنی ہو جاوے پس اس اعتبار خاص سے بہ زیادہ تر گناہ ان لوگوں کا ہے جو سود کے دینے کے معاہدہ پر قرض لیتے اور پھر سود کھانے والے لوگوں سے قرض لیتے ہیں جن قوموں کا ہمیشہ سود خواری کا تھا وہ بالآخر ذلیل و مطرود ہو گئیں۔ منجملہ ان کے قوم یہود ہے کہ چپہ بھر ان کی کہیں سلطنت نہیں ہے جس ملک میں جاتے ہیں ایسے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں کہ ذلیل ہو کر ان کو نکلنا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ سود خوار قوم ہے جب لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے پنجے سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا تو اپنے بادشاہوں کے پاس چغلیاں کھاتے ہیں اور پھر انہیں حکم ہوتا ہے کہ اس ملک سے نکل جاؤ۔

نیز سود خواروں کے اخلاق بہت برے ہوتے ہیں۔ ایک شخص حکایت کرتے تھے کہ میں نے ایک فقیر کے لئے ایک سود خوار سے سفارش کی تو وہ کہنے لگا کہ پانچ روپے میں دیدوں گا مگر میرے پاس رہتے تو سو برس میں سود در سود لاکھ ہو جاتا۔

لکھنؤ میں ایک سلطنت تھی وہ بھی محض سود سے تباہ ہوئی۔ پہلے ان کے مبلغات پرامیسری نوٹوں کے بدلہ میں گئے پھر وہ جنگ کرنے کے قابل نہ رہے اور آخر وہ وقت آیا کہ یہ سلطنت برباد ہو گئی بعض نابکار لوگ کہتے ہیں کہ سود کے بغیر کام نہیں چل سکتا حالانکہ بارہ سو برس کا (بارہ سو برس میں نے اس لئے کہا کہ تیرھویں صدی میں مسلمانوں نے سود لینا دینا شروع کر دیا) تجربہ بتاتا ہے کہ بغیر سود کے سب کام چل سکتے ہیں اور بعض صورتیں سود کی اور بھی ہیں جو فقہ میں مذکور ہیں انکی تحریم کی علت ذرا غامض ہے[1] جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

حرمت سود پر دلائل قویہ قرآن شریف کی وہ آیات جن میں سود کی ممانعت کا ذکر ہے۔

دوسری آیۃ جس میں سود خواری کی حرمت اس سے بھی زیادہ پُرزور الفاظ میں بیان کی گئی ہے یہ ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰہ ورسولہ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیرالکم ان کنتم تعلمون (بقرہ) یعنی اے مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اس کو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کروگے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے ہوشیار ہو اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی اصل رقم تم کو پہنچتی ہے نہ تم کسی کا نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر کوئی تنگ دست تمہارا مقروض ہو تو فراخی تک کی مہلت دو۔ اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ اور زیادہ بہتر ہے کہ اس کو خود ہی معاف کردو۔

[1] یعنی اس کا سمجھنا مشکل ہے ۱۲۔

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی وجہ

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا اس لئے مشروع ہے کہ اس فعل سے انسان جملہ امراض متعدیہ سے محفوظ و مصئون رہتا ہے کیونکہ اجرام موذیہ جو کہ موجب امراض متعدیہ ہوتے ہیں وہ ہاتھ دھونے سے اتر جاتے ہیں اور انسان کے اندر نہیں داخل ہوتے۔

کتاب الجنایات و الحدود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے محض بنی آدم کی خاطر با آرام و امن زندگی بسر کرنے کے لئے کچھ ایسے قوانین اور احکام مقرر فرمائے جو بنی آدم کے پیش نظر رہنے سے وہ ایک دوسرے پر ظلم و تعدی نہ کر سکیں اور جو کوئی ان قوانین کا نقض کرے اس کی سزا دہی کے مشاہدے سے باقیوں کے لئے عبرت ہو۔

زانی محصن و غیر محصن کی سزا میں فرق کی وجہ

محصن کی حد سنگساری اور غیر محصن کی حد درے لگانا ہے اور محصن وہ ہے جس میں یہ صفات ہوں۔ آزاد، مسلمان، عاقل، بالغ۔ اس نے کسی عورت سے صحیح نکاح کیا ہو اس سے ہمبستر بھی ہوا ہو اور وہ عورت بھی انہیں صفات سے موصوف ہو اور رجم میں ان شرائط کا ہونا اس لئے مقرر ہوا کہ رجم سزائے شدید ہے اور ان صفات میں نعمت مزید ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے تو جلائل نعم[1] کے ساتھ جرم کا ارتکاب عقوبت شدیدہ کا موجب ہونا چاہیئے۔

[1] یعنی بڑی نعمتوں ۱۲ ر +

دوسرے یہ کہ یہ امور خاص طور پر زنا سے مانع ہیں۔ چنانچہ عقل کا مانع ہونا
کون نہیں جانتا اسی طرح بلوغ سے عقل کا کمال ہوتا ہے۔ اسلام خود فواحش سے
زاجر ہے۔ آزاد آدمی نکاح صحیح پر اپنے اختیار سے قادر ہے اور نکاح صحیح کے بعد وطی
پر قادر ہے اور وطی سے سیری ہو جاتی ہے اور حلال سے سیر ہو جانا حرام سے خود
مانع ہے اور عورت میں ان صفات کا ہونا اس لئے شرط ہے کہ سیری اسی وطی سے
ہوتی ہے جو مرغوب ہو اور یہ صفات رغبت کی تکمیل ہیں کیونکہ مجنونہ کی صحبت سے
نفرت ظاہر ہے اور نابالغہ کی جانب خود رغبت کم ہوتی ہے اس لئے اس کی طرف مرد کو
بھی کم رغبت ہوتی ہے۔ اور مملوکہ کی صحبت میں اس لئے بے رغبتی ہوتی ہے کہ
اندیشہ اولاد کے غلام ہونے کا ہوتا ہے اور کافر عورت سے بھی بوجہ اختلاف دین
کے رغبت کم ہوتی ہے۔ اور جب ان میں ان صفات کے ہونے سے نعمت اور رغبت
منکوحہ کامل ہے اور دونوں بالغ قوی ہیں ایسا جرم سے پھر بھی ارتکاب کرنا
موجب ہوگا عقوبت شدیدہ کا اور وہ رجم ہے اور ان صفات کے نہ ہونے سے
موانع اتنے قوی نہیں گو موانع اس وقت ہیں۔ کیا اسلام اور عقل و بلوغ مانع
نہیں ہیں۔ موانع کے ہونے کے سبب تو عقوبت مشروع ہوئی اور ان کے اس درجہ
قوی نہ ہونے سے وہ عقوبت خفیف ہوئی اور وہ درے لگنا ہے (من الہدایہ ملخصاً)

چوری کی سزا میں چور کے ہاتھ کاٹنے اور زنا کی سزا میں شرمگاہ نہ کاٹنے کی وجہ

چور کی سزا میں چور کا ہاتھ کاٹنا اور زنا کی سزا میں زانی کی شرمگاہ نہ کاٹنا خدا تعالیٰ
کی نہایت حکمت و مصلحت پر مبنی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی حکمت اور اس کی رحمت اور
اس کی مخلوق کی مصلحت میں جائز نہیں ہے کہ ہر مجرم کا وہی عضو کاٹا جاوے جس سے

؎ یعنی بے حیائی کے کاموں سے روکنے والا ہے ۱۲

اسلئے گناہ کیا ہو کیونکہ اس طرح ہر ایک بدنظر کی آنکھ نکالی جاتی اور بری بات کے سننے والے
کے کان کاٹے جاتے اور ہر بدزبانی کرنے والے کی زبان کاٹی پڑتی اور ہر ایک ظلم سے طمانچہ
مارنے والے کے ہاتھ کاٹے جاتے۔ اور اس طرح کی سزا میں جو زیادتی و تجاوز ہوتا وہ
پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ اس میں عدم لحاظ مراتب ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ
اور ان کی صفات عالیہ اور اس کے افعال حمیدہ اس امر کو نہیں چاہتے کیونکہ حد مقرر کرنا
محض اس لئے نہیں ہے ورنہ اگر اس امر کا ارادہ ہوتا تو مجرم کو قتل کرنا ہی لازم
ہوتا حد مقرر کرنے سے مقصود خود مرتکب کو گناہ پر تنبیہ کرنا و سزا دینا اور
آئندہ کے لئے عبرت دلانا منظور ہے اور دوسروں کے لئے یہ بھی کہ حدود سے لوگ
ظلم و زیادتی کرنے سے رک جائیں اور دوسرے آدمی ایک کی سزا سے عبرت پکڑیں یا
اور نیز یہ بھی کہ مجرم عذاب و سزا سے خالص توبہ کی طرف رجوع کرے اور یہ بھی کہ حد
کی سزا سے انسان کو عذاب آخرت یاد آجائے اور مصالح بنی آدم کو سمجھ کر بھی آئندہ
بدیوں سے باز آجائے اور یہ مصالح قطع اعضا کے مقتضی نہیں بلکہ مطلق سزا کو مقتضی ہیں
پھر یہ بات کہ چور کے لئے قطع ید کیوں تجویز کیا سو اس میں ایک اور بات ہے وہ یہ
کہ چور چوری پوشیدہ طور پر کرتا ہے جیسا کہ سرقہ کا لفظ خود اس پر دلالت کرتا ہے
چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی طرف چوری سے دیکھتا ہے جبکہ وہ اس کو
خفیہ نظر سے دیکھتا ہو اور نہ چاہتا ہو کہ اس کو کوئی معلوم کرے۔ سو چوری کا کرنے
والا پوشیدہ اور خائف رہتا ہے کہ مبادا اس سے کوئی واقف ہو تو ماخوذ ہو جائے
اور جب وہ کوئی چیز اٹھاتا ہے تو اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے بھاگنا اختیار کرتا ہے
اور اس بھاگنے میں قوت ہاتھوں اور پاؤں سے ہوتی ہے کیونکہ دونوں ہاتھ انسان

کے لیے ایسے ہیں کہ جیسا پرندہ کے لئے اڑنے کے دو بازو ہوتے ہیں اور پاؤں کا دخل بھاگنے میں ظاہر ہے پس چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا اس کی بازو ئے قوت کو کوتاہ کرنے اور دوبارہ چوری کرے تو اس کو با آسانی پکڑنے کے لئے ہے۔ جب پہلی دفعہ چوری کرے تو اس کا ایک بازو کاٹا جاوے تاکہ اس کی دوڑ دھوپ میں کمزوری واقع ہو جاوے۔ پھر دوسری دفعہ چوری کرے تو اس کا ایک پاؤں قطع کیا کیا جاوے تاکہ اس کے بھاگنے میں زیادہ کمزوری ہو جاوے اور کوئی بھی اسکو بھاگنے نہ دے۔ اور اس کے بعد تیسری اور چوتھی بار میں چوری کرنا اس کا نادر ہے اسی طرح پھر قطع سزا میں تجویز نہیں کیا گیا۔ اگر نادراً ایسا کرے محبوس کیا جاوے تاکہ لوگ اس کے دکھ سے آرام پائیں۔

اور زانی کی شرمگاہ سزا میں اس لئے نہیں قطع کی جاتی کہ زانی تو سارے بدن کے ساتھ زنا کرتا اور تمام بدن سے لذت لیتا اور قضائے شہوت کرتا ہے اور زنا کا فعل اکثر زانیہ کی مرضی و رضا پر بھی ہوتا ہے وہ اس امر سے نہیں ڈرتا جس سے چور ڈرتا ہے یعنی طلب کرنے اور ڈھونڈنے سے۔ اس لئے زنا میں غیر محصن کے سارے بدن کو درّے لگانے اور محصن کو تمام بدن کے سنگسار کرنے کی سزا دی جاتی ہے۔ باقی یہ کہ اس میں سنگساری تجویز ہی نہ ہوتی صرف دُرّوں پر کفایت کی جاتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ زنا سے نسب ملجاتے ہیں اور نسب ملجانے سے تعارف و شناخت اور دین کے زندہ کرنے کی امداد باطل ہو جاتی ہے اور اس میں ہلاکت کشت و نباہی نسل انسانی لازم آتی ہے پس زنا اکثر امور میں قتل سے مشابہت رکھتا ہے لہذا اس کی بعض صورتوں میں قصاص سے

توبیخ و تنبیہ کی گئی تاکہ ایسا فعل کرنے سے اور لوگ رک جاویں اور دنیا میں امن و اصلاح ہو کیونکہ اصلاح سے انسان عباداتِ الٰہی کی طرف رغبت کرتے ہیں اور عباداتِ الٰہی نعمائے اخروی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

نیز زانی کی شرمگاہ کو قطع کرنے میں اس کو آئندہ نسل سے محروم ٹھیرانا لازم آتا ہے اور یہ امر خدا تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے برخلاف ہے کیونکہ خدا تعالے چاہتا ہے کہ لوگوں کی اولاد و ذریت ان کی عورات سے بکثرت پیدا ہو اور قطع شرمگاہ سے قطع نسل لازم آتا تھا لہذا یہ امر مشروع نہ ہوا۔

نیز زانی کی شرمگاہ قطع کرنے میں بے ستری بھی ہے۔ اور یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سارے بدن سے جرم زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو پھر سارے جسم کو چھوڑ کر ایک عضو کو سزا دینا خلاف عدل تھا لہذا عدل اس امر کا مقتضی ہوا کہ زانی کے سارے جسم کو سزا دیجائے

شراب خواری زنا لواطت سرقہ میں کفارہ مقرر نہ ہونے کی وجہ

حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ما کان من المعاصی محرم الجنس کالظلم والفواحش فان الشارع لم یشرع لہ کفارۃ لھذا لا کفارۃ فی الزنا و شرب الخمر وقذف المحصنات والسرقۃ ولیس ذالک تخفیفا عن مرتکبھا بل لان الکفارۃ لا تعمل فی ھذا الجنس من المعاصی وانما عملھا فیما کان مباحا فی الاصل وحرم لعارض کالوطی فی الصیام والاحرام۔ **ترجمہ**۔ جو گناہ حرام کی جنس سے ہوں مثلاً ظلم اور امور فاحشہ ان کے لئے شارع نے کوئی کفارہ مقرر و مشروع نہیں فرمایا اس لئے زنا شراب خوری محصنہ عورتوں کو تہمت لگانے اور چوری کرنے میں کوئی کفارہ مشروع نہیں ہوا اور ان گناہوں کا کفارہ مشروع نہ ہونا ان کے ارتکاب

کرنے والوں سے تخفیف نہیں ہے بلکہ ان میں کفارہ اس لیے مشروع نہیں ہوا کہ اس جنس کے گناہوں میں کفارہ اثر نہیں کرتا کفارہ کا مورد وہاں ہے کہ جو امر دراصل مباح ہو اور کسی عارضی سبب سے حرام ہو جاوے مثلاً ماہ رمضان میں بحالت روزہ عورت سے جماع کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے مگر اور معصیات جیسے زنا و قتل نفس یہ تو ذاتاً بڑے سخت گناہ ہیں اس لیے ان میں صرف سزا ہے کفارہ نہیں۔

حالت حیض میں عورت سے جماع کرنے میں کفارہ اور عورت کی دبر میں جماع کرنے سے عدم کفارہ کا راز

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فی الذی یاتی امرأتہ وھی حائض قال یتصدق بدینار او بنصف دینار۔

ترجمہ۔ اس شخص کے حق میں جو اپنی عورت سے حالت حیض میں جماع کرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک دینار یا آدھا دینار بطور کفارہ صدقہ دیوے (ابن ماجہ) ہم قبل ازیں اوپر لکھ چکے ہیں کہ جو امور دراصل مباح ہیں مگر کسی عارضی امر سے حرام ہو جاویں ان کا ارتکاب ایسی عارضی حالت میں سبب کفارہ ہے سو حالت حیض میں جماع کا حرام ہونا عارضی امر سے ہے لہٰذا اس میں کفارہ مقرر ہوا اور یہ امر موافق قیاس ہے اور دبر میں عورت سے جماع کرنے میں کفارہ اس لیے مقرر نہیں ہوا کہ یہ امر کبھی مباح نہیں ہوا۔

پس کفارات میں شارع کا یہی طریق ہے کہ جو امور مباح ہیں اور کسی عارضی امر سے حرام ہو جائیں ان میں کفارات ہیں اور جو امر مدام حرام ہیں ان میں حدود و تعزیرات ہیں۔ اور یہ امر نہایت مطابق حکمت و مصلحت کے ہے۔

قتل میں دو گواہ اور زنا میں چار گواہ مطلوب ہونے کی وجہ

قتل میں دو گواہ پر اکتفا کرنا اور

زنا میں چار گواہ مانگنا نہایت حکمت و مصلحت الٰہی پر مبنی ہے کیونکہ شارع کا مقصود قصاص وحد زنا میں احتیاط کرنا ہے سو قتل میں تو وہ احتیاط یہ ہوئی کہ اگر قتل میں چار گواہ مطلوب ہوتے تو خونریزیاں بکثرت ہوتیں اور لوگ قتل میں زیادہ دلیر ہوتے۔ اور اکثر مقتولوں کے قاتل قصاص سے بچکر زیادہ خونریزی کا باعث ہوتے اور زنا میں وہ احتیاط یہ ہوئی کہ زنا میں چار گواہ مطلوب ہونے میں اس امر کی زیادہ پردہ پوشی ہے پس زنا کے متعلق ایسے چار گواہ مطلوب ہوئے جو فعل زنا و چشم دید واقعہ زنا ایسے طور سے بیان کریں جس میں احتمال و گمان کا شائبہ نہ ہو ایسا ہی اقرار زنا میں چار بار سے کم اقرار پر اکتفا نہیں کیا گیا کیونکہ اسمیں بھی اس امر کی پردہ پوشی میں مبالغہ ہے جس کا اظہار کرنا خدا تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے چنانچہ اس امر شنیع و قبیح کی مومنوں میں اشاعت کرنے والے کے لئے خدا تعالیٰ دنیا و آخرت میں عذاب الیم کا ہونا قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے۔

شراب کا ایک قطرہ پینے سے وجوب حد اور کئی سیر بول پینے و گندگی کھانے سے عدم وجوب حد کی وجہ

(۱) یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں سے اور مطابق عقول سلیمہ اور موافق مصالح عامہ کے ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں بول پینے و گندگی کھانے سے جبلی و طبعی نفرت و کراہت رکھی ہے اور یہ طبعی نفرت ہی انسان کو ایسے امور پر اقدام کرنے سے روکنے میں کافی و وافی ہے لہذا اس میں حد کی ضرورت نہ ہوئی اور شراب پینے کے لئے طبیعتوں کے زیادہ تر خواہشمند ہونے سے ان کے لئے سخت سزا کا مقرر کرنا مناسب ہوا تاکہ کم اور بیش ہر مقدار کے شراب پینے سے لوگ رک جائیں یہی وجہ ہے کہ تھوڑی سی شراب پینے سے بھی اگرچہ وہ نشہ آور نہ ہو حد مقرر ہوئی کیونکہ

تھوڑا سا شراب پینا بہت کی طرف داعی ہے۔

(۴) شراب پینے سے جو فساد و ضرر لازم و متعدی ہوتے ہیں وہ بول پینے و گندگی کھانے کی بہ نسبت کئی چند زیادہ ہے کیونکہ بول پینے یا گندگی کھانے کی مضرت اسی شخص تک محدود رہتی ہے جو پیتا یا کھاتا ہے اور وہ بھی اتنی شدید نہیں جس قدر شراب میں بوجہ زوال عقل شدید ہے۔

حکمت حدود و کفارات حدود و کفارے اس لئے بھی مقرر ہوئے کہ گناہوں پر زجر و توبیخ لوگوں کو ہوتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے لیذوق وبال امرہ۔ ترجمہ۔ یعنی تاکہ اپنے کیے کا مزہ چکھے اگر حدود مقرر نہ ہوتے تو سرکش لوگ شرارتوں سے باز نہ آتے اور سرکشی میں بڑھتے کفارات بھی اسی امر کے لئے ٹھیرائے گئے ہیں اور کچھ مصالح حدود کے اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

وجہ قصاص قصاص قتل و جنگ و فساد کو باز رکھنے کے لئے قرار دیا گیا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب۔ ترجمہ یعنی اے عقلمند و قصاص میں تمھارے لئے زندگی ہے۔

حرمت قتل کی وجہ اگر باہمی لڑائیاں لوگوں میں رہیں تو آبادیاں اور شہر خراب اور ویران ہو جائیں اور تمام امور معاش میں خلل پڑ جائے اور تمدنی زندگی میں خطرناک تباہیاں و بربادیاں ظاہر ہوں اس واسطے قتل حرام ہوا پس قتل اگر تجویز ہو گا تو کسی بڑے قصاص وغیرہ کی مصلحت کی وجہ سے تجویز ہو گا اور قتل کے علاوہ کبھی دوسرے اسباب بھی ہلاک کے لئے

اختیار کئے جاتے ہیں وہ بھی مثل قتل ہی کے حرام ہیں. مثلاً کبھی لوگوں میں کینہ کا جوش پیدا ہوتا ہے اور قصاص کا ان کو اندیشہ و فکر ہوتا ہے اس لیے کھانے میں زہر ملا دیتے ہیں یا جادو سے قتل کرڈالتے ہیں یہ بھی قتل کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے قتل تو برملا ہوتا ہے اس سے نجات بھی ممکن ہے لیکن اس سے تو بچنا مشکل ہے سوا اسکے امور بھی خرابی تمدن کے سبب اور پبلک میں خلل انداز ہونے کی وجہ سے حرام ٹھیرائے گئے ہیں۔

حرمتِ سرقہ کی وجہ معاش کے طریقے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے یہ قرار دیئے ہیں کہ مباح زمین سے کوئی چیز حاصل کریں یا اس میں مویشی چرائیں کھیتی باڑی زراعت تجارت سے معاش پیدا کریں اور طلب معاش کے اعانت سے شہروں و دیہات میں مذہب کا انتظام کریں اس وجہ سے لازم ہوگا کہ چوری اور غصب سے پرہیز کریں کیونکہ یہ ایسے امور ہیں کہ ان سے تمدن میں خلل آتا ہے اور یہ امن عام میں اختلال کی صورت ہے اس لئے یہ امور خدا تعالیٰ کو پسند نہیں ہیں۔

حرمتِ زنا کی وجہ (۱) فاسق و فاجر کا دل ٹٹولا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ وہ تدابیر نافعہ کے تو معتقد ہیں لیکن ان پر نفسانی خواہشیں غالب ہو جاتی ہیں جو ان سے نافرمانیاں کراتی ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ہم گناہگار ہیں اور لوگوں کی بہو بیٹیوں سے زنا کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کی بیوی یا بہن سے ایسی حرکت کرے تو غصہ سے کانپنے لگیں وہ خوب جانتے ہیں کہ لوگوں پر ان برائیوں کا وہی اثر ہوتا ہے اور ایسے اثروں کا ہونا انتظام تمدن کے لئے سخت مضر ہے لیکن باوجود اس جاننے کے خواہشاتِ نفسانیہ ان کو اندھا

کردیتے ہیں اور راز اس وجدانی اثر کا یہ ہے کہ تمدن میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ
دخل مردوں کو ہوتا ہے اس واسطے بالہام الٰہی ان میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ہر شخص
کی بیوی دوسرے سے علیحدہ ہو اس میں دوسرا شخص کسی قسم کی مزاحمت نہ کرے اور زنا
کی اصل یہی مزاحمت ہے اس لئے یہ خیال اور یہ اثر ہر شخص کا فطری اور وجدانی
ہو گیا ہے پس ایک سبب تو حرمت زنا کا یہ امر فطری ہے اور دوسرا سبب ایک
مصلحت عقلی ہے وہ یہ کہ زنا سے خلط نسب ہو جاتا ہے۔ اور نیز وہ قتل اور فساد کا
منشا ہے اس لئے بھی یہ طریق نہایت قبیح اور برا ہے اسی لئے خداتعالیٰ اس کے منع
کرنے میں فرماتا ہے لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا ترجمہ یعنی
ان اسباب کے نزدیک بھی نہ جاؤ جن سے زنا تک نوبت پہنچے کیونکہ زنا بے حیائی کا
کام اور برا طریق ہے کیونکہ اگر یہ راہ نکلے تو مفاسد مذکورہ جن کا ...
اور اسباب کے نزدیک نہ جانے کا یہ مطلب ہے کہ بیگانہ عورت کو نہ دیکھو ...
اس کے حسن و محاسن کی باتیں سنو جن کو دیکھ یا سنکر تمہارے خیالات زنا کی
طرف برانگیختہ ہوں اور جن سے زنا تک نوبت پہنچے۔

حرمت لواطت کی وجہ

ایسی عادت سے نسل انسانی کی بیخکنی ہوتی ہے اس
طریق سے گویا انسان نظام الٰہی کو بگاڑ کر اس کے
مخالف طریقے سے قضائے حاجت کرتا ہے اس وجہ سے ان افعال کا برا اور
مذموم ہونا لوگوں کی طبیعتوں میں جم گیا ہے فاسق فاجر ایسے افعال کرتے ہیں لیکن
ان کے جواز کا اقرار نہیں کرتے اگر ان کی طرف ایسے افعال کی نسبت کی جائے تو شرم
و حیا سے مر جانا گوارا کرتے ہیں ہاں جو منبع فطرت سے ہی جدا ہو گئے ہوں تو انکو

پھر کسی قسم کی حیا باقی نہیں رہتی اور بر ملا وہ ایسے افعال عمل میں لاتے ہیں۔

حد تعزیر کفارہ میں کیا فرق ہے

حد عربی لفظ ہے اس کے معنی باز رکھنے اور انداز کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں کسی گناہ کی سزا دینے کا جو اندازہ خدا نے اس طرح مقرر و معین کر دیا کہ اس میں کسی کی رائے سے کمی و بیشی نہیں ہو سکتی اس کو حد کہتے ہیں مثلاً محصن زانی کو سنگسار کرنا و غیر محصن کو دُرّے لگانا اور چور کے ہاتھ کاٹنا وغیرہ۔

اور تعزیر وہ ہے کہ جس گناہ کی سزا میں خدا تعالیٰ نے کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ اس کی سزا حسب حال زمان و مکان حکام کی رائے پر چھوڑی گئی ہے البتہ اس کے لیے کچھ کلیات بتلا دیے ہیں کہ ان کی مخالفت جائز نہیں لغت میں تعزیز کے معنی ادب دینا تعظیم کرنا آئے ہیں سو یہ امر بھی خدا تعالیٰ کے احکام کی عزت و تعظیم کے لیے قائم کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں احکام الٰہی کی عزت و شوکت قائم رہے اور ان کی ہتک عزت نہ ہو اور یہ دونوں افعال غیر مباح کی سزا میں مقرر ہوئے ہیں۔

اور کفارہ وہ ہے جو ایسے امور میں بطور بدلہ و تاوان کے مقرر ہو جو اصل میں مباح ہوں مگر کسی عارضی سبب سے حرام ہو جائیں مثلاً ماہ رمضان اور حالت احرام میں جماع کرنا کہ اول کا کفارہ یہ ہے کہ ایک روزے کے بدلے پے در پے دو ماہ روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو دو وقت کھانا کھلاوے اور ثانی کا کفارہ قربانی دینا ہے اعلام الموقعین میں لکھا ہے۔ واما التعزیر ففی کل معصیۃ لاحد فیہا ولا کفارۃ فان المعاصی ثلٰثۃ انواع نوع فیہ الحد ولا کفارۃ فیہ و

ونوع فیہ الکفارۃ ولاحد فیہ ونوع لاحد فیہ ولاکفارۃ فالاول کالسرقۃ والزنا والقذف والثانی کالوطی فی نہار رمضان والوطی فی الاحرام والثالث قبلۃ الاجنبیۃ والخلوۃ بہا ودخول الحمام بغیر میزر واکل المیتۃ والدم ولحم الخنزیر ونحو ذالک فاما النوع الاول فالحد فیہ مغن عن التعزیر واما الثانی فھل یجب مع الکفارۃ فیہ تعزیر ام لا علی قولین واما الثالث ففیہ التعزیر قولا واحدا۔ **ترجمہ** ۔ تعزیرات گناہوں میں مشروع ہے جن میں کوئی حد اور کفارہ نہیں ہے۔ کیونکہ گناہ کے تین اقسام ہیں۔ ایک وہ قسم ہے جن میں حد مقرر ہے اور کفارہ ان میں مقرر نہیں ہے۔ اور ایک وہ قسم ہے جن میں کفارہ ہے اور حد مقرر نہیں ہے۔ اور ایک وہ قسم ہے جن میں نہ کوئی حد مقرر ہے اور نہ کفارہ ہے۔ پہلی قسم جیسے چوری زنا۔ تہمت لگانا۔ ان میں حد مقرر ہے اور دوسری قسم یعنی وہ جن میں صرف کفارہ مقرر ہے حد نہیں جیسے ماہ رمضان کے دن میں یا حالت احرام میں جماع کرنا اور تیسری قسم یعنی وہ جن میں نہ کوئی حد ہے اور نہ کفارہ ہے صرف تعزیر ہے جیسے اجنبی عورت کا بوسہ لینا اور اس کے ساتھ علیحدہ مکان میں بیٹھنا اور حمام میں بغیر ازار کے داخل ہونا اور مردار و گوشت خوک کھانا وغیرہ سو پہلی نوع میں حد ہی تعزیر کی جگہ کافی ہے اور دوسری میں آیا کفارہ کے ساتھ تعزیر بھی واجب ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ اور تیسری میں محض تعزیر ہے بلا اختلاف۔

وجہ حرمت وعدہ شکنی عہد شکنی اس لیے حرام ہے کہ جس انسان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے وعدہ شکنی سے اس کو ضرور

تکلیف پہنچتی ہے اس کو وعدہ کنندہ پر اعتبار و انتظار رسا رہتا ہے جب وعدہ کنندہ دیدہ و دانستہ کسی کو ضرر و تکلیف پہنچانے کی غرض سے ناحق وعدہ توڑتا ہے تو حظیرۃ القدس سے اس پر لعنت الٰہی برستی اور ملائکہ رحمت کی توجہ اس سے برگشتہ ہوجاتی ہے اور ملال و حزن کی صورتیں اس کے دامنگیر ہوجاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اوفوا بالعقود کا امر فرمایا ہے تاکہ انسان نقض عہد کی وجہ سے مستحق لعنت نہ بنیں۔

داڑھی رکھنے اور مونچھوں کے کٹوانے کی وجہ

داڑھی ایسی چیز ہے کہ اس سے چھوٹے بڑے کی تمیز ہوسکتی ہے اور مردوں کے لئے ایک قسم کا جمال اور ان کی شکل کو پورا کرنے والی ہے اس واسطے اس کا بڑھانا ضروری ہوا اور اس کا ترشوانا مجوس کا طریقہ ہے اور اسمیں خلق الٰہی کی تغییر بھی پائی جاتی ہے داڑھی ترشوانے کی وجہ سے بڑے بڑے سردار اور خاندانی لوگ رذیلوں میں شمار ہو جاتے ہیں تمام انبیاء صلحاء داڑھی رکھتے آئے ہیں اگر داڑھی منڈوانے میں کوئی مصلحت اور فائدہ ہوتا تو وہ سب سے پہلے منڈواتے کیونکہ ایسے لوگ تمام دنیا کے لئے بہتری اور بھلائی کا نمونہ بنکر آیا کرتے ہیں اور مونچھیں کٹوانے کی وجہ یہ ہے کہ جس کی مونچھیں بڑی بڑی ہوتی ہیں جب وہ کچھ کھاتا یا پیتا ہے اس میں بھر جاتی ہیں اور میل کچیل میں آلودہ رہتی ہیں اور یہ بھی مجوس کا طریقہ ہے جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خالفوا المشرکین قصوا الشوارب واعفوا اللحی یعنی مشرکوں کی مخالفت کرو مونچھیں ترشواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

عقوق والدین کی حرام ہونیکی وجہ

والدین اولاد کی تربیت میں ایسے ایسے شدائد جھیلتے اور ان کی پرورش میں محنتیں اور مشقتیں اپنی جانوں پر برداشت کرتے ہیں جو محتاج بیان نہیں ہیں۔ اس لئے والدین کی خدمت گذاری کرنا لازمی طریقہ قرار دیا گیا۔

شطرنج بازی، کبوتر بازی، بٹیر بازی، پتنگ بازی، تاش بازی وغیرہ کی حرمت کی وجہ

بعض لوگ عمر غلط کرنے والی چیزوں میں مشغول ہو جاتے ہیں یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے دنیا و آخرت کی ضروریات سے بیفکری ہو جاتی ہے اور اوقات میں ضائع ہو جاتے ہیں جیسے شطرنج اور کبوتر بازی اور بٹیر بازی اور دیگر جانوروں کا لڑانا وغیرہ انسان جب ان چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو پھر اس کو کھانے اور پینے اور ضروریات کی خبر نہیں رہتی بلکہ بسا اوقات پیشاب روکے بیٹھا رہتا ہے اور وبال رہتا ہے پھر اگر ایسی چیزوں میں مشغول رہنے کا دستور عام ہو جاوے تو یہ لوگ تمام شہر پر بوجھ پڑ جاتے ہیں اور اپنی جان کی ان کو خبر نہ رہے۔ اس لئے ان اشغال سے منع کر دیا گیا چنانچہ ایک بار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو ایک کبوتر کے پیچھے جاتے دیکھا تو فرمایا کہ ایک شیطان ہے جو کہ ایک شیطان کے پیچھے جاتا ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کے لڑانے سے منع فرمایا ہے شطرنج کے بارہ میں بھی روایات موجود ہیں۔ اور ایسے ہی مفاسد جن جن امور میں ہوں وہ سب بھی اس حکم میں شریک ہوں گے۔

مردوں کو سونا اور ریشم پہننے کے ممنوع ہونیکی وجہ

(۱) سونا ایک ایسی چیز ہے جس پر عجمی لوگ فخر کرتے ہیں

اگر ایسے ہی اغراض سے سونے کے زیور پہننے کا عام دستور جاری ہو جاوے کہ
مرد اور عورت سب کو عام ہو جاوے تو کثرت سے طلب دنیا کی ضرورت پڑے
بخلاف چاندی کے کہ اس میں مردوں کو صرف انگشتری کی اجازت دینے سے یہ مفسدہ
لازم نہیں آتا۔ رہی یہ بات کہ عورتوں کو کیوں اجازت ہوئی۔ سو اصل یہ ہے کہ عورتوں کو
آراستگی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کے خاوندوں کو رغبت ہو یہی سبب ہے کہ
تمام عرب و عجم میں بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی آراستگی کا زیادہ تر دستور رہا ہے اس لیے
ضروری ہوا کہ عورتوں کو بہ نسبت مردوں کے زیادہ زینت کی اجازت دی جاتے لہذا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مع اظہار اس فرق کے فرمایا ہے احل الذهب
والحریر لاناث امتی وحرم علی ذکورها یعنی سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں
کے لئے حلال کیا گیا ہے اور مردوں پر حرام کیا گیا ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک
شخص کے ہاتھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی دیکھ کر فرمایا
تم میں سے جو شخص آگ کا انگارا چاہے وہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے اور حریر کے متعلق
فرمایا من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسہ یوم القیامۃ یعنی جس نے دنیا میں حریر
پہنا تو وہ قیامت کے دن اس کو نہ پہنے گا۔ یہ تو پہننے متعلق تھا باقی اور طرق
استعمال میں مرد اور عورت اور چاندی اور سونا سب برابر ہیں۔ چنانچہ سونے اور
چاندی کے برتن میں پانی پینا آپ نے فرمایا۔ لا تشربوا فی آنیۃ الذهب والفضۃ
ولا تاکلوا فی صحافها فانها لهم فی الدنیا ولکم فی الآخرۃ۔ ترجمہ۔ سونے اور
چاندی کے برتن میں مت پیو اور نہ ان کی رکابی میں کھاؤ کیونکہ ان کے لئے تو وہ دنیا
میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔

(۲) عورتوں کے لباس و تشبیہ سے مردوں کو ممیز کرنا ضروری تھا لہذا سونا وچاندی وریشم پہننا بالعموم عورتوں کے لئے مخصوص ہوا اور باستثناء انگشتری سیم مردوں کے لئے حرام ہوا اسی امر کی طرف حضرت ابن قیم اشارہ فرماتے ہیں بتحریم الذھب والحریر علی الرجال حرم اللہ ذریعۃ التشبیہ بالنساء الملعون فاعلہ یعنی سونا اور ریشم کو مردوں پر حرام کر دینے سے معلوم ہوا مشابہت کرنے کے ذریعہ کو حرام فرمادیا ہے جس کے فاعل پر لعنت وارد ہوئی ہے۔

(۳) خدا کو نہایت عیش پسندی ناپسند ہے حریر کا لباس پہننا اور سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا یہ ایسے امور ہیں کہ انسان کو اسفل السافلین میں گرادیتے ہیں اور فکروں کو تاریک خیالات کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ غرض یہ تو معلوم ہوا کہ نہایت درجہ کی عیش پسندی خراب امر ہے لیکن وہ کوئی باقاعدہ منضبط امر نہیں جس کے مواقع ظاہری نشانوں سے ایسے متمیز ہوں جن کی وجہ سے ہر ایک ادنیٰ اور اعلیٰ سے بازپرس کر سکیں۔ چنانچہ لوگوں کی حالت مختلف ہونے سے عیش پسندی کی بھی حالت یکساں نہیں ہوا کرتی۔ بعض لوگوں کے سامان عیش اوروں کی نظر میں تنگی عیش ہوتی ہے۔ اور بعض لوگوں کی نظر میں جو شے جید ہوتی ہے اوروں کی نظر میں وہی جید ناقص ہوا کرتی ہے اس وجہ سے شرع نے جب عیش پسندی کی خرابیاں بیان کیں تو ان اشیاء کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا کہ جن سے لوگ صرف عیش و آرام ہی کے لئے منتفع ہوا کرتے ہیں اور ان سے لوگوں میں عیش حاصل کرنے کی عادت شائع ہوگئی ہے اور شرع نے عجمی اور رومی لوگوں کو ان اشیاء پر متفق پایا تھا اس واسطے شرع نے کمال عیش و آرام کے مواقع ان خاص امور کو قرار دیکر ان کو

حرام کر دیا اور بطریق قدرت جن اشیاء سے نفع اٹھایا جاتا ہے یا اطراف ممالک میں ان کی عادت ہے ان پر شارع علیہ السلام نے کچھ التفات نہیں کیا اس لئے حریر اور سونے چاندی کے برتن نعم الجواب سے شمار کئے گئے اور ان پر تنبیہ بھی ارشاد فرمائی گئی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لا تاکلوا فی آنیۃ الذہب والفضۃ ولا تشربوا فی صحافہا فانہا لہم فی الدنیا ولکم فی الآخرۃ اور فرمایا الذی یشرب فی آنیۃ الذہب والفضۃ انما یجرجر فی بطنہ نار جہنم۔ ترجمہ: نہ کھاؤ سونے اور چاندی کے برتنوں میں اور نہ پیو چاندی سونے کے پیالوں میں کیونکہ یہ برتن مخالفین اسلام کے لئے دنیا میں ہیں اور تم کو آخرت میں ملیں گے جو شخص سونے چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے اس کے پیٹ میں دوزخ کی آگ جنبش کرے گی۔

اور یہ حرمت کھانے اور پینے ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ساری وجوہ نفع کو شامل ہے۔ لہٰذا حلال نہیں ہے کہ چاندی اور سونے کے برتن کے ساتھ غسل یا وضو کرے یا ان سے تیل یا سرمہ دانی بنائے۔ اور اسی تقریر سے غیر اہل اسلام کے ساتھ لباس وغیرہ تشبہ کرنے کی ممانعت معلوم ہو گئی ہو گی کہ مقصود تنبیہ ہے ان کے اوضاع و اطوار سے اس کی بہت صاف نظیر مردوں کا زنانہ لباس پہننے سے طبعاً منقبض ہونا ہے

تصویر رکھنے کی ممانعت کی وجہ

اس میں بت پرستی کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے (حجۃ اللہ) یعنی جب اس کی عام عادت ہو جاوے گی اور عام میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں ادھر دیکھنے والے مختلف فہم کے ہوتے ہیں تو ضرور کسی نہ کسی وقت اس میں یہ مفسدہ پیدا ہو گا جیسا پہلے ہو چکا کہ خاص بنانے والوں نے پرستش نہیں کی محض بزرگوں کی یادگار بنائی تھی۔ پھر

آخر اس کی نوبت پہنچی اسی وقت دیکھ لیجئے کہ باوجود علوم قدیمہ و علوم جدیدہ کی روشنی پھیلنے کے ایک بڑے معزز بیرسٹر صاحب کی حکایت سُنی ہے کہ صبح اٹھکر اپنے پیر کی تصویر کو نہایت ادب و تعظیم سے تسلیم بجالاکر پھر کوئی اور کام کرتے ہیں جب انگریزی خوانوں کے ایک اعلیٰ طبقہ میں ایسے افراد موجود ہیں تو بالکل عامی آدمی آدمی پر کیا اعتماد رہا اس لئے تصویر رکھنے کو عقلاً بھی ضرور حرام کہنا چاہئے۔

کتاب الفرائض

جائداد میں حقداروں کے حصے مقرر ہونے کی وجہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی فرض نصیباً من المیراث لکل احد من الرجال والنساء لیصون الناس من الاعتداء علی حقوق الاقرباء والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ خاتم الانبیاء وعلی الذین اتبعوا الهدی وطریق الاستواء۔

امّا بعد واضح ہو کہ (۱) اسلام نے میت کی جائداد میں حقداروں کے حصے اس لئے معین و مقرر کئے ہیں کہ حقداروں کے حقوق محفوظ رہیں اگر میت کے اقرباء اور وارثوں میں سے کل جائداد کا ایک ہی شخص کو اختیار کلی دیا جائے اور دوسرے اقرباء کے حصے اس میں مقرر نہ ہوں تو اکثر ایسے افراد ہوتے ہیں کہ جائداد کو اپنی ذاتی اغراض میں اڑا دیتے ہیں اور اپنے فوائد و اغراض و عیش کے سوائے دوسرے حقداروں کی غور و پرداخت اور ان کے حقوق کی پروا نہیں کرتے اور جائداد میں ظالمانہ تصرف شروع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ سارے ترکہ کو اپنے عیش و عشرت میں خود

و برد کر دیتے ہیں۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے ان ظالمانہ کارروائیوں کو روکنے اور ان کا انسداد کے لئے جائداد میں ہر ایک حقدار کے حصے معین فرما دیئے تاکہ ایک ہی شخص دوسرے حقداروں کے حصوں کو اپنی اغراض میں خورد و برد نہ کر سکے بلکہ حصوں کے مطابق جائداد سب اہل حقوق لیکر اپنے اپنے حصہ سے آزادی کے ساتھ منتفع ہوں اور اسی کے قریب قریب اس رسم میں خرابی ہے جو بعض جگہ جاری ہے کہ ولد اکبر مالک باقی دوسرے اہل حق گذارہ خوار۔ چنانچہ ان لوگوں کے ظالمانہ تصرفات کارات دن مشاہدہ ہو رہا ہے جس کا کچھ علاج ایسا نہیں جو سہولت سے ہر گذارہ خوار اس کا استعمال کر سکے۔ چنانچہ میراث کے حصے مقرر ہونے کی فلاسفی خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اقربائے میت کے حقوق ضائع ہو کر خورد و برد نہ ہو جائیں للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیبا مفروضا ۔ الی قولہ تعالیٰ الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونہم نارا وسیصلون سعیرا یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ الآیۃ (پ سورہ نساء) اس جگہ یتامیٰ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے فرمایا کہ بسا اوقات میت کے چھوٹے چھوٹے بچے پیچھے رہ جاتے ہیں اور بڑے بیٹے یا میت کے دوسرے اقربا سارے مال کو خورد برد کر دیتے ہیں لہٰذا ایسا کرنے میں سخت وعید وارد ہوئی پھر حصص کی تفصیل کے لئے مذکورہ بالا آیات کے آگے یوصیکم اللہ کی عبارت شروع ہوتی ہے جس کا مفصل ذکر آگے آوے گا۔ یہ تو مصلحت اہل جائداد کی تھی۔ باقی خود جائداد کی بھی اس میں مصلحت ہے وہ یہ کہ کسی بڑی سے بڑی جائداد میں بھی متعدد حصہ داروں کے

حقوق اور حصے معین و مشخص ہونا اس کے لئے حفاظت و استحکام کا موجب ہے کیونکہ ہر ایک حصہ دار اپنے معین حقوق کی وجہ سے اس مشترکہ جائداد کی بہتری و بہبودی کی سعی کرے گا۔ پس جس جائداد کے حقدار زیادہ ہوں گے اسی قدر اس کیلئے استحکام کا سبب ہے۔ یہ تو مشترک رہنے کی صورت میں ہے۔ اور اگر تقسیم کرلیں تو ہر شخص اپنے نفع کے لئے اس کی ترقی کے لئے ایسا خاص اہتمام کرے گا کہ در صورت ایک شخص کے اصل مالک اور دوسروں کے گزارہ خوار ہونے کے ایسا اہتمام ممکن نہ تھا کیونکہ ایسے امر میں کوتاہی کرتا ہے جس سے زیادہ منتفع دوسرے لوگ ہوں یہ تو فی نفسہ خواص ہیں ہر شخص کے مالک مستقل ہونے کے باقی اگر کوئی اپنا حصہ بالکل اڑانے لگے اور اس مصلحت سے کوئی شخص قانون میراث کو خلاف حکمت سمجھے اس اڑانے کا ذمہ دار اس شخص کی بد تدبیری و قلت تدبر ہے اس کا اگر اعتبار کیا جائے تو میراث ہی کی کیا تخصیص ہے جس شخص کو اپنے مکسوبہ اموال میں بھی ایسا کرتے دیکھو بس اس سے چھینکر اس سے بڑے بھائی کے حوالہ کردو پھر یہ فطری امر ہے کہ اپنی چیز اپنے ہاتھ سے اڑانا اس قدر ایذاء دہ نہیں جتنا اپنی چیز دوسرے کے ہاتھ میں ہونیکے وقت اُن دوسروں کا دست نگر ہونا اور باقی اگر کسی کا ذوق ہی باطل ہوگیا ہو تو اس سے خطاب ہی نہیں۔

حقیقت تقسیم میراث منجملہ اُصول میراث یہ ہے کہ اس کا مدار تین امور پر ہے ایک تو میت کے بعد اس کی جگہ اس کی عزت اور مرتبہ میں اور جو باتیں اس قسم کی ہیں ان میں اس کا قائم مقام ہونا کیونکہ انسان کی اس بات میں بڑی کوشش ہوتی ہے کہ اسکے بعد اسکا کوئی قائم مقام رہے۔

حصۂ سوم

دوسرا خدمت اور غمخواری اور محبت اور شفقت اور جو باتیں اس قسم کی ہیں تیسرا قرابت جو ان دونوں باتوں پر بھی مشتمل ہے اور تینوں میں زیادہ تر اس تیسری بات کا اعتبار مقدم ہے۔ اور پورے طور پر ان سب کا محل وہ شخص ہے جو نسب کے عمود میں داخل ہے جیسے باپ اور دادا اور بیٹا اور پوتا یہ لوگ سب سے زیادہ وراثت کے مستحق ہیں مگر وضع طبعی کے اعتبار سے کہ جس پر قرناً بعد قرن عالم کی بنا ہے بیٹا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اسی کی لوگوں کو تمنا اور امید ہوا کرتی ہے اسی کی خاطر نکاح کرتے ہیں اور اولاد کے پیدا ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور باپ کا بیٹے کی جگہ قائم ہونا وضع طبعی کا مقتضیٰ نہیں ہے اور نہ لوگوں کو اس کی آرزو اور امید ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو اس کے مال میں اختیار دے دیا جائے تو یقیناً اس کے دل میں اولاد کی غمخواری باپ کی غمخواری پر غالب ہوگی اس واسطے تمام لوگوں کا دستور ہے کہ اولاد کو باپ پر مقدم سمجھتے ہیں اور پھر قائم مقام ہونے کا احتمال بھائی میں ہے اور پھر جو اس کے مانند بمنزلہ قوت بازو کے ہیں اور اس کی قوم اور اس کے نسب کے ہیں۔ باقی رہی خدمت اور شفقت تو اس کا اول مظنہ قرابت قریبہ والی عورت ہے اور سب سے زیادہ ماں اور بیٹی اس امر میں اس کی مستحق ہیں اور جو ان کے مانند نسب کے عمود میں داخل ہیں اور بیٹی بھی فی الجملہ باپ کے قائم مقام ہوتی ہے اور اس کے بعد ہمشیرہ کہ یہ بھی قائم مقامی سے خالی نہیں پھر جس عورت سے علاقہ زوجیت کا ہے وہ خادم ہوتی ہے پھر ماں شریک بھائی بہن ان عورتوں میں بنا میراث صرف خدمت و شفقت یا مع القرابت ہے باقی عورتوں کے اندر حمایت اور قائم مقامی کے معنی نہیں پائے جاتے کیونکہ عورتیں بسا اوقات غیر قوم میں نکاح کر لیتی ہیں

اور اسی قدم میں داخل ہو جاتی ہیں البتہ بیٹی اور بہن میں کسی قدر یہ معنی پائے جاتے ہیں لیکن عورتوں کے اندر محبت اور شفقت کے معنی کامل طور پر پائے جاتے ہیں اور اس امر کا مظنہ اول بہت قریب کی قرابت جیسے ماں اور بیٹا پھر بہن اور امر اول یعنی میت کی قائم مقامی کامل طور پر تو باپ اور بیٹے میں پایا جاتا ہے اور ان کے بعد بھائی پھر چچا میں اور امر ثانی یعنی شفقت سب سے زیادہ باپ میں اور بیٹے میں پایا جاتا ہے پھر عینی اور علاتی بھائی میں پایا جاتا ہے اور اس کا یہ مظنہ قرابت قریبہ ہے اس وجہ سے جو چچا کے لئے حکم ہے وہ پھوپھی کے لئے حکم نہیں ہے کیونکہ پھوپھی مصیبت کے وقت کام نہیں آ سکتی جس طرح چچا کام آتا ہے اور پھوپھی قرابت میں بھی ہمشیرہ کے برابر نہیں ہے اور منجملہ اصول میراث یہ ہے کہ جب مرد و عورت ایک ہی درجہ کے ہوں تو مرد کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ عزت کی حمایت کے لئے مرد ہی مخصوص ہیں اور اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ مردوں پر نفقے بہت ہوتے ہیں پس زیادہ تر یہی مستحق ہیں کہ ان کو وہ مال دیا جاوے بخلاف عورتوں کے کہ یہ اپنے خاوندوں یا باپوں یا بھائیوں کے ذمہ ہوتی ہیں اور منجملہ ان اصول کے یہ ہے کہ جب وارثوں کی ایک جماعت پائی جائے تو اگر وہ سب وارث ایک مرتبہ کے ہیں تب تو اس ترکہ کی تقسیم ان سب پر ضروری ہے کیونکہ ایک کو دوسرے پر تقدم نہیں ہے اور اگر ان کے درجے مختلف ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ سب ایک نام اور ایک جہت میں داخل ہیں اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قریب بعید کا حاجب ہو کر بعید کو میراث سے محروم کر دیتا ہے۔ دوسری صورت یہ کہ ان کے اسماء و جہات مختلف ہوں کہ اقرب حاجب ہوگا ابعد کا حاجب ہو کر ابعد کو محروم تو نہیں کرتا لیکن حصہ اس کا کم کر دیتا ہے۔ منجملہ ان اصول کے یہ ہے کہ سہام

کہ جن سے حقوں کی تعیین ہوتی ہے ان کے اجزاء ایسے ظاہر ہونا چاہئیں کہ محاسب وغیر محاسب سب اول وہلہ میں ان کی تمیز کر سکیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس قول مبارک میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب۔ یعنی ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں کیونکہ جس چیز سے تمام مکلفین کو خطاب کیا جائے اس میں یہ بات ضروری ہے کہ ایک تو اسکے حساب کرنے میں تعمق وغور کی حاجت نہ ہو اور دوسرے ظاہر نظر میں کمی و بیشی کی ترتیب اس میں معلوم ہو جاوے لہذا شرع نے سہامات میں سے دو قسم کے سہام اختیار کئے ہیں ایک تو ثلثین اور ثلث اور سدس اور دوسرے نصف ربع ثمن کیونکہ ان دونوں کا مخرج اصلی دو اول کے عدد یعنی دو اور تین اور ان دونوں میں تین مرتبہ پائے جاتے ہیں کہ ان تینوں میں اوپر کو جاتے ہوئے تو نسبت ضعف کی ہے اور نیچے اترتے ہوئے نسبت نصف کی ہے اور اس میں کمی و بیشی کا بالکل ظاہر و محسوس ہونا بالکل اقرب ہے۔

مرد کا حصہ عورت سے دوچند ہونے کی وجہ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف ترجمہ۔ یعنی سکھاتا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد میں (میراث بانٹنا) کہ مرد کے لئے برابر دو عورتوں کے حصہ ہے۔ پھر اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں پس ان کو میت کے ترکہ کا دو ثلث ہے اور اگر ایک ہے تو اس کے لئے نصف ہے مرد کا حصہ عورت سے دوچند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الرجال

قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا۔
ترجمہ۔ یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے بعض کو بعض پر بزرگی
وفضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ انھوں نے مال خرچ کئے ہیں یعنی عورتوں کی
حاجتوں میں۔

اکیلی بیٹی کو نصف حصہ میراث ملنے کی وجہ

اکیلی بیٹی کے لئے نصف ترکہ مقرر ہوا کیونکہ بیٹی کے ساتھ اکیلا بیٹا ہوتا ہے
تو اس کو سارا مال ملتا ہے پس بمقتضائے تضعیف ابن جو کہ للذکر مثل حظ الانثیین
سے مفہوم ہے اکیلی بیٹی نصف میراث کی مستحق ہے۔

دو اور دو سے زیادہ بیٹیوں کو دو ثلث ملنے کی وجہ

دو کو دو ثلث اس لئے ملتے ہیں کہ اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا
ہوتا تو اس بیٹی کو ثلث ملتا اس لئے دوسری لڑکی کے ہونے سے بطریق اولیٰ ثلث
سے کم نہ ہونا چاہئے۔ یہی تقریر دوسری بیٹی کے حق میں جاری ہے اور چونکہ بنات کا ثلثین
سے زیادہ حصہ نہیں اگر زیادہ بھی ہونگی اسی ثلثین میں سب شریک ہوں گی۔

میت کی اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ مقرر ہونے کی وجہ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولابویہ لکل واحد
منھما السدس مما ترک ان کان له
ولد فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان کان له اخوة فلامه
السدس ترجمہ۔ یعنی میت کے والدین میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہے اس مال میں سے
جو میت چھوڑ کر مرے بشرطیکہ اس میت کے اولاد ہو پس اگر میت کے اولاد نہیں
ہے اور والدین وارث ہوں تو میت کی والدہ کا تیسرا حصہ میراث میں سے ہے اور اگر

میت کے بھائی موجود نہیں تو میت کی والدہ کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔

یہ بات تم کو واضح ہو چکی ہے کہ بہ نسبت والدین کے اولاد میراث کی زیادہ تر مستحق ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ان کو دو ثلث اور والدین کو ثلث دیا جائے تاکہ زیادت استحقاق ظاہر ہو اور باپ کا حصہ ماں کے حصہ سے زیادہ اس لئے نہیں مقرر کیا گیا کہ بیٹے کے قائم مقام ہونے اور اس کی معاونت کے اعتبار سے باپ کی فضیلت عصبہ ہونے کی ایک مرتبہ اعتبار کی جا چکی ہے تو اسی فضیلت کا دوبارہ حق تضعیف میں اعتبار نہ ہوگا۔

میت کے اولاد نہ ہو تو سارا ترکہ والدین کو ملنے کی وجہ

جس صورت میں میت کے اولاد نہ ہو تو والدین سے زیادہ تر کوئی حقدار نہیں ہے لہذا سب ترکہ والدین کو ملے گا اور باپ کو ماں پر فضیلت ہوگی اور اس مسئلہ میں جس فضیلت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ فضیلت تضعیف نہیں فضیلت عصوبت ہے۔

میت کے ماں اور بھائی بہن ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملنے کی وجہ

اگر ماں اور بھائی بہن وارث ہوں اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا کیونکہ یہ اخوت والے عصبہ نہیں ہیں اور دور جا کر عصبات موجود ہیں تو چونکہ عصبیت اور شفقت و محبت باہم برابر نہیں اس لئے نصف ان کو اور نصف ان کو ملے گا اور پھر وہ نصف جو شفقت کا حصہ ہے ماں پر اور اس کی اولاد پر تقسیم ہوگا اور چونکہ ماں کا چھٹے حصے سے کبھی کم نہیں ہوتا اس لئے اتنا تو ماں کو دیں گے اور باقی ان اولاد کو جو کہ میت کے بھائی ہیں دلایا جائے گا۔ اور اگر یہ اخوت والے عصبات ہیں تو

ب قرابت قریبہ وحمایت دونوں جمع ہوگئیں اور بسا اوقات ان کے ساتھ اور وارث
ہوتے ہیں مثلاً بیٹی اور بیٹے اور خاوند پھر اگر ماں کو چھٹے حصّے سے زائد دیدیں
ودروں پہ تنگی ہوگی۔

زوجہ سے بشرط عدم اولاد خاوند کو نصف بشرط اولاد چوتھائی حصہ ملنے کی وجہ اور ترکہ ندسے زوجہ کو چوتھائی حصہ اور بشرط اولاد آٹھواں حصہ ملنے کی وجہ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ یوصین بہا او دین ترجمہ یعنی تم کو
ہاری بیویوں کے ترکہ کا نصف حصّہ ملے گا بشرطیکہ ان کے اولاد نہ ہو پس اگر انکے
لاد ہو تو تم کو تمھاری بیویوں کے ترکہ میں سے چوتھائی حصّہ ملے گا انکی وصیت
ادائے قرض کے بعد۔

اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان
کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بہا او دین
ترجمہ یعنی تمھاری بیویوں کو تمھارے ترکہ میں سے اگر تمھارے اولاد نہ ہو تو چوتھائی
حصّہ ہے۔ پھر اگر تمھاری اولاد ہے تو بیویوں کو تمھارے ترکہ میں سے آٹھواں
حصّہ ملے گا بعد اس وصیت کے جو تم نے کی ہے اور بعد ادائے قرض کے خاوند
کو ترکہ اس لیے ملتا ہے کہ اس کو بیوی اور اس کے مال پر قبضہ ہوتا ہے پس بالکل مال
کو اس کے قبضہ سے نکالنے میں اس کی ضرر رسانی ہے اور بیوی خاوند سے اپنی خدمت
اور ہمدردی اور محبت کا صلہ لیتی ہے لہذا خاوند کو بیوی پر فضیلت ہے
چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الرجال قوامون علی النساء۔ یعنی مرد عورتوں

پر حاکم ہیں۔ پھر اس بات کا بھی اعتبار کیا گیا ہے کہ ان کے باہم توارث میں سے اولاد پر بھی تنگی نہ ہو اس لئے یہ حصص مناسب و متفاوت مقرر کئے گئے۔

(تنبیہ) ہمیں سخت تعجب آتا ہے اور لوگوں پر کہ جب کوئی بیوہ عورت نکاح کر لیتی ہے تو جس حصہ کی وہ مالک ہوتی ہے ورثہ اس سے لے لیتے ہیں حالانکہ از روئے قانون شرع اسلام وہ اختیار رکھتی ہے کہ نکاح کرنے کے وقت وہ اپنا حصہ بیچ ڈالے یا اپنے پاس رکھے اور قابض رہے۔ ایسے ہی سخت غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ لوگ جو بیوہ اور مطلقہ سے بطور ملک دیا ہوا زیور واپس لے لیتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن۔
ترجمہ۔ یعنی تم کو حلال نہیں ہے کہ مطلقہ و بیوہ عورتوں سے دیا ہوا کچھ مال واپس لو الا بشرط خلع اس میں عورت مال ہی دیکر نارمخلصی خاوند سے حاصل کرتی ہے۔

لا ولد میت کے وارثوں کو کم و بیش حصے ملنے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے وان کان رجل یورث کلٰلۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منہما السدس وان کانوا اکثر من ذٰلک فھم شرکاء فی الثلث ترجمہ۔ یعنی اور اگر وہ شخص جس کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے کلالہ ہو یعنی اس کے اولاد اور باپ نہ ہو اور اس کے بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر وہ زیادہ ہوں تو سب ثلث میں شریک ہوں گے اور دوسری جگہ فرماتا ہے یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلٰلۃ ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد فان کانتا اثنتین فلھما الثلثٰن مما ترک و

وان کانوا اخوۃ رجالا و النساء فللذکر مثل حظ الانثیین۔ ترجمہ یعنی تجھ سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں لاولد میت کے ترکہ کے متعلق تو کہدے کہ خدا تعالیٰ تم کو لاولد میت کے ترکہ کے متعلق یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد مر جاوے جس کے اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کی ایک بہن کو اس مرد کے ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ مرد اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کے اولاد نہیں ہے پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو اس کے ترکہ میں سے دو ثلث ملے گا اور اگر میت کے بھائی اور بہن مخلوط ہوں تو مرد کو عورت سے دو چند ملے گا یہ آیت بالاجماع باپ شریک یا ماں باپ شریک کی اولاد میں ہے اور کلالہ کے تقسیم حصص کی حقیقت بھائی اور بہن کے حصوں کی خاصیتی میں ظاہر کی گئی ہے اس سے خیال میت کے ماں اور بھائی بہن ہوں گے۔

میت کے چچا اور اس کی اولاد کے مستحق وراثت ہونے اور اس کی خالہ کے میراث سے محروم ہونے کی وجہ	میت کے چچا کی اولاد کا مستحق وراثت ہونا اور اس کی خالہ ہونا کہ اس کی

ماں کی طرف سے ہوتی ہے اس کے میراث میت سے محروم رہنے کی وجہ یہ ہے کہ چچا کی اولاد میں میت کی پشتی وطرفداری وحمایت وامداد وسوالات زندگی میں زیادہ ہوتی ہے اور والدہ کے رشتہ دار اجنبیوں کی طرح ہیں وہ تو بیٹے باپوں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں لہذا وہ بمنزلہ بیٹیوں کے اقربا کے ہوتے ہیں۔

عذاب وثواب قبر پر اعتراضات اور حضرت ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے ان پر فلسفیانہ جوابات	حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مندرجہ ذیل اعتراضات عذاب

وثواب قبر کے متعلق پیش کئے گئے کہ ملحد وزندیق منکران عذاب وثواب قبر کو ہم کیا جواب دیں جو کہتے ہیں کہ قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے گڑھا یا بہشت کے باغوں میں

سے باغ کیونکر ہو سکتی اور کیونکر کشادہ اور تنگ ہو سکتی ہے جبکہ میت نہ اس میں بیٹھ
سکتی ہے اور نہ کھڑی ہو سکتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم قبر کھودتے ہیں تو اس میں نہ
اندھے اور گونگے فرشتے دیکھتے ہیں جو مردوں کو لوہے کے گرزوں اور ہتھوڑوں سے
مارتے ہیں اور نہ وہاں سانپ اور اژدہے دیکھتے ہیں اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ
ہم محسوس کرتے ہیں اور اگر میت کے احوال میں سے کوئی حال قبر کھود کر معلوم کریں
تو ہم میت کو اسی ایک حالت غیر متغیرہ پر پاتے ہیں اور ہم اگر اس کی آنکھ پر
سیماب اور اس کے سینے پر رائی کا دانہ رکھیں تو ہم اس کو اسی ایک ہی حالت
غیر متغیرہ پر پاتے ہیں اور مردہ پر تا مد نظر قبر کس طرح فراخ یا تنگ ہو سکتی ہے
حالانکہ ہم اس کو اسی ایک حالت پر دیکھتے ہیں اور قبر کی کشادگی کو اسی حد پر پاتے
ہیں جس حد پر کہ ہم نے اس کو کھودا تھا نہ زیادہ ہوتی ہے اور نہ تنگ ہوتی ہے
اور قبر کی لحد میں تنگی کس طرح ممکن ہو سکتی ہے اور فرشتے اور وہ صورت جو
مردہ کے ساتھ انس پکڑیں یا اس کو ڈراویں قبر میں کس طرح سما سکتے ہیں وہ کہتے
ہیں کہ ہر ایک بات جو عقل و مشاہدہ کے برخلاف ہو وہ کہنے والے کی قطعی خطا ہے
وہ کہتے ہیں مصلوب کو ہم مدت دراز سے لکڑی پر آویزاں دیکھتے ہیں وہاں پر
نہ اس سے منکر و نکیر کا سوال ہوتا ہے نہ وہ حرکت کرتا ہے اور نہ اس کے جسم پر
آگ دہکتی ہوئی دیکھی جاتی ہے اور جس کو درندوں نے پھاڑ کھایا ہو اور پرندوں
نے نوچ لیا ہو اور اس کے ٹکڑے درندوں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں
اور سانپوں کے شکموں اور ہواؤں کے طبقوں میں الگ الگ ہو جاتے ہیں اس کے
ٹکڑوں سے باوجود الگ الگ ہونے کے کس طرح سوال و جواب ہونا ممکن ہو سکتا ہے

جس کے جسم کے ٹکڑوں کی یہ حالت ہو جاوے اس کے ساتھ دو فرشتوں منکر و نکیر کا سوال و جواب کرنا کس طرح ممکن ہے اور ایسے شخص پر قبر بہشت کے باغوں میں سے باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے گڑھا کس طرح ہونا ممکن ہے اور کس طرح قبر اس پر تنگ ہو سکتی ہے یہانتک کہ مردہ کی پسلیاں قبر کے ملنے سے ادھر کی ادھر ہو جاویں

جوابات واضح ہو کہ ہم پہلے چند باتیں بطور تمہید ذکر کرتے ہیں جن سے جوابات واضح ہو جاویں گے۔ (۱) رسولوں نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی جس کو عقلیں محال جانیں اور وہ اس کے محال ہونے پر قطعی حکم دے سکیں بلکہ رسولوں کی خبر دینا دو قسم کا ہوتی ہے ایک تو وہ جس پر عقل اور فطرت گواہی دے دوسرے وہ جن کو محض عقلیں دریافت نہ کر سکیں۔ مثلاً غیب کی باتیں جو رسولوں نے عالم برزخ اور قیامت اور ثواب و عذاب کے متعلق مفصل بیان فرمائی ہیں باقی ہر حال میں رسولوں کی خبریں از روئے عقول سلیمہ محال نہیں ہوتی ہیں (اور اگر وہ ظاہراً عقلاً محال ہو اور سند صحیح سے ثبوت بھی اس کی ثابت ہو تو اس موقع پر دوسرے قواعد شرعیہ کے موافق تاویل واجب ہو گی)، پس قبر کے واقعات دوسری قسم کی خبر ہے جو عقلاً تو محال نہیں مگر وہاں تک عقل کی خود رسائی نہیں وہ وحی کی محتاج ہے۔

باقی جو شخص اس کو محال سمجھتا ہے وہ محض اس شخص کا ایک خیال اور وہم ہے جس کو صاحب خیال اپنے فہم غلط میں معقول صریح جانتا ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد کو بدون افراط و تفریط کے سمجھا جائے اور آپ کے کلام سے وہ مراد نہ سمجھی جاوے جس کا آپ نے ارادہ نہ کیا ہو جو شخص آپ کی مراد و مطلوب سے اور طرف پھر گیا اور اس کے اقرار واقعی معنی سمجھنے

میں غفلت اور کوتاہی کی تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک جاوے گا اور خدا اور رسو
کے کلام میں لوگوں کی غلط فہمیاں واقع ہونے سے اسلام میں بہت سے گمراہ ا
بدعتی فرقے پیدا ہو گئے ہیں مثلاً قدریہ۔ ملحد۔ خارجی۔ معتزلہ۔ جہمیہ۔ رافضی وغ
یہانتک کہ دین اسلام اکثر ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ میں ہو گیا ہے جو غلط فہمی سے کچھ کا
سمجھ رہے ہیں اور جو کچھ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تھی اور جو
صحابہ کرام نے سمجھا تھا وہ اکثر لوگوں نے چھوڑ دیا ہے اس کی طرف بہت کم التفا
کرتے ہیں۔ امر تیسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کے لئے ٹھیرا
یعنی دنیا برزخ۔ دار قرار اور ہر ایک مقام کے لئے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھیرائے ہیں
جو انہی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کی احکا
بدنوں پر ٹھیرائے اور روحوں کو بدنوں کے تابع کیا اس لئے شرعی احکام ان حرکات پر
مرتب کئے ہیں جو زبان اور انداموں سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں
چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھیرائے اور جسموں کو
روح کے تابع کیا پس جیساکہ روح دنیا کے احکام میں بدنوں کے تابع ہو کر بدن کے
دردناک ہونے سے دردناک ہوتی اور لذت پاتی ہے قبر یعنی عالم برزخ میں جسم دکھو
اور سکھوں میں روح کے تابع ہو جاتا ہے اور روح دکھ اور سکھ کو سہتی ہے تو بدن بھی اس
دکھ اور سکھ کے تابع ہو جاتا ہے اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالم قبر
یعنی عالم برزخ میں روح ظاہر و غالب ہو گی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کی احکام
ارواح پر جاری ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو جب پہنچے گا تو وہ صاحب روح
کے جسم پر بھی سرایت کرے گا جیساکہ دنیا میں جسم کو کچھ راحت یا دکھ پہنچے تو

کا اثر روح پر بھی سرایت کر جاتا ہے (جب یہ ہے تو ان واقعات کا ظاہر ہونا
پر ظاہر ہونا ضروری نہیں وہ سب احکام روحانی ہیں جن کو روح مدرک
ا ہے اور وہ سب واقعات بھی اسی عالم کے ہیں پس ان کا محسوس ہونا بھی
وری نہیں بلکہ عادۃً ممکن بھی نہیں الا ماشاء اللہ) حق تعالیٰ نے اپنی رحمت
ف و احسان سے اس امر کا نمونہ دنیا میں بھی سونے والے کے حال سے ظاہر
ہر فرمایا ہے کیونکہ خواب میں جو دکھ اور سکھ سونے والے کو پہنچتا ہے وہ روح
ح پر جاری ہوتا ہے اور اس میں بدن اس کے تابع ہوتا ہے۔ ایسا ہی عالم
زخ میں بھی جسم اور روح کے لیے دکھ اور سکھ کا طریق جاری ہے بلکہ اس
اب سے بھی بڑھ کر ہوگا کیونکہ اس عالم برزخ میں روح کا تجرد اور ظاہر ہونا
ت کامل ہوتا ہے اور روح کا تعلق بدن سے گو عام حالت میں ظاہر نہیں ہوتا
یکن ایک غیر معلوم وجہ پر پھر بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع
ور جدائی نہیں ہوتی۔

اب رہا تیسرا مقام یعنی آخرت سو جب حشر اجساد ہوگا اور لوگ قبروں
سے اٹھیں گے تو اس دن سکھ اور دکھ کا حکم روح اور جسم دونوں پر غالب
اور ظاہر و باہر ہوگا مذکورہ بالا مضامین تم پر ہویدا ہوا ہوگا کہ جو کچھ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عذاب قبر اور اس سکھ اور دکھ ثواب اور عذاب اور
تنگی اور کشادگی دوزخ کے گڑھا ہونے یا بہشت کے باغ ہونے کی خبر دی ہے۔ وہ
مطابق عقل کے ہے مناقض نہیں اور اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ اگر کسی پر یہ
بات سمجھنی مشکل ہو تو اس کی غلط فہمی اور اس کی قلت علم کا باعث ہے۔

انسان کو قبر میں عذاب و ثواب ملنے کا نمونہ

اس سے عجیب تر یہ بات ہے کہ دو شخص ایک ہی بستر پر سوئے ہوں اور ایک کی روح کو سکھ و چین ہوگا اور جب جاگے تو سکھ و راحت و آرام کے آثار اس کے بدن پر ظاہر ہوں گے اور ایک کی روح کو دکھ ہوتا ہے اور جب جاگتا ہے تو دکھ و عذاب کا اثر اس کے بدن پر ہوتا ہے اور ایک کو دوسرے کے حال سے اطلاع نہیں ہوتی اسی پر عالم برزخ کے عذاب و ثواب کا استدلال کرو اور دلائل سے یہی ثابت ہے کہ اسلامی اصول کی رو سے نفس کی ذات روح کے ساتھ قائم ہے کہ موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں ہر ایک روح کو کسی قدر راحت یا عذاب پہنچتا ہے یعنی ایک جسم ملتا ہے اور وہ جسم اس جسم کی قسم سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے یا ایک تاریکی سے جیسی اعمال کی صورت ہو وہ جسم تیار ہوتا ہے گو اس عالم برزخ میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں اور اگرچہ یہ راز ایک دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں ہے انسان کامل اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کثیف جسم کے علاوہ پاتا ہے اور عالم مکاشفات میں اس کی بہت مثالیں ہیں جن کو عالم مکاشفات میں سے کچھ حصہ ملا ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو کہ اعمال سے تیار ہوتا ہے تعجب اور استبعاد کی نگاہ سے نہیں دیکھتے غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے بنتا ہے یہی عالم برزخ میں نیک و بد کی جزا کا محل ہو جاتا ہے اصحاب مکاشفہ کو عین بیداری میں مردوں سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے بہرحال مرنے کے بعد ہر ایک کو ایک نیا جسم ملتا ہے خواہ نورانی ہو خواہ ظلمانی لیکن

خدا تعالیٰ نے ان امور آخرت کو بواسطہ عقل مکلفوں کے دریافت کرنے اور پانے سے
در پردہ اور پوشیدہ رکھا ہے اور یہ بات خدا تعالیٰ کی کمال حکمت پر دال ہے تاکہ
مومن ایمان بالغیب کے ساتھ منکرین سے ممتیز ہو جائیں۔

چنانچہ فرشتے قریب الموت [illegible] آتے ہیں اور [illegible]
ہیں اور وہ ان کو دیکھتا ہے اور اس کے پاس [illegible]
[illegible] اور خوشبو [illegible] بھی ہوتے [illegible]
کے سلام اور دعا پر آمین کہتے ہیں اور بسا اوقات [illegible] سلام کرتے
ہیں اور وہ ان کے سلام کا جواب کبھی لفظ سے کبھی اشارہ سے اور کبھی دل سے دیتا ہے
اور بسا اوقات بعض قریب الموت آدمی کہتے ہیں خوش آمدید اور مردہ کے سوا حاضرین
میں سے ان فرشتوں کو کوئی بھی نہیں دیکھتا اس بارہ میں آثار بہت وارد ہیں۔

امور آخرت میں سے پہلا امر جو [illegible]
اور باوجود اس دنیا میں واقع ہونے کے ہم کو دکھائی نہیں دیتا [illegible]
دنیا میں واقع ہوتا ہے پھر فرشتہ روح کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کو قبض
کر لیتا ہے اور روح سے بات چیت کرتا ہے اور حاضرین نہ فرشتے کو دیکھتے [illegible]
اس کی آواز سنتے ہیں پھر روح نکلتی ہے اور اس کا نور آفتاب کی شعاعوں کی
طرح اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ ہوتی ہے اور حاضرین ان سب میں سے
کسی کو بھی نہیں دیکھتے اور نہ خوشبو کو سونگھ سکتے ہیں پھر وہ فرشتہ روح کو لیکر
ملائکہ کے گروہ میں جا ملتا ہے اور حاضرین یعنی آدمی اس کو دیکھ نہیں سکتے پھر
روح ایک خاص اعتبار سے واپس آکر مردہ کا نہلانا اور اس کا اٹھانا دیکھتی ہے

اور کہتی ہے مجھے آگے لے چلو مجھے آگے لے چلو یا کہتی ہے مجھے کہاں لیے جاتے ہو مجھے کہاں لیے جاتے ہو اور لوگ اس کی کوئی بات بھی نہیں سن سکتے۔

لحد قبر میں مردہ کے پاس فرشتے پہنچنے کی صورت

اسی طرح جب مردہ کو لحد میں رکھا جاتا ہے اور اس کو قبر میں ڈھانپ کر مٹی ڈالی جاتی ہے تو مٹی فرشتوں کو مردہ کے پاس پہنچنے سے روک نہیں سکتی بلکہ اگر پتھر بھی کندہ کیا جائے اور مردہ کو اس میں رکھا جاوے اور پتھر کو قلعی سے سر بمہر کر دیا جاوے تو بھی مردہ کے پاس فرشتے کے پہنچنے سے یہ امر مانع نہیں ہو سکتا کیونکہ اجسام کثیفہ ارواح لطیفہ کے خرق کو مانع نہیں ہو سکتے بلکہ اجسام کثیفہ سے تو جن نکل جاتے ہیں خدا تعالیٰ نے پتھر اور مٹی کو فرشتوں کے لیے ایسا کیا ہے جیسا ہوا پرندوں کے لیے ہے جس میں وہ اڑتے پھرتے ہیں اور قبر کی فراخی و کشادگی بالذات روح کے لیے ہوتی ہے اور بدن کو روح کی اتباعیت میں کشادگی ملجاتی ہے ورنہ جسم تو بہت تھوڑی جگہ میں سمایا ہوتا ہے۔

ضغطۃ القبر

اسی طرح قبر کا مردہ کو گھونٹنا حق ہے مردہ کی پسلیاں ادھر کی ادھر چلی جاتی ہیں اس میں کچھ شک نہیں اور اس بات کو عقل رد نہیں کر سکتی باقی یہ بات کہ اگر کوئی شخص مردہ کی قبر کھود کر اس کو دیکھے تو اس کی پسلیاں اسی پہلی حالت پر ہوتی ہیں ادھر کی ادھر دکھائی نہیں دیتیں سو خدا قادر مطلق کو کوئی بات اس سے روک نہیں سکتی کہ یہ سب روحانی طور طور پر واقع ہوتا ہو اور ان حواس سے محسوس نہ ہو۔

قبر کے فرشتوں اور آتش جہنم و نعمائے جنت کے نہ دکھائی دینے کی وجہ

قبر کی آگ اور سبزی نہ دنیا کی آگ کی قسم میں سے ہوتی ہے اور نہ دنیا کی کھیتی و سبزہ کے مانند ہے جو دیکھکر معلوم ہوسکے وہ تو آخرت کی آگ اور آخرت کی سبزی کی قسم سے ہوتی ہے اور اس کو اہل دنیا معلوم نہیں کرسکتے اور یہ امر اس لیے ہوا کہ ایمان بالغیب کی حکمت قائم رہے پس اس بنا پر ممکن ہے کہ دو شخصوں کو ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو دفن کیا جاوے اور اُن کے اعمال متفرق ہوں تو ان میں سے ایک دوزخ کے گڑھے میں جلتا ہو اور اس کے پاس والے پر حرارت دوزخ کی نہ پہنچ سکتی ہو بلکہ یہ دوسرا بہشت کے باغ میں ہوتا ہو اور اس کے پاس والے دوزخی کو اس کے آرام وچین سے حصہ نہ پہنچ سکتا ہو۔ یہ بات بھی طلسمات الٰہی میں سے ہے اور خدا تعالیٰ ان باتوں پر قادر ہے کیونکہ جب اس نے انسان کو ایسے ایسے ہنر سکھائے ہیں کہ وہ اپنی ایک چیز میدان میں رکھکر اس پر بعض کو اطلاع دیتا اور دکھاتا ہے بعض کی اس سے چشم بندی کر دیتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ جو خالق کل ہے اور قادر مطلق ہے اس کے آگے ایسے امور کس طرح ناممکن و متعسر ہوسکتے ہیں اور یہ ایمان بالغیب کی حکمت چونکہ بہائم اور مویشیوں کے حق میں نہیں ہے لہٰذا وہ مردہ کی پکار فریاد کو سنتے ہیں اور محسوس و معلوم کرتے ہیں جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

پس عالم برزخ کا قیاس دنیا کے اُمور و مشاہدات پر کرنا محض جہالت اور گمراہی ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانا اور خداوند تعالیٰ قادر مطلق کو ایسے امور سے عاجز جاننا ٹھیراتا ہے اور یہ پورے درجے کی جہالت و گمراہی و ظلم

ہے کیونکہ وہ قادر ہے کہ جس بات کو جس پر چاہے کشادہ کرے اور لوگوں کی نظر سے اس کو پوشیدہ رکھے وہ قادر ہے کہ لوگوں کو ایک چیز تنگ دکھائی دے اور حالانکہ وہ بہت کشادہ اور خوشبودار اور بہت بڑی اور نورانی اور روشن ہو اور لوگ اسکو دیکھ نہ سکیں اور اسی طرح بالعکس۔

غریق و سوختہ و مصلوب کو عذاب ثواب قبر کی صورت

ناممکن اور ممتنع نہیں ہے کہ مصلوب اور غریق کی روح پھیر دی جائے اور ہم معلوم نہ کر سکیں کیونکہ وہ روح اور قسم کی ہے بے ہوش اور سکتہ زدہ اور مبہوت زندہ ہوتے ہیں اور ان کی روحیں ان کے ساتھ ہی ہوتی ہیں۔ اور بظاہر وہ مردہ دکھائی دیتے ہیں ان کی زندگی ہم کو معلوم و محسوس نہیں ہو سکتی جس کے ٹکڑے اور اجزا الگ الگ ہو کر پراگندہ ہو جاویں خدائے قادر مطلق پر نہ مشکل ہے اور نہ ممتنع ہے کہ ان اجزا میں روح کو پیوست کر دے اور درد اور لذت اور دکھ اور سکھ کا شعور ان اجزا میں پیدا کر دے۔

عالم برزخ کے بعد ایک دوسرا عالم حشر برپا ہونیکی وجہ

انسان کے مرنے کے وقت عالم برزخ میں جزا اور سزا شروع ہو جاتی ہے اور دوزخی برزخی دوزخ میں اور بہشتی برزخی بہشت میں جاتے ہیں مگر اس کے بعد ایک اور تجلی اعلیٰ کا دن ہے کہ خدا تعالیٰ کی بڑی حکمت نے اس دن کے ظاہر کرنے کا تقاضا کیا ہے کیونکہ اس نے انسان کو پیدا کیا تاکہ وہ اپنی خالقیت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر وہ سب کو ہلاک کرے گا تاکہ وہ اپنی قہاریت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر ایک دن سب کو کامل زندگی بخش کر

ایک میدان میں جمع کرے گا تاکہ وہ اپنی قادریت کے ساتھ پہچانا جائے پھر اس روز حسی جنت اور حسی دوزخ میں قرار ہوگا۔

پس موت جائے بازگشت اور جائے بعثت اول ہے کیونکہ خداتعالیٰ نے بنی آدم کے لئے دو بعثتیں ٹھیرائی ہیں اور ان دونوں میں بنی آدم کو نیکی بدی کا بدلہ دیا جائے گا پہلی بعثت میں تو روح اور جسم کی جدائی ہے اور اس کو دارالجزا یعنی برزخ کی طرف چلایا جاتا ہے۔

اور دوسری بعثت وہ ہے جس میں خداتعالیٰ روح کو جسم سے ملائے گا اور اسکو قبروں سے اٹھا کر بہشت یا دوزخ کی طرف چلادے گا خداتعالیٰ نے ان دونوں قیامتوں کا ذکر قرآن کریم میں بشرح بیان فرمایا ہے جن میں ایک بڑی دوسری چھوٹی قیامت ہے اور وہ ذکر سورہ مومن وغیرہ میں دونوں کا آیا ہے (چنانچہ یہ آیت اس پر شامل صریح کے ہے النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔

جواب اس سوال کا کہ قبر کے سوال وجواب محدود ہیں یا غیر محدود

سوال۔ اگر قبر کے سوال من ربک وغیرہ محدود ہیں تو وہ خوب یاد کر لیے جاویں اور وہاں پاس ہو جاویں یا کہ غیر محدود ہیں۔

جواب۔ ایسا نہیں ہو سکتا یہ ایک ایمانی کیفیت ہے جو دنیاوی امتحانوں کی طرح نہیں کہ آدمی مکاندہ (؟) وغیرہ سے پاس ہو سکے بلکہ وہاں جس رنگ سے دل رنگین ہوگا اسی کا اظہار ہوگا اور اسی کے موافق قبر میں رنج یا راحت کا سامان مہیا ہوگا

جواب اس سوال کا کہ فرشتگان قبر کے سوالات کس زبان میں ہوں گے

ہمیں عربی فارسی اُردو انگریزی سنسکرت سب زبانیں خدا نے بتائی ہیں پھر کیا خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ کسی زبان سے قاصر رہ سکتا ہے وہ ہر زبان بول سکتا ہے

قبور سے تعلق ارواح کا دفع استبعاد

ارواح کا تعلق قبور سے بھی ہوتا ہے اور اس میں کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا اور اس کے لئے کہ عقل اس کو دریافت نہ کرسکے ہم خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں ایک نظیر پاتے ہیں وہ یہ کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کے اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقے رکھے ہیں جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض امور کی حقیقت صرف زبان ہی سے معلوم ہوتی ہے اور بعض خواص آنکھ کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض حقائق کا پتہ صرف کان لگاتے ہیں اور بعض ایسے امور ہیں کہ حس مشترک کے ذریعہ سے اس کا سراغ چلتا ہے اور کتنے ہی حقائق ہیں کہ وہ مرکز قوی یعنی دل سے معلوم ہوتے ہیں غرض اللہ تعالیٰ نے حقائق معلوم کرنے کے لئے مختلف طریق اور ذریعے رکھے ہیں مثلاً مصری کی ایک ڈلی کو اگر کانوں پر رکھیں تو وہ اس کا مزہ معلوم نہ کرسکیں گے اور نہ اس کے رنگ کو بتلا سکیں گے۔ ایسا ہی اگر اس کو آنکھوں کے سامنے کریں گے تب بھی اس کے ذائقہ کے متعلق کچھ نہ کہہ سکیں گے اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کے لئے مختلف قویٰ اور طاقتیں ہیں اب آنکھ سے اگر کسی چیز کا ذائقہ معلوم کرنا ہو اور وہ آنکھ کے سامنے پیش ہو اور ذائقہ کا اس سے ادراک نہ ہو تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس چیز میں کوئی ذائقہ نہیں یا کوئی آواز نکلتی ہو مگر ہم کان بند کرکے زبان سے وہ کام

لینا چاہیں تو کب ممکن ہو سکتا ہے۔ آجکل کے فلسفی مزاج لوگوں کو یہ بڑا دھوکا لگا ہوا
ہے کہ وہ اپنے علم کی وجہ سے کسی حقیقت کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ روزمرہ کاموں میں
دیکھا جاتا ہے کہ یہ سب کام ایک شخص نہیں کرتا بلکہ جدا جدا خدمتیں مقرر ہیں۔ سقہ پانی
لاتا ہے، دھوبی کپڑے دھوتا ہے۔ غرضکہ تقسیم خدمات کا سلسلہ ہم خود انسان
کے نظام میں بھی پاتے ہیں۔ پس اس اصل کو یاد رکھو کہ مختلف قوتوں کے مختلف کام
ہیں۔ انسان مختلف قویٰ لیکر آیا ہے اور مختلف خدمتیں جدا جدا قوت کے سپرد
ہیں۔ نادان فلسفی ہر ایک بات کا فیصلہ اپنی عقل ناقص سے چاہتا ہے حالانکہ یہ طریقہ
محض غلط ہے۔ تاریخی امور تاریخ ہی سے ثابت ہوں گے اور خواص الاشیاء کا پتہ
بدون تجربہ صحیحہ کے کیونکر لگ سکتا ہے۔ امور قیاسیہ کا پتہ عقل دے گی۔ اسی طرح
متفرق طور پر الگ الگ ذرائع ہیں۔ انسان دھوکہ میں مبتلا ہو کر حقائق الاشیاء
کے معلوم کرنے سے اسی وقت محروم رہ جاتا ہے جبکہ وہ ایک ہی چیز کو مختلف امور
کی تحصیل کا ذریعہ قرار دے لیتا ہے۔ ذرا سی فکر سے یہ بات خوب سمجھ میں آجاتی ہے اور
روزمرہ ہم ان باتوں کو دیکھتے ہیں۔

پس جس طرح روح کے جسم سے مفارقت کرنے یا تعلق پکڑنے کا فیصلہ عقل سے
نہیں ہو سکتا اور اگر ایسا ہوتا تو فلسفی اور حکماء اس باب میں ضلالت میں مبتلا نہ ہوتے
اسی طرح پر قیود کے ساتھ جو تعلق ارواح کا ہوتا ہے یہ ایک امر واقعی تو ہے مگر اس
کا پتہ دینا اس آنکھ کا کام نہیں ہے یہ کشفی آنکھ کا کام ہے۔ اگر عقل محض سے اس کا پتہ
لگانا چاہو تو کوئی عقل سے اس کا ہی پتہ لگالے کہ روح کا وجود بھی ہے یا نہیں۔
ہزارہا اختلافات اس مسئلہ پر موجود ہیں اور ہزارہا متفرد ماہرین ایسے موجود ہیں

جو اس کے منکر ہیں اگر نری عقل کا یہ کام تھا تو اس میں اختلاف کا کیا سبب کیونکہ جب آنکھ کا کام دیکھنا ہے تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ زید کی آنکھ تو ایک چیز کو دیکھتی ہے اور بکر کی ویسی ہی آنکھ اس چیز کو نہ دیکھے۔

پس جب نرا عقل روح کا وجود بھی یقینی طور پر نہیں بتا سکتی تو اس کی کیفیت اور تعلقات کا علم تو کیا بتاوے گی۔ یہ تفاسیر روح کے وجود اور اس کے تعلق وغیرہ کی چشمہ نبوت سے ملی ہیں اور نرے عقل والے تو اس کی تحقیقات کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتے۔ اگر کہو بعض فلاسفروں نے کچھ لکھا ہے تو یاد رکھو انھوں نے منقولی طور پر چشمہ نبوت سے لیکر کچھ لکھا ہے۔ پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور اس کا علم ان سے پوچھنا چاہیے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے کچھ بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشف قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات سے دیکھ سکتا ہے۔ ہم ایک اور بات کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ ایک نمک کی ڈلی اور ایک مصری کی ڈلی رکھی ہو۔ اب عقل محض ان پر کیا فتویٰ دے سکے گی ہاں اگر ان کو چکھیں گے تو وجدانگانہ مزوں سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ نمک ہے اور وہ مصری ہے۔ پس اگر کسی میں حس لسان ہی نہیں تو نمکین اور شیریں کا وہ فیصلہ کریگا نہیں جس طرح آفتاب کے چڑھنے میں ایک اندھے کے انکار سے فرق نہیں آ سکتا ایک مسلوب العقل کے طریق استدلال سے فائدہ نہ اٹھانے سے اس کا ابطال نہیں ہو سکتا اسی طرح پر اگر کوئی شخص کشفی آنکھ نہیں رکھتا تو وہ اس تعلق روح کو کیونکر دیکھ سکتا ہے پس اس کے انکار سے محض اس لئے کہ وہ دیکھ نہیں سکتا اس کا انکار

جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی باتوں کا پتہ بڑی عقل اور قیاس سے کچھ نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے انسان کو مختلف قویٰ دیئے ہیں اگر ایک ہی حاسہ سب کام دیتا تو پھر اس قدر قویٰ کے عطا کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ جن میں بعض قویٰ کا تعلق آنکھ سے ہے اور بعض کا کان سے بعض زبان کے متعلق ہیں اور بعض ناک سے۔ اسی طرح مختلف قسم کی حسّیں انسان رکھتا ہے سو قبور کے ساتھ تعلق ارواح کے دیکھنے کیلئے کشفی حس کی ضرورت ہے اگر کوئی فاقد الکشف[۵] اس تعلق کی نسبت یہ کہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے تو وہ غلط کہتا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک کثیر تعداد اور کروڑوں اولیاء و صلحاء کا سلسلہ دنیا میں گذرا ہے اور مجاہدات کرنے والے بے شمار لوگ ہو گذرے ہیں وہ سب اس امر کی زندہ شہادت ہیں گو اس کے تعلقات کی کیفیت وجہ کشفی طور پر ہم معلوم کرسکیں یا نہ کرسکیں مگر نفس تعلق سے انکار نہیں ہوسکتا۔ غرض کشفی دلائل ان ساری باتوں کا فیصلہ کئے دیتے ہیں گو عقل ادراک نہ کرسکے جیسے کان اگرچہ دیکھ نہ سکیں تو ان کا کیا قصور ہے وہ اور قوت کا کام ہے۔

غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے انسان میت سے کلام کرسکتا ہے۔ ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لئے ایک مقام ملتا ہے اور یہ ایک ایسی مسلم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے۔ بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے

اسی طرح بلاشبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے۔ گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجین میں۔ لیکن دونوں کا روحانی

۵ جس کو کشف نہ ہوتا ہو۔ ۱۲

تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلاویں خواہ وہ ڈوب جائے ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق بالا ترازفہم) رہتا ہے۔ اس کی نظیر ایک تار برقی کافی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے۔ ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیین وسجین کے تعلق بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے مگر اس دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ عالم غیب کے اسرار کو دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا مناسب ہے۔ کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا جس پر فلسفہ انبیاء کا قائم ہے۔ لیکن صرف محسوس نہ ہونے کے سبب کسی امر کا انکار صریحاً عقل کی بدہضمی ہے۔ قبر کا تنگ یا فراخ ہونا یہ بھی ایک عالم باطن کے اسرار سے ہے جیسے اہل دنیا کی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں عقلیں دریافت نہیں کر سکتیں ہاں اہل کشف صوفیاء واولیاء اللہ لوگ دیدۂ باطن سے اسکو دیکھ لیتے ہیں۔ اہل باطن بسا اوقات کشف قبور کے ذریعے سے مردوں کو قبروں میں عذاب یا ثواب دیکھتے ہیں۔

حقیقت پل صراط آخرت عالم آخرت میں ہر ایک سعید اور شقی کو مصور کرکے دکھلایا جاوے گا کہ وہ دنیا میں سلامتی کی راہوں میں چلا یا اس نے ہلاکت اور جہنم کی راہیں اختیار کیں سو اس دن وہ سلامتی کی راہ جو کہ صراط مستقیم اور نہایت باریک راہ ہے اور جس سے تجاوز کرنا اور ادھر ادھر ہونا درحقیقت جہنم میں گرنا ہے تمثل کے طور پر نظر آئے گی اور جو لوگ دنیا میں صراط مستقیم پر چل نہیں سکتے وہ اس صراط پر بھی چل نہیں سکیں گے۔ کیونکہ وہ صراط درحقیقت دنیا کی روحانی صراط کا ہی ایک نمونہ ہے اور جیسا کہ یہ بھی روحانی

کھوں سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے صراط کے دائیں بائیں درحقیقت جہنم ہے اگر
صراط کو چھوڑ کر داہنے طرف ہوئے تب بھی جہنم میں گرے اور اگر بائیں طرف
ے تب بھی گرے اور اگر سیدھے صراط مستقیم پر چلے تب جہنم سے بچ گئے یہی صورت
انی طور پر عالم آخرت میں ہمیں نظر آئے گی اور ہم آنکھوں سے دیکھیں گے کہ
قیقت ایک پل صراط ہے جو پل کی شکل پر دوزخ پر بچھایا گیا ہے جس کے اطراف
یا دوزخ ہے تب ہم مامور کیے جائیں گے کہ اس پر چلیں سو اگر ہم دنیا میں صراط پر
رہے ہیں اور اپنے داہنے بائیں نہیں چلے تو ہم کو اس صراط سے کوئی خوف نہیں
گا اور نہ جہنم کی بھاپ ہم تک پہنچے گی اور نہ کوئی فزع اور خوف ہمارے دل پر طاری
ا بلکہ نور ایمان کی قوت سے چمکتی ہوئی برق کی طرح ہم اس سے گذر جائیں گے
نکہ پہلے دنیا میں اس سے گذر چکے ہیں۔

صراط اخروی کی فلاسفی حضرت ابن عربی کے الفاظ میں

قد اتی فی صفة الصراط انہ ادق من الشعر
حد من السیف وکذا الشریعة فی الدنیا لایعلم وجہ الحق فی المسئلة
ا اللہ والا من ھو المصیب من المجتہدین بعینہ فحکمہا یا الشرع احد
السیف وادق من الشعر فی الدنیا فالشرع ھنا ھو الصراط المستقیم
یزال فی کل رکعة من الصلاة یقول العبد اھدنا الصراط المستقیم
احد من السیف وادق من الشعر فظھورہ فی الاخرة محسوس بین
غیر من ظھورہ فی الدنیا الا لمن دعا الی اللہ علی بصیرة کالرسول ومن اتباعہ
فقھم اللہ بدرجات الانبیاء فی الدعاء الی اللہ علی بصیرة ای علی علم

وکشف وقد ورد فی خبران الصراط یظهر یوم القیامة للابصار علی قدر نور المارین
علیه فیکون دقیقاً فی حق قوم وعریضاً فی حق آخرین یصدق هذا الخبر قوله
تعالیٰ نورهم یسعیٰ بین ایدیهم وبایمانهم والسعی مشی وما طریق الا الصراط
وانما قال بایمانهم لان المومن فی الاخرة لا شمال له کما ان اهل النار لا یمین
لهم هذا لبعض احوال ما یکون علی الصراط واما الکلالیب والخطاطیف والحسک
هی من صور اعمال بنی آدم تمسکهم علی الصراط فلا ینهضون الی الجنة ولا یقعون
فی النار حتی تدرکهم الشفاعة والعنایة الالهیة فمن تجاوز هنا تجاوز الله عنه
هناک ومن انظر معسراً انظره الله ومن عفا عفا الله عنه ومن استقصی حقه
هنا من عباده استقصی الله حقه منه هناک ومن شدد علی هذه الامة
شدد الله علیه وانما هی اعمالکم ترد علیکم فالتزموا مکارم الاخلاق فان
الله یعاملکم بما عاملتم به عباده کان ما کان وکان ما کانوا۔ ترجمہ: پل صراط
اخروی کی صفت میں آیا ہے کہ وہ بال سے باریک تر اور تلوار سے تیز تر ہے اور ایسا
ہی دنیا میں علم شریعت کا حال ہے کہ اکثر مسائل میں راہ راست جو عند اللہ مقبول
و پسندیدہ ہو قطعاً معلوم نہیں ہوتا پس دنیا میں مسائل کا حکم شرع میں تلوار سے
تیز تر اور بال سے باریک تر ہے۔ پس شریعت یہاں صراط مستقیم ہے اسی لئے
بندہ نماز کی ہر رکعت میں کہتا ہے "اھدنا الصراط المستقیم" پس وہ تلوار سے
تیز تر اور بال سے باریک تر ہے اور آخرت میں دنیا کی بہ نسبت اس کا ظاہر ہونا واضح
تر ہوگا۔ مگر جنہوں نے علی وجہ البصیرت خدا تعالیٰ کی طرف دعوت کی مثل رسولوں اور
ان کے اتباع کے اُن کو خدا تعالیٰ انبیاء کے درجہ کے ساتھ ملحق کر دے گا اور احادیث

میں آیا ہے صراط قیامت میں گذرنے والوں کے نور کے موافق ظاہر ہوگا پس وہ ایک کے حق میں باریک ظاہر ہوگا اور دوسرے گروہ کے حق میں کشادہ اور اس خبر کی تصدیق خدا تعالیٰ کے اس کلام سے ہوتی ہے کہ مومنوں کا نور ان کے آگے اور داہنے طرف دوڑتا ہوا نظر آئے گا اور وہاں صراط کے بغیر کوئی راہ نہ ہوگی اور خدا تعالیٰ کے کلام میں جو آیا ہے کہ ان کا نور داہنے طرف دوڑتا ہوگا یہ اس لیے ہے کہ آخرت میں مومن کا کوئی بایاں نہ ہوگا جیسا کہ دوزخیوں کے لئے داہنا نہ ہوگا۔

یہ تو صراط اخروی کے بعض احوال ہیں مگر زنبور اور اچکنے والے اور گوکھرو کے کانٹے یہ تو بنی آدم کے عملوں کی صورتیں ہوں گی جو ان کو پل صراط پر بند کریں گی پس ابھی نہ بہشت میں جاویں گے اور نہ دوزخ میں گریں گے یہانتک کہ ان کو شفاعت اور عنایت الٰہی پہنچ جاوے گی پس جس نے یہاں پر درگذر کیا خدا تعالیٰ اس سے معاف کرے گا اور جو کوئی بندوں سے اپنا حق کاوش کر کے لے گا تو خدا تعالیٰ وہاں اس سے اپنا حق کاوش کر کے لے گا اور جو کوئی اس امت پر سختی کرے گا خدا تعالیٰ اس پر سختی کرے گا یہ صرف تمہارے اعمال ہیں جو تم پر وارد ہوں گے پس اچھے اخلاق کو لازم پکڑو کیونکہ خدا تعالیٰ کل تم سے وہی معاملہ کرے گا جو تم بندوں کے ساتھ کرو گے۔

حقیقت صراط مستقیم بموجب تحریر حضرت امام غزالیؒ

امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ جہانتک ہو سکے فرشتوں کی مشابہت پیدا کرے جن میں اوصاف متضادہ جیسے انسان میں ہیں نہیں ہیں اور انسان ان اوصاف سے علیحدہ نہیں ہو سکتا اس لئے اس کو حکم ہوا ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کرے جو ان اوصاف

سے علیحدہ ہو جانے کے مشابہ ہو گو کہ حقیقت میں علیحدہ ہو جانا نہ ہو اور وہ توسط ہے جیسے کہ سمویا ہوا پانی کہ نہ گرم ہے اور نہ سرد اور عود کا رنگ کہ نہ سفید ہے اور نہ سیاہ پس کنجوسی اور فضول خرچی انسان کی دو صفتیں ہیں اور سخاوت اس میں توسط کا درجہ رکھتی ہے جس میں نہ کنجوسی ہے اور نہ فضول خرچی۔

پس صراط مستقیم وہ توسط حقیقی ہے جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے اور جو شخص کہ ان صفات متضادہ کے دونوں سروں سے نہایت درجہ دور ہوتا ہے تو خواہ مخواہ ان دونوں سروں سے بیچا بیچ میں ہو گا مثلاً ایک لوہے کے حلقہ کو آگ میں لال کر کے زمین پر رکھیں اور پھر اس کے اندر وسط میں ایک چیونٹی کو ڈال دیں تو وہ اس کی گرمی سے بھاگے گی اور جو جگہ سب سے دور ہو گی وہاں ٹھیرے گی پس بجز مرکز کے اس کو اور کوئی جگہ نہ ملے گی اور وہی مرکز حقیقی ہے کیونکہ اس کو ہر طرف سے نہایت درجہ کا بُعد ہے اور اس مرکز یا نقطہ کا مطلق عرض نہیں ہے پس صراط مستقیم وہی وسط ہے دونوں سروں سے اور اس وسط کا مطلق عرض نہیں ہے اس لئے وہ بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ پھر جب خدا تعالیٰ قیامت میں اس صراط مستقیم کو متمثل کر دیگا تو جو کوئی اس دنیا میں صراط مستقیم پر ہو گا یعنی اس نے صفات متضادہ انسانی کے استعمال میں حتی المقدور توسط اختیار کیا ہو گا اور کسی جانب مائل نہ ہوا ہو گا وہ صراط آخرت پر بھی سیدھا چلا جاویگا۔

حضرت ملا جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اسلامی شریعت آخرت میں بہ شکل صراط مستقیم دوزخ پر متمثل ہو کر دکھائی دے گی پس جو شخص جادہ شریعت اسلام پر یہاں سیدھا چلا اور کجرو نہ ہوا اس کو وہاں بھی اس پر چلنا آسان ہو گا

اور جو یہاں ہی ٹیڑھا رہا اور اس صراط مستقیم پر نہ چلا اس کے لئے وہاں بھی چلنا دشوار ہو گا۔

حقیقتِ قیامت

حقیقتِ قیامت کا مضمون مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون کا انتخاب ہے جو یہاں درج کیا جاتا ہے واضح ہو کہ جو اشیاء مختلف الاغراض چیزوں سے مرکب ہوا کرتی ہیں جیسے کھیتی کہ اس میں غلہ آدمیوں کے لئے اور بھس گھاس جانوروں کے لئے ایسی چیزوں کو انجام کار لوگ پچھوڑ کر جدا جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پہنچا دیتے ہیں اور ان کے مناسب ان کو کام میں لاتے ہیں مثلاً کھیتی کو ایک روز کاٹ چھانٹ توڑ پھوڑ کے بھس اور غلہ کو جدا جدا کر کے بھس کو کوٹھوں میں اکٹھا کر دیتے ہیں اور غلہ کو گڑھوں کٹھیوں برتنوں میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر اس کو وقتاً فوقتاً جانوروں کو کھلاتے رہتے ہیں اور غلہ کو بقدر ضرورت آپ کھاتے رہتے ہیں پھر اپنے کھانے میں بھی یہ تفریق ہے کہ چھان پھٹک کر اچھے اچھے غلہ کو اپنے لئے رکھتے ہیں ناقص اس کو خدام اور مساکین کو کر دیتے ہیں اور جانوروں کو کھلاتے ہیں۔ مگر غور سے دیکھا تو اس عالم اجسام کو بھی مختلف الاغراض اجزاء سے بنایا ہوا پایا چنانچہ اس کے ہر ہر رکن حق اور ہر ہر طبقہ سے نمایاں ہے کہ یہ اور کام کا اور وہ اور کام کا اس میں اور کچھ خاصیت ہوتی ہے اس میں اور کچھ خاصیت ہے زمین میں اور ہی خوبیاں ہیں اور پانی میں اور ہی کچھ فائدے ہیں۔ مومن اور کام کے اور کافر اور کام کے علماء اور کام کے جہلا اور کام کے ذکی اور غبی میں فرق ہے سخی اور بخیل میں تفاوت مرد اور نامرد میں اختلاف نام اہل مرد و عورت میں افتراق غرض جس چیز کو دیکھئے اس کا رنگ و بو کچھ اور ہی ہے

حق شاہد ہیں دنیا میں جو کچھ وصول ہو سکے اس کے دلانے میں تو خدا کی طرف سے تعجیل ضرور ہو چکی۔ بایں ہمہ آخرت کا قصہ جدا رہا مگر چونکہ خدا بندوں کے حق میں فقط حاکم ہی نہیں والدین سے زیادہ شفیق اور مہربان ہے تو اگران کے وقت ضرورت کے لئے ان کے حقوق کو رہنے دے تو اس وقت نگیران کے حوالے کردے تو اس سے بہتر کیا ہے۔ وقت ضرورت اس کو کہتے ہیں سو وقت کمال ضرورت تو وہی وقت ہے جبکہ عالم اسباب سراسر خراب اور برباد ہو جائے کوئی حیلہ و وسیلہ اور سبب اور ذریعہ کمائی کا باقی نہ رہے اس وقت کو ہم قیامت کہتے ہیں اس وقت نہ کوئی حیلہ ہوگا نہ کوئی سامان فقط خدا کی رحمت یا تنا ہیں اپنے حقوق ہوں گے۔

اور بہشے نشو ونما اگر کار قوت نامیہ ہے تو تصویر یعنی منا سب حال نامیات صورت و شکل کا بنانا قوت مصورہ کا کام ہے مگر چونکہ نمو کا انجام ایک صورت ہوتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ قوت مصورہ منجملہ خدام قوت نامیہ ہے جیسے حیوانات میں قوت نامیہ منجملہ خدام حیات ہے ادھر عالم کو دیکھا تو خالی صورت سے نہیں اور جس صورت کو دیکھا وہ ایک وصف اور ایک معنی کو آغوش میں لئے ہوئے ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر وصف اور ہر معنی ایک صورت قابل ظہور عالم شہادت جسے عالم محسوسات کہئے رکھتا ہے چنانچہ خاک کو دیکھا وہ حقیقت میں صورت یبوست ہے اور پانی کو دیکھا تو وہ صورت رطوبت ہے۔ اور آتش کو دیکھا تو وہ صورت حرارت ہے اور آدمی کی شکل کو دیکھا تو وہ صورت معانی مجتمعہ ہے اس لئے اس میں بھی بہت سی صورتوں سے ترکیب ہے یعنی روح انسانی مثلاً قوت باصرہ قوت سامعہ وغیرہ قویٰ کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ سب اوصاف اور معانی ہیں ان کے مقابل میں جو شکل عطا ہوئی

عہ یعنی وہ اجسام جن میں بڑھنے کی صلاحیت ہے ۱۲ عہ خشکی ۱۲

تو بہت سے اعضاء مختلفہ کی [illegible] ہے جس کا حاصل وہ صورت مرکبہ
ہے مگر بچہ [illegible] تو [illegible] اوصاف متشکلہ کے بعد متحقق
ہوتے ہیں [illegible] ظہور میں [illegible] نہیں پہنچے اور [illegible] صورت ہنوز ان کو عطا نہیں
ہوا اس [illegible] قوت نامیہ [illegible] ضرور ہے کہ جیسے کبوتر و مرغ وغیرہ طیور کی مجامعت
اور شہوت سے جو مجموعہ معانی اور اوصاف ہیں بیضہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس بیضہ
سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور انجام کار کہاں سے کہاں نوبت پہنچتی ہے اور یہ سب
نشو و نما اور تصویر یعنی قوت نامیہ مصورہ کی کارپردازی ہوتی ہے ایسے ہی وہ
معانی غیبیہ متشکل ظہور میں آئیں اور صورت دکھلائیں کیونکہ یہ یقینی ہے کہ یہ عالم
بالضرور اصل قوت نامیہ کی کارپردازی کا ظہور ہے اس لئے قوت مصورہ بالضرور منجملہ
تمام قوت نامیہ ہے سو حیوانات اور نباتات میں اگر کچھ قوت نامیہ کا ظہور ہے تو وہ
ایسا ہے جیسا نور آفتاب زمینوں اور ذروں [illegible] اور روشندانوں میں ظہور کرتا ہے
غرض جیسے یہاں جو کچھ ہے وہ اصل کا پرتو ہے جس کو آفتاب کہئے۔ ایسے ہی عالم میں
جہاں کہیں قوت نامیہ ہے وہ اس اصل کا ظہور ہے جس کو قوت نامیہ عالم کہئے مگر
جب بعض معانی اور اوصاف کو دیکھا کہ ہنوز متشکل نہیں ہوئے چنانچہ تمام افعال
اختیاری اور ان کی بھلائی اور برائی وغیرہ کو ہنوز یہ خلعت عطا نہیں ہوا تو یوں معلوم
ہوا کہ ہنوز یہ عالم مثل بیضہ کبوتر ہے۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ بیضہ اگرچہ خود
شہوت طرفین اور مجامعت فریقین کی ایک صورت ہے اور وہ منجملہ معانی اوصاف
ہے مگر اس کے اندر جو مکنونہ معانی ہیں ان کو ہنوز صورت نہیں ملی۔ سو جب بیضہ
کا بچہ بن گیا تو یہ معلوم ہوا کہ اس میں کس قدر قوتیں مکنون تھیں جن کا ظہور اب ہوا ہے

عہ پوشیدہ ۱۲ *

ورنہ پہلے سے اتنا تو جانتے تھے کہ یہ دونوں نر و مادہ ان تمام قوتوں کا اجمال ہے اس لئے وقت تفصیل یہ ضروری ہے حاصل ترکیب و حاصل اجتماع جملہ قوائے طرفین کے موافق اس کو صورت عنایت ہو مگر جو قصہ یہاں ہے وہی تقسیم بہ نسبت عالم اجسام نظر آتا ہے یہ اجمالیہ عالم بالا کا اجمال ہے یہی وجہ ہے کہ ہنوز تمام معانی کو صورتیں نہیں ملیں۔

الحاصل علم خداوندی اور تمام سامان قدرت خداوندی کا اس عالم کو اجمال کہئے اور کیونکہ نہ کہئے تفصیل ہوتی تو تمام معانی متشکل ہوتے یہ ضرور ہے کہ جیسے بزور قوت نامیہ و قوت مصورہ مادہ [illegible] منقلب [illegible] صورت [illegible] پاش پاش ہوجاتی ہے۔ ایسا ہی بزور قوت نامیہ و قوت مصورہ یہ شکل عالم پاش پاش ہوکر مادۂ عالم کو اور شکل عطا ہو۔

اور سنئے حکام دنیا کا یہ دستور ہے کہ جس شہر یا قصبہ والے باغی ہو ہیں اور راہ پر نہیں آتے تو ان کو سزائے سخت پہنچاتے ہیں یعنی ان کو قتل کر دیتے ہیں یا دائم الحبس کرتے ہیں اور اس شہر کو جلا پھونک کر خاک سیاہ کر دیتے ہیں اور عمارات کو توڑ پھوڑ مسمار کر کے اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں اور وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ جرم بغاوت سے بڑھکر کوئی جرم نہیں اس کے مناسب یہی ہے کہ وہ سزا دی جائے جس سے بڑھکر کوئی سزا نہ ہو مگر غور سے دیکھا تو بنی آدم رعیت خداوندی اور یہ زمین و آسمان ان کے رہنے کا مکان۔ کیونکہ انھیں کے لئے بنایا گیا ہے۔ پھر ان کا یہ حال کہ بالاتفاق تمام عالم میں تمرد اور سرکشی روز افزوں ہے اگر راہ پر چند روز کے لئے آگئے تو وہ ایسا ہے جیسا چراغ مردہ سنبھالا لے لیتا ہے

اس لئے یوں یقین ہوتا ہے کہ ایک روز یہ بغاوت عالمگیر ہوجائے اور کیوں نہ ہو
بنائے بغاوت خواہش پر ہے اور وہ طبعی ہے اور بنائے اطاعت خواہش کی مخالفت
پر ہے اور وہ عارضی ہے یہی وجہ ہوئی کہ ہمیشہ اطاعت کے لئے کتابیں اور پیغمبر بھیجے
گئے ثواب و عذاب کے وعدے کئے گئے تمرد اور سرکشی کے لئے ان میں سے کچھ نہیں ہوا
اس لئے یہ ضرور ہے کہ ایک روز کفر عالم میں چھا جائے اور تمام عالم باغی ہو جائے
اس وقت بمقتضائے قہاری خداوندی یہ ضرور ہے کہ اس عالم کو توڑ پھوڑ کر برابر
کردیں اور تمام بنی آدم کو گرفتار کرکے انکو انکی شان کے مناسب جزا و سزا دیں (قاسم نانوتوی)

حقیقت مکافات اعمال یعنی انسان کو نیکی پر اجر و ثواب اور بدی کرنے پر عذاب ملنے کی وجہ

(۱) انسان کے لئے دو جاذب موجود ہیں یعنی کھینچنے والے ایک جاذب خیر ہے جو نیکی کی طرف اسکو کھینچتا ہے دوسرا جاذب شر ہے جو بدی کی طرف کھینچتا ہے جیسا کہ یہ امر مشہور اور محسوس ہے کہ بسا اوقات انسان کے دل میں بدی کے خیالات پڑتے ہیں اور اس وقت وہ ایسا بدی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ گویا کوئی اس کو بدی کی طرف کھینچ رہا ہے پھر بعض اوقات نیکی کے خیالات اس کے دل میں پڑتے ہیں اور اس وقت وہ ایسا نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ گویا نیکی کی طرف کوئی کھینچ رہا ہے اور بسا اوقات ایک شخص بدی کرکے پھر نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نہایت شرمندہ ہوتا ہے کہ میں نے برا کام کیوں کیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی کو گالیاں دیتا ہے اور مارتا ہے اور پھر نادم ہوتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ یہ کام میں نے بہت بیجا کیا اور اس سے کوئی نیک سلوک کرتا ہے یا معافی چاہتا ہے۔ یہ دونوں قسم کی قوتیں ہر ایک انسان میں پائی جاتی ہیں اور شریعت اسلام نے نیکی کی قوت کو ملک اور بدی کی قوت کو شیطان

سے موسوم کیا ہے اور جو نیکی کا انکار کرتا ہے اس کا نام فرشتہ رکھا ہے۔ اور جو بدی کا انکار کرتا ہے اس کا نام شیطان اور ابلیس قرار دیا ہے۔

یہ دونوں قوتیں انسان میں موجود ہیں اور ان دونوں کی حالتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے اور ان کے پیدا کرنے میں خدا تعالیٰ کی حکمت یہ ہے تاکہ انسان اپنے نیک اعمال سے اجر پانے کا مستحق ٹھیر سکے کیونکہ اگر انسان کی فطرت ایسی واقع ہوتی کہ وہ بہر حال نیک کام کرنے کے لئے مجبور ہوتا اور بد کام کرنے سے طبعاً متنفر ہوتا تو پھر اس حالت میں نیک کام کا ایک ذرہ بھی اس کو ثواب نہ ہوتا کیونکہ وہ اس کی فطرت کا خاصہ ہوتا لیکن اس حالت میں کہ اس کی فطرت دو کششوں کے درمیان ہے اور وہ نیکی کی کشش کی اطاعت کرتا ہے اس کو اس عمل کا ثواب ملجاتا ہے اور یہی حال بدی کے بدلہ کا ہے یعنی جس قوت کا مطیع ہوتا ہے اس کے مطابق بدلہ پاتا ہے۔ ان کان خیر فجزاءہ خیر وان کان شرا فجزاءہ شر۔

(۳) انسان کی عملی اور اعتقادی غلطیاں ہی درحقیقت عذاب کی جڑ ہیں اور وہی درحقیقت خدا تعالیٰ کے غضب سے آگ کی صورت پر متمثل ہو جائیں گی (مگر چونکہ حق تعالیٰ کو ہر ایک کا انجام معلوم ہے اس لئے اس نے پہلے سے سب سامان مہیا کر رکھا ہے) اور جس طرح پتھر پر سخت ضرب لگنے سے آگ نکلتی ہے اسی طرح غضب الٰہی کی ضرب انھیں بداعتقادیوں اور بدعملیوں سے آگ کے شعلے نکالے گی اور وہی آگ بداعتقادوں اور بدکاروں کو کھا جائے گی جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بجلی کی آگ کے ساتھ خود انسان کی اندرونی آگ شامل ہو جاتی ہے تب دونوں ملکر اس کو بھسم کر دیتی ہیں اسی طرح پر غضب الٰہی کی آگ بداعتقادی اور بدعملی کی آگ سے بھڑکتی ہے سو جو لوگ

ایسے طور کی زندگی بسر کرتے ہیں کہ نہ تو سچی خداشناسی کی وجہ سے ان کے اعتقاد درست ہیں اور نہ وہ بداعمالیوں سے باز رہتے ہیں بلکہ ایک جھوٹے خیال پر بھروسہ کرکے دلیری سے گناہ کرتے ہیں ان کو علم ہی نہیں کہ در اصل ہر انسان کے اندر دوزخ کا شعلہ اور اندر ہی نجات کا چشمہ ہے دوزخ کا چشمہ فرو ہو جانے سے خود نجات کا چشمہ جوش مارتا ہے۔ لیکن یہ علوم حاصل نہیں ہو سکتے جبتک انسان حقیقی طور پر اسلام میں داخل نہ ہو اور اس کے پاک علم سے فیض نہ اٹھاوے جوکہ ان آسمانی علوم کو لیکر آیا ہے۔

(۳) جزا و سزائے انسانی کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ صورت نوعیہ کا اقتضا ہے جیسا کہ چارپائے جب گھاس چرتے ہیں اور درندے جب گوشت کھاتے ہیں تو ان کا مزاج صحیح و سالم رہتا ہے اور جب چارپائے گھاس کے بجائے گوشت کا استعمال کرتے اور درندے بجائے گوشت کے گھاس کھاتے ہیں تو ان کا اصلی مزاج بگڑ جاتا ہے یہی حال آدمی کا ہے جب وہ ایسے اعمال کرتا ہے کہ جن کی روح میں بارگاہ حق تعالیٰ میں فروتنی اور نیازمندی کا اثر ہوتا ہے تو اس انسان میں پاکیزگی اور فیاضی و عدالت کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور اس کا ملکی و روحانی مزاج درست رہتا ہے اور جب ایسے کام کرتا ہے کہ جن کی روح ان امور کے برخلاف ہوتی ہے تو اس کی ملکی حالت بگڑ جاتی ہے اور جب وہ اس جہان سے انتقال کرتا ہے تو اسی حالت کے موافق اس سے معاملہ ہوتا ہے۔

حقیقت بہشت و دوزخ

اس میں کلام نہیں کہ ہر قسم کی چیزوں کا لذت دار ہوں یا بے لذت ہوں لذت اور تکلیف دونوں ہی سے خمیر ہے۔ تو اس صورت میں ان کے اجزا کا شیرازہ بھی جدا جدا

کر کے اپنی اپنی جگہ پہنچائیں گے مگر یہ تقسیم رنج وراحت بھی اسی تقسیم نیکی و بدی میں داخل ہے کیونکہ لذت بھلائی کے اقسام میں سے ہے اور رنج برائی کی۔ تو ان کی اصل کے بھی دو مقام ہوں گے جن کو بہشت و دوزخ کہہ کے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ دنیا کی ہر قسم کی لذتیں اگرچہ عورتوں سے صحبت کرنا ہی کیوں نہ ہو بہشت میں پائی جائیں۔ ہاں زیادہ ہو تو کچھ عجب نہیں اور علیٰ ہذا القیاس دوزخ میں دنیا کی ہر قسم کی تکلیفیں موجود ہوں البتہ اگر ان سے زیادہ بھی ہوں تو کچھ دور نہیں۔ دوسرے وہاں کی لذتیں اور تکلیفیں گو یہاں کی لذتوں اور کلفتوں کے ہمرنگ ہوں پھر یہاں کی لذتوں اور کلفتوں کو وہاں کی لذتوں اور کلفتوں سے کچھ نسبت نہ ہوگی کیونکہ یہاں کی لذتیں نہ خالص لذتیں ہیں نہ یہاں کی تکلیفیں خالص تکلیفیں ہیں اور اس تقریر سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ وہاں کی لذتیں اور تکلیفیں [illegible] لذتیں اور خالص تکلیفیں ہوں۔ بہرحال بہشت و دوزخ جن جن مقاموں کو کہتے ہیں ان کا ہونا بجا و درست ہے۔

جواب اس سوال کا کہ دوزخ و بہشت کا مقام کہاں ہے یہ سوال از روئے عقل قابل استماع نہیں موجود ہونے کے لئے یہ لازم نہیں کہ ہم کو معلوم ہی ہو اکرے خود اس زمین میں ہزارہا مقامات اور اشیاء ایسی ہیں کہ ہم کو معلوم نہیں پس اگر زمین و آسمان کے اندر ہو اور ہم کو معلوم نہ ہو تو کیا محال ہے اور اگر زمین و آسمان کے باہر ہو تو کیا ممتنع ہے عقلاً تو دونوں امر ممکن تھے مگر نصوص سے باہر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جواب اس سوال کا کہ آیا نعمائے جنت دنیاوی نعمتوں کی طرح ہوں گے اس سوال کے جواب میں خدا تعالیٰ

کا کلام پاک یوں وارد ہے فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین -
ترجمہ یعنی کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اس کے
لئے مخفی ہیں اور ان نعمتوں کے بارے میں حدیث نبوی میں یہ بھی لکھا ہے اعددت
لعبادہ الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر
یعنی نیک بندوں کے لئے میں نے وہ نعمتیں آخرت میں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے
دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی دل پر اس کا خیال گذرا۔
یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں اور دودھ اور انار اور انگور
وغیرہ کو ہم جانتے ہیں اور ہمیشہ یہ چیزیں کھاتے ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں
اور ہیں اور ان کو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہے پس جس نے بہشت کو دنیا
کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا اس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا چنانچہ آیت
اول کی شرح میں ہمارے سیدنا و مولانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہشت
اور اس کی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں
اور نہ دلوں میں گذریں حالانکہ ہم دنیا کی نعمتوں کو آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور
کانوں سے بھی سنتے ہیں اور دل میں بھی وہ نعمتیں گذرتی ہیں پس جبکہ خدا تعالیٰ اور
اس کا رسول ان چیزوں کو ایک نرالی چیزیں بتلاتا ہے تو ہم قرآن سے دور
جا پڑتے ہیں اگر یہ گمان کریں کہ بہشت میں بھی دنیا ہی کا دودھ ہوگا جو گایوں
اور بھینسوں سے دوہا جاتا ہے گویا دودھ دینے والے جانوروں کے وہاں
ریوڑ کے ریوڑ موجود ہوں گے اور درختوں پر شہد کی مکھیوں نے بہت سے چھتے
لگائے ہوں گے اور فرشتے تلاش کر کے وہ شہد نکالیں گے اور نہروں میں ڈالیں گے

کیا ایسے خیالات اس تعلیم سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں جس میں یہ آیتیں موجود ہیں کہ تو نے ان چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا۔

قیامت میں ہاتھ پاؤں کے بولنے سے رفع تعجب

اس نئے آلہ گراموفون کا ایجاد ہونا اس استبعاد کے دفع کے لئے کافی ہے۔

التماس یہانتک لکھنے کے بعد بعض متفرق تحریرات مختلف مضامین پر پہلے سے اپنے پاس رکھی یاد آئیں جن میں خاص خاص امور پر تحقیق کی گئی ہے تو ان تحریرات کو بھی بطور ضمائم اس مجموعہ کا جزو بنا دینا مناسب معلوم ہوا۔

ضمیمہ (۱)

منقول از پرچہ علی گڑھ منتھلی بابت ماہ اپریل ۱۹۰۵ء جلد سوم نمبر ۴ صفحہ ۱۲۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا مسلمانانِ عالم کیلئے سالِ شمسی موزوں ہو سکتا ہے؟

فی الحقیقت جسقدر سائنس متعلق معلومات کو ترقی ہوتی جائیگی اور جس قدر کہ حقائق عالم کا انکشاف زیادہ ہوگا اسی قدر اسلامی اصولوں کی صداقت کے متعلق تائید حاصل ہوتی جائے گی۔ بظاہر شمسی سال میں تعیین اوقات کی ایسی خوبی موجود ہے کہ اس کا دنیاوی امور کے لئے مفید ہونا بلا بحث تسلیم کیا جاسکتا ہے اور چونکہ کرۂ زمین کی مداری حرکت کو جو ۳۶۵ دن اور چند گھنٹوں اور منٹوں میں

وہ اپنے مرکز کے گرد ختم کر لیتی ہے پورے بارہ حصّوں یا بالفاظ دیگر مہینوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے اور پھر گھنٹوں کی کسرات کو چوتھے سال اور منٹوں کی کسرات کو ہر چوتھی صدی میں سال کبیسہ بنا کر پورا کر لیتے ہیں اس لیے جو موسم ہر ملک میں جس مہینے کے لیے مختص ہے اس تفاوت نہیں ہوتا اور ہمیشہ مہینوں کے نام ہی بتلا دیتے ہیں کہ آیا ان ایام میں دور دورہ گرمی یا جاڑہ کا ہے یا عمل و دخل بہار اور خزاں کا برخلاف اسکے سال قمری میں مہینوں کے ساتھ ساتھ نہ تعیین موسم ہے نہ باقاعدہ سالانہ اوقات کی تقسیم کیونکہ آج اگر ماہ صفر المظفر میں موسم گرما کا آغاز ہے تو اس سے نویں سال اس نام کے قمری مہینے میں [illegible] آتا جاڑا پڑتا ہوگا کیونکہ نو سال بعد بجائے اپریل کے صفر کا مہینہ جنوری سے مطابقت پائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ چاند زمین کے گرد ۲۹ روز ۱۲ گھنٹہ ۴۴ منٹ ۲،۸ سکنڈ میں اپنا دورہ پورا کر لیتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ چاند قرص آفتاب کے محاذ سے کر جب دوسری مرتبہ اسی نقطہ پر واپس آتا ہے تو اس کو ۲۹ روز ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ ۸،۲ سکنڈ صرف کرتا ہوتے ہیں اور یہی باعث ہے کہ رویت ہلال کبھی ۲۹ روز اور کبھی ۳۰ روز میں ہوتی ہے اور اسی کا نام قمری مہینہ ہے ان کے اعتبار سے قمری سال تقریباً ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے اور اس لیے سال شمسی سے بقدر دس یوم تخمینی کم ہے یہی کمی ہر چوتھے سال یعنی تین برس کے ختم ہونے پر ہندوستان میں ایک لوند کا مہینہ اضافہ کر دینے سے پوری کر لی جاتی ہے حالانکہ اسلامی سال قمری میں کبھی کمی بیشی نہیں کی جاتی اور اس لیے ہمیشہ ہر سال دس اور کبھی گیارہ یوم کی کمی سے مہینوں اور موسموں میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ ظاہری نقص اسلامی سال قمری کا درحقیقت عیب

ہے یا ثواب بظاہر اس میں کوئی شک نہیں کہ سال شمسی میں تغیر اور تبدل موسم وقت معینہ پر ہونے پر زراعت اور تجارت میں کافی امداد ملتی ہے اور وقت پر کاشت وغیرہ کا انتظام کر لیا جاتا ہے لیکن در اصل زراعت کے لئے مہینوں کا جاننا کوئی ضروری شرط نہیں ہے بلکہ اس کا انحصار موسم کے تغیر پر منحصر ہے۔ مثلاً ہندوستان میں جولائی کا مہینہ آجانا اس لئے کافی نہیں ہو سکتا کہ کاشتکار لوگ تخم ریزی شروع کر دیں بلکہ اس کے لئے بارش کا ہونا لازمی ہے چنانچہ ادھر بارش شروع ہوئی قلبہ رانی کا کام جاری ہو گیا اگر بارش نہ ہو تو جولائی اور اگست سب مئی اور جون کے برابر ہیں۔ اسی طرح ایام بارش ختم ہونے کے بعد جب رُت بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور سردی کا آغاز ہر عالم اور جاہل کو یکساں طور پر محسوس ہوتا ہے تو لوگ سرمائی انتظام میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کاشتکار لوگ فصل ربیع کے بونے میں ساعی ہوتے ہیں اور ان کو اس امر کے جاننے کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی کہ اس مہینے کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں اور ایران میں اس کا کیا نام ہے۔

الحاصل جو خوبی بظاہر سال شمسی میں نظر آتی ہے اس پر کاروبار دنیاوی کا انحصار نہیں ہے بلکہ تغیر موسم پر ہے پھر اس قدر ضرورت بھی صرف ہندوستان میں محسوس ہوتی ہے جہاں تین موسم مقرر ہیں حالانکہ تمام دیگر ممالک میں بارش کے اوقات عموماً غیر معین ہیں کہیں تو بارش ہوتی ہی نہیں اور کسی ملک میں ہوتی ہے تو کوئی دن خالی نہیں جاتا اس لئے ظاہر ہے کہ سال شمسی کا وجود جس قدر کہ انضباط اوقات کیلئے ضروری ہے اس قدر لوازم زندگی کے لئے لابد نہیں اور اگر چند پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے اسکے فوائد مان لئے جائیں تو سب سے مشکل یہ امر پیش آتا ہے کہ تمام عالم کے مہذب اور غیر مہذب

عالم اور جاہل ذکور اور اناث کے لئے کون ذریعہ ہے کہ جس سے وہ صحیح حساب تحویلات
شمسی کا کریں اور اگر ایک مہینے کی ایام شماری میں غلطی پڑ جائے تو کس قدرتی علامت سے
وہ اپنی تاریخوں کو صحیح رکھ سکیں غرض اس تقریر سے یہ ہے کہ جب تک مصنوعی ذرائع
مثل جنتری وغیرہ کے نہ حاصل ہوں یا ہر ملک و قوم میں پنڈت منجم اور جوتشی نہ ہوں جن
پر جنتری کا مدار ہو اس وقت تک عوام کے لئے کوئی فطرتی اور قدرتی ذریعہ نہیں ہے
کہ سال شمسی کا اجرا ہو سکے چنانچہ باوجود علم و فضل کے ہندوستان کے قدیم علماء نے
بھی اگرچہ سال شمسی بنایا کیونکہ ہندوستان میں بالخصوص فصول ثلاثہ کے [illegible] کی
ضرورت تھی لیکن ذریعہ حساب لگانے کا چاند ہی کو قرار دیا اور اس کے قدر کی کمی کو ہر تین
برس میں ایک مہینہ اضافہ کر کے رفع کر دیا لیکن اسلام نے جو تمام عالم کے لئے یونیورسل
ریلیجن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس لوند کے مہینے کو بڑھانے کی ممانعت فرما دی اور ہم دیکھتے
ہیں کہ اس امتناع کی فلاسفی آج جغرافی معلومات نے نہایت خوبصورتی سے بتلا دی ہے
اور سال قمری سے ہر مسلمان کو خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ ہندوستان کے سرسبز میدان
میں ہو یا عرب اور صحرائے اعظم افریقہ کے لق و دق ریگستان میں ہلال دیکھ کر اپنے مہینے کا
حساب لگانے کا طریقہ ایسا سہل بتلا دیا ہے کہ اس کو اس معاملہ میں نہ پنڈت جی سے پوچھنے
کی ضرورت ہوتی ہے نہ جنتری کو الٹ پلٹ کرنے کی بلکہ اکثر اس کو جنتریوں کے مصنوعی
حساب کے دعوے پر جو رویت ہلال سے متعلق ہوتے ہیں خندہ زنی کا موقع ملتا ہے
اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ لوازمات زندگی میں سے جن کے لئے تعیین اوقات کی ضرورت ہے
زراعت تجارت اور ملازمت کے علاوہ عبادت بھی ایک لازمۂ بشریت ہے جس کو ہر طبقہ
اور ملت کے آدمیوں نے انسان کی پہلی ضرورت بتلایا ہے اور عبادت کے لئے ہر مذہب میں

اوقات معین ہیں اور ان میں روزانہ بھی ہیں اور سالانہ بھی چنانچہ سالانہ اوقات مقررہ میں سے
دو اس درجہ کی عبادات ہیں جو ارکان اسلام میں داخل ہیں یعنی روزہ اور حج روزے کیلئے
ایک مہینہ مقرر ہے اور حج کے لئے بھی ایک دن خاص کر دیا گیا ہے غالباً اس لئے کہ یونیفارمٹی
رہے یا کوئی اور مصلحت مالک حقیقی کے علم میں ہو۔ بہرحال تعیین وقت کسی نہ کسی صورت میں بموافقت
ہر ایک دنیا کے مذہب اور طریق عبادات میں موجود ہے پس جائے غور ہے کہ اگر ماہ صیام
کے لئے بلحاظ سال شمسی ٹھنڈے اور چھوٹے دن مثلاً دسمبر یا جنوری منتخب کیئے جاتے یا
بہتر ہے بہتر وہ مہینے لئے جاتے جن میں تمام روئے زمین پر دن رات برابر ہوتے ہیں
یعنی مارچ اور ستمبر کے مہینے تو اسلام پر صاف یہ اعتراض وارد ہوتا کہ سہولت کے لئے
کیا اچھے دن چھانٹے ہیں اور اگر اس لحاظ سے ہمیشہ کے لئے اپریل سے لیکر اگست تک
کے کوئی تیس روز پسند کر لئے جاتے تو ان ایام کی ناقابل برداشت سختیوں سے کبھی نہ کبھی
دل مذہب کے دل میں یہ کھٹکا گذرتا کہ دینداری کیسی سخت اور مشکل کر دی گئی ہے کہ روزے
کے ایام ہمیشہ کے لئے ایسے وقت میں کر دیئے ہیں کہ آسمان جلتا ہے اور زمین تپتی ہے
غرض سال شمسی کے لحاظ سے حج اور ماہ صیام کا تقرر کبھی خالی از اعتراض نہیں ہو سکتا
لیکن یہانتک جو وجوہ سال قمری کی فوقیت کے ہیں وہ معلومات قدیم کی بنا پر ہیں
لیکن مجھے یہ دکھلانا ہے کہ جدید جغرافی معلومات نے اس مسئلہ پر کہانتک روشنی ڈالی ہے
چنانچہ اس علم کے ماہرین بخوبی واقف ہیں کہ خط استواء کے لحاظ سے زمین کی تقسیم
نصف کرۂ شمالی اور نصف کرۂ جنوبی میں ہوتی ہے اور چونکہ آفتاب چھ مہینے شمال
میں اور چھ مہینے جنوب میں خط استواء کے رہتا ہے اس لئے دونوں کروں میں
ایک ہی وقت میں موسم برعکس رہتا ہے یعنی اگر نصف کرۂ شمالی میں گرمی ہے تو

جنوبی میں جاڑا گویا جون کا مہینہ یورپ ایشیا شمالی امریکہ شمالی افریقہ میں سخت گرمی کا ہوتا ہے تو جنوبی افریقہ جنوبی امریکہ اور اسٹریلیا میں کڑاکے کے جاڑے کا ہوتا ہے اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اگر سال شمسی کے حساب سے کوئی مہینہ مقرر ہوتا تو آدھی دنیا ہمیشہ تکلیف میں رہتی اور دوسری نصف آرام میں۔ کیونکہ موسم کے ساتھ طوالت لیل و نہار میں بھی تفاوت ہے یعنی موسم گرما میں آباد حصہ دنیا میں ۱۲ گھنٹے سے لیکر ۲۰ گھنٹے تک کا دن ہوتا ہے اور برخلاف اس کے موسم سرما میں ۱۲ گھنٹے سے لیکر ۴ گھنٹے تک کا دن رہا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر جون کا مہینہ ماہ صیام ہوتا تو نصف کرۂ شمالی کے باشندوں کو علاوہ تپش و حرارت اور تشنگی کی شدت برداشت کرنے کے چودہ اٹھارہ اور بیس گھنٹے تک روزہ رکھنا پڑتا اور کرۂ جنوبی میں باوجود سردی کے چھ یا آٹھ گھنٹے تک عیش و لذت دنیاوی ترک کرنا کافی ہوتا اور یہی ایک مسئلہ ثابت کر دیتا کہ نعوذ باللہ جس نے یہ قاعدہ قرار دیا ہے وہ خود کرۂ زمین کی ساخت اور اس پر موسموں کی کیفیات اور تغیرات سے ناواقف ہے اور وہ مذہب جس میں ایسا قاعدہ ہو ایک لوکل یا مختص المقام مذہب ہے نہ کہ یونیورسل یعنی عالمگیر اس اشکال کو سال قمری ہی نے طے کیا ہے اس کے مہینے چھتیس برس تک ہر شمسی موسم کے حصہ میں سے گذرتے ہیں اور اگر ایک زمانہ عبادت گرمیوں میں آتا ہے تو چند سال بعد خزاں میں اور پھر جاڑوں میں اور پھر بہار میں چنانچہ ہر ۳۶ سال کی مدت میں نصف کرۂ شمالی اور نیز جنوبی میں ماہ صیام ہر موسم کے ہر حصے میں گذر کر ایک ایسی عدل کی صورت پیدا کرتا ہے جس سے صاف روشن ہے کہ دین اسلام جس ذات کے نزدیک دین حق ہے وہ ذات پاک ہے جس کو حکیم مطلق

اور خداوند برحق کہتے ہیں جو مالک اور صانع ہر شئے کا ہے اور جو تمام امور عالم سے بخوبی واقف ہے اور ایسا اصول صرف اس حکیم و علیم کی آسمانی مدد سے قائم ہو سکتا ہے جو اس زمین کا پیدا کرنے والا اور صانع ہے ورنہ جس زمانہ میں دین اسلام جاری ہوا اس وقت نہ جنوبی امریکہ معلوم تھی نہ ٹرنسوال اور اسٹریلیا کا وجود تھا نہ نصف کرۂ شمالی و جنوبی میں اختلاف موسم کی بحث در پیش تھی علیٰ ہذا القیاس ایام حج ایک موسم پر منحصر نہیں ہیں اور رفتہ رفتہ ہر موسم میں آتے رہنے سے حجاج کو ہر موسم میں سفر کرنے کا موقع مل سکتا ہے پس وجوہات متذکرۂ بالا سے ظاہر ہے کہ تمام عالم کے لئے پورے عدل کے ساتھ سال قمری ہی موزوں ہو سکتا ہے نہ کہ سال شمسی

ضمیمہ نمبر (۱۲)

منقول از مشیر مراد آباد ۱۰ ر نومبر ۱۹۱۳ء

لا تغلق باب التوبۃ حتی تطلع الشمس من مغربہا

حدیث صحیحہ میں سے ایک حدیث ہے جس کے بامحاورہ معنی یہ ہیں کہ جب تک آفتاب اپنی جائے غروب سے طلوع نہ کرے گا اس وقت تک توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا یعنی ہر گنہگار کی توبہ اس وقت تک قبول ہو جاوے گی جب تک آفتاب اپنی جائے غروب سے طلوع نہ کرے گا اور جب ایسا ہو جاوے گا تو پھر باب توبہ بند ہو جاوے گا اور کسی کی توبہ قبول نہ ہوگی یہ ایک ایسی حدیث ہے کہ نہ تو جس کی صحت میں شک ہو سکتا ہے اور نہ یہ اپنے میں پوشیدہ طور پر کوئی ایسے معنی رکھتی ہے کہ جو کچھ سہولت پیدا کریں اب وہ موقع ہے کہ جس کو بجز ایک کٹے اسلامی آدمی کے

تعلیم یافتہ نوجوان اور آزاد طبع شخص چاہے وہ فلسفہ سے کچھ نسبت رکھتا ہو
رکھتا ہو اور خواہ سائنس کے نام کے سوا اور کچھ بھی نہ جانتا ہو یقیناً یہ کہہ اٹھے گا
معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد) جی لاحول ولا یہ کیسی الٹی منطق ہے اور یہ کیسی
ی پیشین گوئی ہے اور کس طرح اسلامی فلاسفر اور علماء ریاضی دان اس پر اعتقاد
نہیں نہ تو عقل ہی اس کو تسلیم کرتی ہے اور نہ مشاہدہ ہی اس حساب کو درست
ت کرتا ہے اور ہمارے آریہ بھائی اگر کہیں اس حدیث کو سن پاویں گے تو جھٹ
قانون قدرت کا اڑ جنگھ اڑا کر اپنی دہریت الگ الاپنے لگیں گے اور مسائل
ت کے تھوڑے سے جاننے والے بھی کہنا شروع کر دیں گے کہ مغرب سے طلوع آفتاب
یا معنی بھلا کیا مغرب کسی خاص شہر کا نام ہے روزانہ کا مشاہدہ اور تجربہ تو ہم کو بتلا
ہے کہ ہر ملک کا مشرق اور مغرب جداگانہ ہے اور روزانہ ہر ایک ملک کا نقطہ مشرق
نقطہ مغرب بدلتا رہتا ہے تو پھر وہ کونسا مغرب ہے جس سے قیامت کے دن
آفتاب طلوع کرے گا اور اگر ہر روز کا نقطہ مشرق نقطہ مغرب ہی کو طلوع آفتاب
یہ قیامت ہونا مانا جائے تو چھ ماہ تک ہر درجہ کے باشندوں کے واسطے
گانہ قیامتیں ہوتے ہوتے (۱۸۰) روز میں (۱۸۰) قیامتیں ہو لیں گی بہر حال یہ اور
ی قسم کے صدہا اعتراضات آجکل کے آزادی پسند اصحاب مخبر صادق علیہ التحیۃ
اس سچی پیشین گوئی پر کرنے کو تیار ہو جاویں گے اور علوم جدیدہ کے شیدائی تو ممکن
ں نہیں ان مسائل پر جو قطعی اور یقینی طور پر نہ ثابت ہو جاویں بلکہ تحقیقات جدیدہ
ے عین الیقین کے درجہ پر نہ پہنچ جاویں اعتبار کریں ان کو وحی آسمانی پر ہی اعتبار
نہیں بلکہ ہم لوگوں کو (جو ایسے مسائل کو اپنا جزو ایمان سمجھتے ہیں) تو آزادی پسند

احباب اوہام پرست یا مذہبی ڈھکوسلوں کا پابند کہتے ہیں اور خواہ ان میں سے بعض حضرات اپنے ہمجنسوں کے خیال عزیز و اقارب و بزرگوں کے لحاظ سے صاف الفاظ میں کبھی مذہبی مسئلہ کی نفی نہ کریں اور اس کی تحقیر و تذلیل پر علی الاعلان آمادہ نہ ہو جاویں مگر بالیقین وہ اپنے دل میں تو ایسے مسائل کو ڈھکوسلا ہی خیال کرتے ہیں ایسی صورت میں سخت ضرورت اس امر کی ہے کہ زمانہ خود ہی اچھے متکلمین پیدا کرے جو اسلامی مسائل کے ساتھ ہی علوم جدیدہ تحقیقی کا ماہر ہوں اور وہ اسی طرح مسائل اسلامی کا تطابق موجودہ فلسفہ سے کریں جس طرح امام غزالیؒ و امام رازیؒ وغیرہ نے قدیم فلسفہ کو مذہب کے مطابق کر کے اس کو مذہب کے تابع کر دیا۔

او ہو! میں اپنے اصل مطلب سے کس قدر دور نکل گیا کیونکہ میرا مدعا طلوع آفتاب از مغرب ممکن بلکہ لازم ثابت کرنا تھا اور یہاں میں کچھ اور ہی بیان کرنے لگا۔

سنئے جناب! اگرچہ مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا بظاہر نہایت محض اور محکم بعید از قیاس ہے جو ظاہراً محض ہماری خوش عقیدتی پر محمول کیا جا سکتا ہے مگر حضرت خواہ اور مسائل میں تحقیقات جدیدہ ہماری مذہبی طور پر مخالفت کرے اور مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے واسطے تیار ہو جاوے مگر اس مسئلہ میں تو "جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے" کے مصداق تحقیقات جدیدہ ہی ہمارا ہاتھ بٹاتی ہے اور وہ ہی رہنمائی کر کے ہم کو اتنی جرأت دلاتی ہے کہ ہم طلوعِ آفتاب از مغرب ممکن ہی نہیں بلکہ ضروری اور لازمی ثابت کرنے کو تیار ہیں اور وہ اس طرح کہ اگرچہ یہ مسلم امر ہے کہ مشرق و مغرب محض فرضی اور نسبتی نام ہیں نہ کچھ اور کیونکہ جائے طلوع آفتاب کو مشرق اور جائے غروب آفتاب کو مغرب کہتے ہیں اور رسائل بھی نسبتاً مشرق

و مغرب ہوتا رہتا ہے جس کی ابتدا اول سرطان سے اور انتہا آخر قوس تک ہوتی ہے
یعنی ۲۵ ؍ جون سے ۲۵ ؍ دسمبر تک (۱۸۲) دن میں ہر روز نیا مشرق اور نیا مغرب
قدرت نے بنایا ہے بموجب عرض بلد کے پھر چونکہ آفتاب اپنی شعاعوں سے ۹۰ درجہ
مشرق اور ۹۰ درجہ مغرب کو کسرے زائد روشن کرتا ہے اس سبب سے روزانہ نقطہ
مشرق لیجیئے مغرب ان لوگوں کا جو ہم سے بارہ [illegible]
مشرق و مغرب [illegible] قدرت نمائی ہے
لیکن جب مغرب سے ہم [illegible] کرنا ہے حقیقی [illegible] مغرب نہیں ہے اور [illegible] بعض
احباب اس اشکال کو [illegible] ثابت نہ ہوا لہذا اس کو ہم اپنی
حالت پر چھوڑتے ہیں اور اس صحیح غرب کو آپ بتلاتے ہیں جس کی بابت مخبر صادق
علیہ التحیات والسلام نے پیشین گوئی فرمائی ہے مجھے ان احباب سے کوئی بحث نہیں
جو خلقت عالم ہی کے قائل نہیں ہیں اور جن کا یہ خیال ہے کہ یہ عالم اچانک در اتفاقیہ
پیدا ہو گیا ہے کیونکہ ان کے اس خیال باطل کی تردید بالکل علیحدہ چیز ہے اور ایسے
منکرین (دہریوں) کی قلعی تحقیقات جدیدہ خود ہی کھولتی جاتی ہے لیکن وہ شخص
جو آفتاب کو قدیم بالذات نہیں مانتا بلکہ مخلوق اور حادث جانتا ہے اس کو یہ بھی ضرور
ماننا پڑے گا کہ سب سے اول روز یعنی عین وقت پیدائش آفتاب نے کسی ایک
نقطہ سے طلوع کیا ہوگا پس سب سے پہلے آفتاب نے جس نقطہ سے طلوع کر کے
اپنی شعاعوں سے سطح زمین کو روشن کیا وہی نقطہ مشرق حقیقی آفتاب کا ہے
اور عدل فی القسمۃ کی رُو سے چونکہ دن اور رات کو مساوی زمانہ ملنا چاہیئے یعنی رات
دن میں سے ہر ایک پورے بارہ گھنٹے کا ہونا چاہیئے جیسا کہ سال میں دوبار ۲۱ مارچ

و ۲۳ ستمبر کو ہوتا ہے اور ان دونوں تاریخوں کو اکثر بلاد معمورہ میں دن رات مساوی
طور پر پورے ۱۲-۱۲ گھنٹے کے ہوتے ہیں لہذا اس پہلے روز پورے ۱۲ گھنٹے کے بعد
جس نقطہ پر آفتاب آیا ہوگا وہی حقیقی مغرب اس کا ہے جس کا علم خداوند عالم کو
ہے کہ آفتاب کا اصلی مغرب یہی ہے اب قابل ملاحظہ یہ امر ہے کہ حدیث مقدس میں
بھی من مغربہا ارشاد ہوا یعنی اپنی جائے مغروب سے نکلے یوں نہ فرمایا گیا ہو کہ من
مغربکم یعنی تمہارے مغرب سے اس اپنے مغربہا اور تمہارے مغرب نے صاف
کر دیا کہ .... حقیقتاً ہمارا مغرب
تو محض فرضی اور نسبتی ہے اس وجہ سے کہ اس عالم علم لدنی علیہ التحیات والثنا کے
علم میں یہ امر اس وقت موجود تھا کہ ہر طبقہ کے رہنے والے مسلمانوں کا مغرب جداگانہ
ہے لہذا مغرب کی اضافت اسی آفتاب کی طرف فرمائی گئی جس سے مراد اصلی یہ ہے کہ
جس روز آفتاب کو موجود کر کے خلاق عالم نے پہلا مطلع اور مشرق بنایا تھا اسی اعتبار
سے پہلا مغرب جس نقطہ پر ہے بروز قیامت آفتاب اسی نقطہ سے طلوع کرے گا
اور دنیا الٹ پلٹ ہو کر مشرق کا مغرب اور مغرب کا مشرق ہو جانا بھی ہو سکتا ہے
یوم تبدل الارض غیر الارض (اسی روز کے بعد یہ زمین دوسری زمین سے بدلی
جائے گی) یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ حقیقی مشرق و مغرب آفتاب کا کوئی ایک خدا کے علم
میں ہے لیکن یہ بات ابھی باقی ہے کہ طلوع آفتاب مغرب سے کیونکر ہوگا اور یہی ذرا
ٹیڑھی کھیر ہے جس کا یقین سخت مشکل ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ تحقیقات جدیدہ
نے اس معمہ کو بھی حل کر دیا اور آج سے ساڑھے چار سو برس قبل سے اس کا پتہ چلنا
ہم کو شروع ہو گیا ہے کیونکہ تحقیقات جدیدہ نے ساڑھے چار سو سال ہوئے کہ ہم

کو ایک ایسا پتھر دستیاب کرا دیا جس سے ہم نے قطب نما بنایا اور اسی پتھر کے ذریعہ سے خط شمالی قائم ہو گیا بعدہٗ اسی خط پر دوسرے خط مارنے سے چاروں سمتیں صحیح طور پر قائم ہوئیں اسی کا صدقہ تھا جس کے ذریعہ سے کلمبس نے علم جہاز رانی میں یہ ترقی دکھلائی۔ اب آپ اگر لندن و پیرس کی رصدگاہوں میں چل کر موجودہ زمانہ کے ہیئت دانوں سے دریافت فرمائیے تو وہ آپ کو حال کی تحقیق اور اس وقت کے مشاہدہ و تجربہ سے بتلائیں گے کہ قطب نما کی سوئی شمال سے مشرق کو ہٹتی جاتی ہے تحقیقات جدیدہ کی برکت سے یہ بات [illegible] کو معلوم ہوئی ہے کہ قطب نما کی سوئی شمال کی جانب سے مشرق [illegible] یعنی نقطہ شمال جو آج سے ساڑھے چار سو سال قبل تھا وہی شمالی نقطہ کچھ صدیوں بعد نقطہ مغرب بن جاوے گا جب ایسا ہوگا تو لازمی امر ہے کہ نقطہ مغرب نقطہ [illegible] نقطہ [illegible] نقطہ مشرق بن جاوے پس یہی مطلب اس حدیث مقدس کا [illegible] اور منطقۃ البروج کو معدل النہار پر منطبق کر کے پچھم کو پورب بنا دیگا آج سے [illegible] چار سو سال سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نقطہ شمال مغرب کو ہٹتا جاتا ہے [illegible] اس سے پہلے کا علم صرف اس علام الغیوب کو ہی ہے کہ مشرق حقیقی آفتاب کا کونسا نقطہ ہے اور اس کو اب کتنا زمانہ حقیقی مغرب والے نقطہ پر پہنچنے میں باقی ہے۔ اگر لندن و پیرس کی رصدگاہیں اور وہاں کے ہیئت داں ہم کو یہ نہ بتلاتے کہ قطب نما کی سوئی شمال سے مغرب کی جانب آہستہ آہستہ رواں ہے تو کبھی یہ معمہ حل نہ ہوتا اور ہمارے زمانہ کے مذہب سے لاپرواہ نوجوان کسی طرح اعتبار نہ لاتے کہ یہ حدیث مقدس صحیح ہے ادھر آریہ حضرات قہقہہ اڑاتے کہ وہ اچھی تعلیم اسلام کی ہے مگر خدا کا شکر ہے کہ اسے جدید تحقیقات نے جو

مخالفین مذہب کا بڑا زبردست آلہ ہے اس مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر دیا۔

(نوٹ از احقر) لیکن بعض روایات میں جو اس طلوع کی کیفیت آئی ہے اور اگر پھر بدستور مشرق سے نکلنے لگے گا یہ توجیہ اس پر منطبق نہ

ہوگی یہ روایات میری تفسیر میں نقل کی گئی ہیں مگر تاہم اگر کوئی شخص بدون اس توجیہ کے اس کو نہ سمجھ سکے اور وہ اتنے ہی جزو کو مان لے کہ طلوع شمس مغرب سے ہوگا کہ یہ جزو احادیث کثیرہ میں وارد ہے اور اس کی کیفیت کی روایات کو جو کہ اس درجہ کی نہیں ہے حجت نہ سمجھے تو جزو اول کے انکار سے تو غنیمت ہے ورنہ اصل جواب یہ ہے کہ جس نے ریاضی کے یہ مستمر قاعدے بنائے ہیں وہ ان کو جب چاہے ایک دن کے لئے یا ہمیشہ کے لئے بدل بھی سکتا ہے اور لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا سے اگر کسی کو شبہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ اس تبدیل کا فاعل غیر اللہ ہے کہ وہ اللہ کی سنت کو نہیں بدل سکتا فقط۔

ضمیمہ نمبر (۳)

منقول از مکتوب خبرت بابت ۱۳۳۳ ہجری مرقومہ احقر

(یہ ایک رسالہ ہے جس میں اعمال کی بیشی دوزن پر اس شبہ کا کہ وہ عرض ہیں اور وزن کے لئے جوہریت شرط ہے عقلی جواب ہے)۔

(ارضی الاقوال فی عرض الاعمال من مقال العارف الجلال

یعنی خلاصہ مضمون اشعار ذیل واقعہ دفتر دوم سرخی قسم غلام در صدق وفائے یار خود الخ جن کا زیادہ حصہ مشتمل ہے بحث نقل اعمال دنیویہ اور صور ہا الخاصۃ الاخرویہ پر۔

شاه گفت اکنون از آن خود بگو — چند گوئی آن این و آن او

تو چه داری و چه داری کرده — از تنگ دریا چه در آورده

روز مرگ این حسن تو باطل شود — نور جان داری که یار دل شود

در لحد کین چشم را خاک آگند — هست آنچه گور را روشن کند

نور دل از جان بود اے یار غار — مستعار آں را بدان کے هست یار

آں زمان کیں دست پائت برود — پر و بالت هست تا جان بر پرد

آں زمان کیں جان حیوانی نماند — جان باقی بایدت بر جا نشاند

شرط من جا بالحسن نے کردن است — بل حسن را سوئے حضرت بردن است

جوهرے داری ز انسان یا خری — ایں عرضها که فنا شد چوں بری

ایں عرضهای نماز و روزه را — چونکه لایبقی زمانین انتفا

نقل نتواں کرد مر اعراض را — لیک از جوهر برند امراض را

تا مبدل گشت جوهر زیں عرض — چوں ز پرهیزی که زائل شد مرض

گشت پرهیز عرض جوهر بجهد — شد دهان تلخ از پرهیز شهد

از زراعت خاکها شد سنبله — داروی مو کرد مو را سلسله

آں نکاح زن عرض بد شد فنا — جوهر فرزند حاصل شد زما

جفت کردن اسپ و اشتر را عرض — جوهر کره بزائیدن غرض

هست آں بستان نشاندن هم عرض — گشت جوهر میوه اش اینک غرض

هم عرض دان کیمیا بردن بکار — جوهری زاں کیمیاگر شد بیار

صیقلی کردن عرض باشد شها — زیں عرض جوهر همی زاید صفا

پس مگو کہ من عملہا کردہ ام
دخل آں اعراض را بنما مرم

ایں صفت کردن عرضہا باشدش
سایۂ بز را پئے قربان مکش

گفت شاہا بے قنوط عقل نیست
گر تو فرمائی عرض را نقل نیست

پادشاہا جز کہ یاس بندہ نیست
ہر عرض کاں رفت باز آئندہ نیست

گر نبودے مر عرض را نقل و حشر
فعل بودی باطل و اقوال فشر

ایں عرضہا نقل شد لون دگر
حشر ہر فانی بود کون دگر

نقل ہر چیزے بود ہم لائقش
لائق گلہ بود ہم سائقش

وقت محشر ہر عرض را صورتیست
صورت ہر یک عرض را نوبتیست

بنگر اندر خود کہ تو بودی عرض
جنبش جفتی و جفتی با غرض

بنگر اندر خانہ و کاشانہا
در مہندس بود چوں افسانہا

کاں فلاں خانہ کہ ما دیدیم خوش
بود موزوں صفہ و سقف و درش

از مہندس آں عرض و اندیشہا
آلت آورد و ستون از بیشہا

چیست اصل و مایۂ ہر پیشۂ
جز خیال و جز عرض و اندیشۂ

جملہ اجزائے جہاں را بے غرض
در نگر حاصل نہ شد جز از عرض

اوّل فکر آخر آمد در عمل
بنیت عالم خیال داں در ازل

میوہا در فکر دل اوّل بود
در عمل ظاہر بآخر می شود

چوں عمل کردی شجر بنشاندی
اندر آخر حرف اوّل خواندی

گرچہ شاخ و برگ و بیخش اوّل است
آں ہمہ از بہر میوہ مرسل است

پس سرے کہ مغز آں افلاک بود
اندر آخر خواجۂ لولاک بود

نقل اعراض ست این بحث و مقال | نقل اعراض است این شیر و شغال
جملہ عالم خود عرض بودند تا | اندرین معنی بیامد ہل اتی
این عرضہا از چہ زاید از صور | وین صور ہم از چہ زاید از فکر
این جہان یک فکرتست از عقل کل | عقل چون شاہ است و فکرتہا رسل
عالم اول جہان امتحان | عالم ثانی جزائے این و آن
چاکرت شاہا خیانت می کند | آن عرض از تجبیر و زندان می شود
بندہ ات چون خدمت شایستہ کرد | آن عرض نے خلعتی شد در نبرد
این عرض با جوہر آن بیضہ است و طیر | این ازان و آن ازین زاید بسیر

یعنی بادشاہ نے بغرض امتحان اس غلام کے اس سے سوال کیا اور امتحان کا قرینہ یہ ہے کہ آخر قصہ سے کہ بادشاہ نے دونوں غلاموں کے افعال سے استدلال کیا ان کے اخلاق پر اور حسن السیرۃ کو اس کے اخلاق حسنہ کے سبب باوجود اس کی قبح صورت کے مقبول اور حسن الصورۃ کو اس کے اخلاق ذمیمہ کے سبب باوجود اس کی حسن صورت کے مخذول کیا اور یہ استدلال اور اس کے مقتضا کا امتثال کام عارف ہی کا ہے پس عارف کا سوال ظاہر ہے کہ امتحان ہی کے سبب ہوگا و صرح بکونہ امتحانا بعض المحشین علی قولہ گفت شاہنشہ الخ الواقع بعد الاشعار المذکورۃ متصلا و یدل علیہ قولہ ؎ بنفسہ حق بمن بنمود و قولہ تو نہ شاہی دہ کہ من واقم بتمام الواقع بعدہا غیر متصل۔ اور وہ سوال یہ ہے کہ تو اپنا تو کچھ حال بیان کر کہ تونے اپنی روح کے حسن کرنے کی کیا کوشش کی ہے اور اس کی ضرورت بطور خطاب کے ایک آئینہ سے

عـه عبارۃ الحاشیہ چون شاہ اختیار او کرد معلوم کرد کہ او عالم السر ست الخ ۱۲

بطور تفسیر خاص بیان کی کہ حق تعالیٰ نے من جاء بالحسنۃ فرمایا ہے من عمل الحسنۃ نہیں فرمایا جس سے اقرب یہ ہے کہ یہ حسنہ عمل نہیں بلکہ مصدر عمل یعنی روح انسانی ہے جس کو اعمال سے حسن بنا کر درگاہ حق میں لانا چاہیے کیونکہ آوردن کا تعلق جوہر ہو سکتا ہے نہ کہ عرض کیونکہ العرض لا یبقی فی آنین پھر آوردن اس کے متعلق کیسے ہوگا نیز الاعراض لا تنتقل من محل الی محل اور آوردن ایک نقل ہے البتہ اعراض یعنی اعمال کا محل یعنی جوہر اس روح کے ہو سکتے ہیں وا ورد لہ امثلۃ من قولہ چوں [illegible] الی قولہ صیقلی کردن الخ غلام نے جواب دیا کہ تم جو عدم نقل اعراض سے استدلال کرتے ہو یہ استدلال ناتمام ہے خود یہ مقدمہ ہی ثابت نہیں پس نقل ممکن ہے گو بعد استحالہ بھی ممکن ہے مگر ان دونوں ممکنوں میں نقل اولیٰ بالقبول ہے کیونکہ عدم نقل کا قائل ہونا مصلحت عامہ کے کہ وہ سمجھیں گے کہ ہمارے اعمال آخرت میں نہ رہا ہیں گے کم فہمی سے مایوس ہو جاویں گے اور عمل میں سستی کریں گے جس طرح بعض احادیث مبشرہ کو اسی سستی کی مصلحت سے چندے ظاہر نہیں کیا گیا آگے یہ تحقیق ہے اعراض کے امکان نقل کا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کے امتناع کی کوئی دلیل نہیں اصل جواب تو اسی قدر ہے باقی اس کی توضیح ہے۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ نقل اعمال میں عقلی اشکال صرف یہ ہے کہ یہ نقل اعراض یعنی اعمال من الدنیا الی الآخرۃ گو تبعاً للموضوع تو ظاہر الجواز ہے لیکن جس طرح نصوص سے ثابت ہے کہ مثلاً ان کا وزن کیا جاوے گا اور ظاہر ان نصوص سے یہ ہے کہ عامل کا وزن نہ ہوگا پس یہ نقل تبعاً للموضوع نہیں ہے پھر اس پر دو احتمال ہیں یا تو وہ اعراض اعراض رہیں گے یا مستحیل الی الجواہر ہو جاویں۔

نوں شق باطل ہیں اول اس لئے کہ نقل اعراض بلا موضوع محال ہے دوسرا اسلئے
رض کا جوہر بنجانا محال ہے پس یہ ہے اس میں اشکال عقلی سو اس کا جواب
ختیار شق ثانی ہوسکتا ہے اور ہم اس کا استحالہ نہیں مانتے۔ سند منع یہ ہے کہ ہم خود
نیا ہی میں دیکھتے ہیں کہ اختلاف موطن سے ایک ہی چیز عرض و جوہر ہوسکتی ہے مثلاً
صورت عقلیہ جواہر کی کہ ذہن میں عرض ہے کیونکہ موجود فی موضوع ہے اور خارج میں
جوہر کیونکہ موجود لا فی موضوع ہے اور دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے اگرچہ بعض ہی
کے نزدیک سہی جو کہ قائل ہیں حصول اشیاء فی الذہن بانفسہا کے۔ اور گو بعض نے عرض
جوہر کی تفسیر میں اذا وجدت فی الخارج کی قید لگا کر اس صورت ذہنیہ پر عرض پر
صادق آنے سے انکار کیا ہے مگر اس سے ہمارے اصل مقصود میں خلل نہیں آتا کیونکہ
قائل حصول اشیاء بانفسہا پہ حقیقۃ واحدہ ہی کا وجود فی موضوع فی موطن اور وجود
لا فی موضوع فی موطن تو ثابت ہوا اور یہی اصل مقصود ہے۔ خواہ اس کا نام کچھ ہی رکھ لیا
جاوے پس جو نسبت ذہن کو خارج کے ساتھ ہے اگر وہی نسبت خارج دنیا کو خارج
آخرت کے ساتھ ہوا اور اس وجہ سے یہاں جو اشیاء موجود فی موضوع ہیں وہ
وہاں موجود لا فی موضوع ہو جاویں تو اس میں کیا استحالہ ہے چنانچہ اہل کشف نے
اس عالم شہادت پر بمقابلہ عالم غیب کے لفظ خیال وغیرہ کا اطلاق کیا بھی ہے
ایسی اشیاء کا اس عالم غیب میں وجود لا فی موضوع ظاہر نصوص سے معلوم ہوتا ہے
کقولہ علیہ السلام لما خلق اللہ الرحم قامت فقالت هذا مقام العائذ بك
من القطیعۃ اور بہت نصوص سے اس عالم کے بعد بھی یہی معلوم ہوتا ہے کقولہ
علیہ السلام ان البقرۃ وآل عمران تاتیان یوم القیامۃ کانهما غمامتان او

غیایتان او فرقان من طیر وکقولہ علیہ السلام یوتی بالدنیا یوم القیمۃ فی صورۃ عجوز شمطاء چنانچہ اسی تمثل خاص کے اعتبار سے اس عالم کا لقب اصطلاح میں عالم مثال رکھا گیا ہے کما ذکرہ الشاہ ولی اللہ فی الحجۃ البالغۃ وسرد فیہ احادیث کثیرۃ اور مولانا جلال الدین المحقق الدوانی نے اپنے رسالہ زوراء اور اس کے حواشی میں اسکی تصریح بھی کر دی ہے عبارتہا۔

(تنبیہ) کانک فیما قرع سمعک من ہذا المقال مات اطلعت علی حقیقۃ الانطباق بین العوالم بل علی حقیقۃ العوالم بل انکشف علیک اسرار غامض فی حقیقۃ المبدء والمعاد وتیسر علیک مشاہدۃ الواحدۃ الحقیقی فی الکثرات من غیر شوب ممازجۃ ولا انفصال وتسلقت بہ الی حقائق ما انباء عنہ لسان النبوات من ظہور الاخلاق والاعمال فی النواطن المعادیۃ بصور الاجساد وکیفیۃ وزن الاعمال وسر حشر الافراد بصور الاخلاق الغالبۃ علیہم واطلعت علی سر قولہ تعالی وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ وقولہ تعالی إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۔ وقول الخاتم الفاتح علیہ وعلی الہ افضل الصلوۃ والتحیۃ الذین یشربون فی انیۃ الذہب والفضۃ انما یجرجر فی بطونہم نار جہنم وقولہ علیہ الصلوۃ والسلام ان الجنۃ قیعان وان غراسہا سبحان اللہ و بحمدہ الی غیر ذلک من غوامض الحکم والاسرار الالٰہیۃ وعلمت ان جمیع ذلک علی الحقیقۃ لا علی المجاز والتاویل کما انتہی الیہ نظر بعض الواغلین فی الفحص عن الحقائق بطریق البحث فانہ قصور ظاہر کما لا

(شک وتحقیق) - لعلک تقول کیف یکون العرض بعینہ ھو الجوھر وکیف یکون العین والمعنی واحداً والحال ان الحقائق متخالفۃ بذواتہا فنقول قد لوحنا الیک ان الحقیقۃ غیر الصورۃ فانہا فی حد ذاتہا وصرفۃ صبغتہا عاریۃ عن جمیع الصور التی تجلی بہا لکنہا تظہر فی صورۃ تارۃ وفی غیرہا اخری والصورتان متغایرتان قطعا لکن الحقیقۃ المتجلیۃ فی الصورتین بحسب اختلاف الموطنین شئ واحد

(تشبیہ) ما اشبہ ذلک بما یقولہ اھل الحکمۃ النظریۃ ان الجواھر باعتبار وجودھا فی الذھن اعراض قائمۃ بہ محتاجۃ الیہ ثم ھی فی الخارج قائمۃ بانفسہا مستغنیۃ عن غیرھا فاذا اعتقدت ان حقیقۃ تظہر فی موطن بصورۃ عرضیۃ محتاجۃ وفی اخری بصورۃ جوھریۃ مستقلۃ فاجعل ذلک تانیساً لک تکسر بہ صولۃ بنو طبعک عنہ فی بدو النظر حتی یاتیک الیقین وتتصعد الافق المبین - انتہی بقدر الضرورۃ

پس اس تقریر سے جواب ہوگیا استدلال علی امتناع نقل الاعمال بامتناع نقل الاعراض کا اور اسی سے مستدل کی دوسری دلیل عقلی یعنی عدم بقاء اعراض اور دلیل نقلی یعنی من جاء بالحسنۃ الآیۃ کا جواب بھی مستفاد ہوگیا گو بلسان غلام اس سے بوجہ ظہور کے تعرض نہیں کیا گیا عدم بقاء اعراض کا تو جواب یہ ہوا کہ اگر یہ عدم بقا مان لیا جائے گو اس پر کوئی دلیل صحیح قوی قائم نہیں ہوئی مگر ماننے کی تقدیر پر وہ عدم بقاء بصورت عرض ہونے کے ہے اور اگر بعد صدور دوسرے عالم میں بصورت جوہر یہ منتقل ہو جاوے تو پھر بقاء میں کیا امتناع ہے اور

استدلال بالآیۃ کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تفسیر بیان بھی لی جاوے تو جب یہ عمل بھی جوہر بن گیا تو وہ بھی یہ اس پر بھی مثل روح حسن کے صادق آتا ہے۔

یہ نقش پران اشغال تاکی باشد وقت محشر ہر عرض را صورتے ست الخ

آگے تمہید دعویٰ امکان مذکور کے لیے چند امثلہ اشیاء جوہریہ متصورۃ فی الذہن کی ہیں جو ذہن میں فی موضوع اور خارج میں لا فی موضوع ہیں اس شعر تک ع گرچہ شاخ و برگ بجنبش الخ اور بعضے مضمون مذکور پر ایک نظیر کی تصریح بطور جملہ معترضہ کے ہے گو وہ اس کی مثال نہیں پس مصرع کہ مغز الخ آگے شعر نقل اعراض الخ میں یہ بیان کیا ہے کہ عرض موجود فی مرتبۃ العلم جس طرح کبھی خارج میں جوہر ہو جاتا ہے کما ذکر اسی طرح کبھی عرض بھی رہتا ہے چنانچہ یہ بحث و مقال کہ پہلے سے ذہن میں تھا اور عرض تھا بعد نقل کے خارج میں بھی عرض ہی رہا اور دوسرے مصرعہ میں پھر ایک نظیر عرض فی مرتبۃ العلم کی جوہریت فی الخارج کی بیان کی۔ نقل اعراض است ایں شیر و شغال۔ اور نظیر اس لیے کہا گیا کہ مراد اس مصرعہ میں وجود فی مرتبۃ العلم الالٰہی ہے اور وہ عرض ہونے سے منزہ ہے لتنزہ عن الامکان۔ اسی طرح اس کے بعد کے شعر جملہ عالم خود عرض بودند الخ میں اسی مرتبۃ علم الٰہی میں تمام عالم کے کالعرض ہونے کو بتلایا پس یہ بھی نظیر ہے آگے شعر ایں عرضہا از چہ زائید میں اختلاف موطن سے جوہر کا عرض ہونا اور عرض کا جوہر ہونا بتلاتے ہیں اس طرح سے کہ اعراض موجودہ فی الدنیا عالم مثال میں صور جوہریہ تھے وہو معنی قولہ ایں عرضہا از چہ زائید از صور کما ذکرتہ قبل عن الشیخ ولی اللہ رح اور صور جوہریہ موجود فی الدنیا علم الٰہی میں کالعرض

تھے یعنی قولہ دیں صور ہم از چہ زائید از فکر او شعر این جہاں پاک فکر نیست اسی مصرعہ ثانیہ کی شرح ہے اور یہ احکام مذکورہ فی الاشعار القریبہ بوجود قبل عالم الدنیا کے متعلق تھے۔ آگے وجود بعد الدنیا کے یہی احکام کہ اس میں سے اعظم عرض کا جوہر ہوتا ہے مذکور ہیں۔ اس شعر میں اول الی قولہ بندہ ات اور اس کے اعظم ہونے کے سبب یہاں ذکر ہیں اور ان کی تفسیر بھی آگے تمام مقام کا خلاصہ یہ کہ کبھی جوہر سے عرض اور کبھی عرض سے جوہر ظاہر ہوتا ہے اس شعر میں فرض تھا ہیں یا الی عرض یا جوہر الخ۔

تہذیب المقام و تقریب المرام الی عامۃ الافہام

اگر انصاف سے غور کیا جاوے تو عرض کا جوہر ہو جانا جس کا کہ تقریر مذکور میں دعویٰ کیا گیا ہے اس سے زیادہ بعید نہیں ہے کہ جوہر عرض ہو جاوے اور حصول الجواہر فی الاذہان میں شب و روز اس کے وقوع کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو پھر آخرت میں اس کا وقوع کیا مستبعد ہے سو یہاں حصول فی الذہن کے وقت جواہر سے لباس مادے کا منخلع ہو کر وہ موجود فی موضوع ہو جاتا ہے۔ وہاں وزن وغیرہ کے وقت عرض پر مادہ ملبوس ہو کر وہ موجود لا فی موضوع ہو جاوے تو اس میں کیا عجب اور بعد ہے اور راز اس میں یہ کہا جاوے گا کہ جوہریت اور عرضیت ذاتیات سے نہیں ہیں منجملہ کیفیات ظہور حقیقت کے ہیں اور حکماء کا مقولات عشرہ کو اجناس عالیہ ماننا نہ کسی دلیل سے ثابت ہے اور نہ مذاہب اس کی مسلم ہے خاصکر جبکہ ان کے اکابر خود اس کی تصریح کرتے ہیں کہ عرض عام اور جنس میں اسی طرح خاصہ اور فصل میں فرق کرنا بہت دشوار ہے۔ کما

لاح لک شئی من ذلک مما نقلتہ من الزوراء۔ ونیز بعض محشیین مثنوی نے اس کی اس طرح تصریح کی ہے تحقیق مقام آن ست کہ جوہریت وعرضیت از ذاتیات حقائق نیست اور مولانا بحر العلوم نے بھی اپنے حواشی میں اس کی تائید کی ہے اور یہ سوال کہ عرض کا جوہر ہونا کسی طرح اس کو عقل قبول نہیں کرتی دوسرے سوال سے معارض ہے کہ جوہر کا عرض ہو جانا باوجود روز وشب کے وقوع کے آجتک عقل اس کی کنہ کو نہیں سمجھ سکی۔ اللہ مجھ کو تو جب اس میں غور کرتا ہوں حیرت ہوتی ہے کہ آخر اس قیام الصورۃ بالذہن واتصاف الذہن بالصورۃ کی کیا حقیقت ہے اور کیا کیفیت ہے اور اس حال ومحل یعنی صورت وذہن میں کیا علاقہ ہو جاتا ہے اور اس حلول سے ذہن میں کیا تاثر ہو جاتا ہے اور حقیقت موجودہ فی الاعیان میں تجرد عن المواد کا کیسے تغیر ہو جاتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا مگر شب وروز کے وقوع سے اس حیرت کی طرف التفات نہیں ہوتا گو کیفیت وحقیقت نہ جاننے کا اعتراف سب کو ہے چنانچہ آجتک یہ طے نہ ہو سکا کہ علم کونسی مقولے سے ہے اور اس کا عکس یعنی عرض کا جوہر بننا چونکہ نشأۃ دنیویہ میں ایسے بیّن طور پر جس میں کسی تاویل وعذر کی گنجائش نہ رہے نہیں دیکھا جاتا اس لئے حیرت کی طرف التفات ہوتا ہے ورنہ حقیقت کی مجہولیت میں دونوں یکساں ہیں۔

(تقویت) مولانا نے ایک مقام پر اس مضمون کو اس سے زیادہ صریح عنوان سے ذکر فرمایا ہے۔ (منقول من جزاء الاعمال) ۵

چوں سجودی یا رکوعی مرد کشت ... شد در آں عالم سجود او بہشت
چونکہ پرید از دہانش حمد حق ... مرغ جنت ساختش رب الفلق
حمد وتسبیحت نماند مرغ را ... گرچہ نطفہ مرغ بادست وہوا

چوں ز دستت رفت ایثار و زکوٰة / گشت ایں دست آں طرف نخل و نبات

آبِ صبرت آبِ جوئے خلد شد / جوئے شیرِ خلد مہرِ تست و وُد

ذوقِ طاعت گشت جوئے انگبیں / مستی و شوقِ تو جوئے خمر بیں

ایں سببہا آں اثرہا را نماند / کس نداند چونش جائے آں نشاند

ایں سببہا چوں بفرمانِ تو بود / چار جو ہم مر ترا فرماں نمود

ہر طرف خواہی روانش می کنی / آں صفت چوں بد چنانش می کنی

چوں منی تست کہ در فرمانِ تست / نسلِ تو در امرِ تو آیند چست

می دود در امرِ تو فرزندِ تو / کہ منم جزوِ تو کہ کردیش گرو

آں صفت در امرِ تو بودی نہاں / ہم در امرِ تست آں جوہا رواں

آں درختاں مر ترا فرماں برند / کاں درختاں از صفاتت با بر اند

چوں بامرِ تست اینجا ایں صفات / پس در امرِ تست آنجا آں جزات

چوں ز دستت زخم بر مظلوم رست / آں درختے گشت ازاں زقوم رست

چوں ز خشم آتش تو در دلہا زدی / مایۂ نارِ جہنم آمدی

آتشت اینجا چو مردم سوز بود / آنچہ از وے زاد مرد افروز بود

آتشِ تو قصدِ مردم می کند / نار کز وے زاد بر مردم زند

آں سخنہائے چو مار و کژدمت / مار و کژدم گشت و می گیرد دمت

(توجیہ آخر) - اگر باوجود اس قدر بسط و ایضاح کے اب بھی کسی کی عقل اس جوہریت اعراض کو قبول نہ کرے تو وہ نقل اعمال کی دوسری توجیہ اس طرح سے سمجھ لے کہ یہ اعمال گو ظاہرًا اعراض ہیں مگر واقع میں وہ جواہر ہیں جیسے اور بھی

بعض اشیاء ایسی ہیں کہ ان کو بہت عقلاء نے اعراض سمجھا مگر دوسرے عقلاء نے ان کے جوہر ہونے کا دعویٰ کیا۔ جیسے قدماء میں کیفیت شم میں اختلاف ہے کہ آیا ہوا کیفیت مشموم سے متکیف ہو کر شامہ کی مدرک ہوتی ہے یا مشموم سے کچھ اجزاء منفصل ہو کر شامہ تک پہنچتے ہیں یا اب متاخرین میں بعض علماء مصر نے نور شمس وغیرہ کو جس کو ابتک عرض کہا جاتا تھا جوہر مانا ہے۔

پس اسی طرح ممکن ہے کہ جب آدمی سے کوئی طاعت یا معصیت صادر ہوتی ہو تو اس عامل سے کچھ اجزاء جوہریہ غیر مبصرہ للعامہ طیبہ یا خبیثہ عامل کی ہیئۃ العمل منفصل ہو کر دوسرے کسی عالم میں کسی طریق سے منتقل ہو جاتے ہوں اور وہ وہاں بصورتہا محفوظ رہتے ہوں [illegible] اور موزوں ہوجاویں اور بعض اہل کشف سے جو منقول ہے کہ انھوں نے غسالہ میں سے پانی نکلتا ہوا دیکھا اور آنکھیں بند کرلیں کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ ان قطرات میں مجھ کو زنا کا نقشہ نظر آتا ہے۔ سو عجب نہیں کہ اس پانی میں ان ہی اجزاء میں سے بعض اجزاء موجود ہوں۔ اور وہ ہیئت زنائیہ ان اجزاء میں حال ہو اور اسی طرح ان کو مکشوف ہوگئے ہوں اور میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے قولہ تعالیٰ ووجدوا ما عملوا حاضرا کی تفسیر میں سنا ہے کہ ہر عمل کی ہیئت بھی قیامت میں نظر آویگی مثلاً چور چوری کرتا ہوا نظر آوے گا، زانی زنا کرتا ہوا سو عجب نہیں کہ وہی اجزاء اس ہیئت سے نظر آویں اور ان اجزاء کی شکل عامل کی سی ہو اور اہل محشر کے بصر میں خاصیت خوردبین کی پیدا ہوجاوے کہ وہ اجزاء خوب بڑے بڑے ہوکر اس عامل کے برابر جثہ میں نظر آویں۔ واللہ اعلم

اور اس توجیہ کی بنا پر مولانا کے کلام میں ان کو اعراض سے تعبیر کرنا باعث بار زعم اہل ظاہر کے ہو گا۔

(افادہ) چونکہ یہ کیفیت عرض اعمال کی یعنی ان کا صور جوہریہ میں اوفق بظواہر الکتاب والسنۃ ہے اس لئے اس قول کو ارضی الاقوال کہا گیا جیسا رسالہ کا تسمیہ اس پر دال ہے۔ و للہ الحمد علی ما علم و فہم۔

ضمیمہ نمبر (۴)

محاسن اسلام و قرآن کے متعلق غیر قوموں کی شہادتیں

جو اس مصرعہ کے مصداق ہیں۔ الفضل ما شہدت بہ الاعداء ؎

(الف) منقول از اخبار وکیل ۱۰ جون ۱۹۱۳ء

اسلام کے واجبات اور فرائض حفظ صحت جرمنی کے مشہور علمی رسالہ "دی کاف" میں نامور جرمن فاضل اور مستشرق علامہ

جو اکیم ڈی یولف نے اسلام کے واجبات اور فرائض حفظ صحت پر ایک نہایت قابل قدر مضمون لکھا ہے جس کی نقل ذیل میں ہے وہ تحریر کرتا ہے کہ دین اسلام کے اصول و عقائد و قواعد کو اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی مانند ظاہر ہو جاتی ہے کہ موجودہ مسلمان ان کی پابندی سے کوسوں دور ہیں اور اگر مسلمانوں میں کوئی ایسی اولوالعزم روح پردۂ غیب سے شہود میں آئے جو ان کو از سر نو اسلام کے اصلی اور صحیح مرکز پر لے آئے تو اس میں کلام نہیں کہ ان کی قوت کا طرۂ افتخار آسمان تک جا پہنچے اور سیاسی اعتبار سے نہ ہی اخلاقی اجتماعی اور علمی پہلو سے وہ دنیا کی بساط پر

ایک نہایت اہم مُہرہ بن سکتے ہیں مجھے اس وقت اسلام کی سیاسی اہمیت سے سروکار نہیں بلکہ میں صرف اس کے ایک خاص پہلو پر بحث کرنا چاہتا ہوں جس پر اس وقت تک شاید کسی یوروپین نے غور نہیں کیا۔ یہ پہلو اُن احکام و قوانین سے تعلق رکھتا ہے جو قرآن کریم نے حفظانِ صحت اور تندرستی کے متعلق اپنے ماننے والوں پر فرض کئے ہیں میں نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین کی تمام کتب سماوی پر قرآن کو اس لحاظ سے خاص امتیاز حاصل ہے اگر ہم شاہدانہ گزارہ و اجبات و فرائض حفظانِ صحت پر نظر کریں جو قرآن کریم میں مذکور ہوئے ہیں اور پھر اس امر پر غور کریں کہ اُن کی پابندی کرنے والوں کو جنت الفردوس کے مستحق قرار دینے میں اس کی کیا حکمت ہے تو ہم پر روشن ہو جائے گا کہ اگر یہ صحیفہ آسمانی اور کلام ربانی ساکنانِ ایشیا کو نہ ملتا تو ایشیا کا سارا کا سارا آفریں خطۂ زمین یورپ کی طرح بیماریوں اور بلاؤں سے بھی بلاخیز ہو گیا ہوتا۔

اسلام نے صفائی اور پاکیزگی اور پاکبازی کی صاف و صریح ہدایات کو نافذ کر کے جراثیم ہلاکت کو ایک سخت صدمہ پہنچا دیا ہے غسل اور وضو کے واجبات نہایت دُور اندیشی اور مصلحت پر مبنی ہیں۔

غسل میں تمام جسم اور وضو میں اُن اعضاء کا پاک صاف کرنا ضروری ہے جو عام کاروبار چلنے پھرنے میں کھلے رہتے ہیں مُنہ کو صاف کرنا اور دانتوں کو مسواک کرنا ناک کے اندرونی گرد و غبار وغیرہ کو دُور کرنا یہ تمام حفظ صحت کے لوازم ہیں اور ان واجبات کی بڑی شرط آبِ رواں کا استعمال ہے جو فی الواقع جراثیم کے وجود سے پاک ہوتا ہے حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے لحم خنزیر میں اور بعض ممنوع جانوروں

کے اندر امراض ہیضہ وطاعون فالج بخار وغیرہ کا خطرہ دریافت کرلیا تھا حیوانات
کے ذبح کرنے کا جو طریقہ شارع اسلام نے تلقین کیا ہے وہ بہت ضروری اور
اہم ہے گرمی اور حدت جانوروں کے خون میں مواد فاسد پیدا کرتی اور ہزارہا
ایسی بیماریوں کا باعث ہوتی ہے جو نسل انسانی کے سم قاتل کا حکم رکھتی ہے
ایسے بیمار جانوروں کے جو جراثیم پیدا کر دیتے ہیں [illegible]
جانور کے خون کا کثرت سے خارج ہو جانا [illegible]
اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور حفظان صحت کی [illegible]
اہم اور قابل قدر شرط [illegible]
نماز سے پوری ہوتی ہے۔

نماز میں قیام و رکوع و قعود و سجود کی حرکات اعلیٰ حکمت عملی اور تدبیر
پر مبنی ہیں۔ اگر اہل یورپ میں اسلامی نماز کا رواج ہوتا تو انہیں [illegible] ورزش
کے لیے نئی نئی ورزشی حرکتیں ایجاد نہ کرنا پڑتیں ایشیا کے گرم ممالک میں انسانی
جسم کے اندر چربی زیادہ پیدا ہوتی ہے اور سجدہ میں دونوں ہاتھ اور دیگر
اعضاء ایک خاص کشش کے ساتھ پھیلانا اور سمیٹنا [illegible]
دور کر دیتا ہے اسلام میں تعداد ازدواج کی اجازت قوم کی کمی نسل کی ناقابل [illegible]
نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک بے نظیر اصول ہے جس کی ہمیں تو دل سے قدر
کرنی چاہیے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے کہ اگر بوقت ضرورت اس کی پیروی کی جائے
تو اس سے سلسلہ توالد وتناسل میں خلل انداز ہونے والے امراض پیدا نہیں
ہونے پاتے آپ ایشیا میں عمر رسیدہ دوشیزہ لڑکیاں بہت کم پائیں گے جو

زیادہ عمر تک شادی نہ ہونے کے سبب ہسٹریا کی تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہوں
منشیات و مسکرات کو حرام قرار دینا اسلام کا اتنا بڑا احسان ہے کہ جس کے
بارِ گراں سے انسان کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا اور ہم مدعیانِ تہذیب و تمدن
یعنی اقوام یورپ کو اس بارہ میں مسلمانوں پر حسد کرنا لازم ہے حیات مستعارہ کو
ایک بے حقیقت شئے سمجھنا اور جان کی مطلق پروا نہ کرنا جس کے ساتھ ایک اعتقاد بر
معلق ہستی کا پختہ اعتقاد بھی شامل ہے اور مزید براں حفظ صحت کے قدرتی و
فطرتی اصول و قوانین جن میں انسانی فکر و تدبر کو کچھ بھی دخل نہ ہو۔ یہ تمام قریبا
جسم انسانی کی تمام طاقتوں اور قوتوں کو مدت دراز تک صحیح و سالم و مضبوط و مستحکم
رکھنے کے لئے نہایت موثر اور یقینی وسائل ہیں۔

باایں ہمہ اگر اغیار بعض خصائص میں ہم پر مراتب فوقیت رکھنے کے باوجود
اکثر امور میں ہم اہل یورپ سے بہت پس ماندہ ہیں تو اس کے خاص وجوہ ہیں منجملہ
ان کے ایک امر میں مختلف قوموں کا باہمی اختلاط بھی ہے جن میں سے اکثر کو اسلام کے
ساتھ موہوم سا تعلق ہے اور ایک قصہ یہ بھی ہے کہ خالص عربی النسل مسلمانوں کی
سوسائٹی میں دوسرے قوموں کی عورتوں کا عقد نکاح کے ذریعہ سے داخل ہو جانا
ان کی ہیئت اجتماعیہ کے فساد کا موجب ہوا ہے اور یہ قانونِ قدرت ہے کہ کامل چیز
وہی ہے جو خالص بھی ہو۔ بہرحال اسلامی تعلیمات کی یہ بڑی فضیلت اور منزلت اظہر
من الشمس ہے بالخصوص اختلاط اجناس و اقوام کے لحاظ سے اس کے اصول اور
بھی قابل قدر اور لائق تحسین ہیں اس موقع پر یہ سوال قدرۃً دل میں پیدا ہوتا ہے
کہ جب مسلمانوں نے اسلام کی پیروی ترک کر دی ہے تعلیمات قرآنی کی جانب سے

رہ گردان ہو گئے ہیں سچا اسلام عملی صورت میں آجکل کہیں بھی موجود نہیں ہے اور اسکی بگڑی ہوئی ہیبت نے اپنے پیروؤں کو تنزل اور ضلالت وجہالت کے عمیق غار میں دھکیل دیا ہے تو آخر ان کا انجام کیا ہو گا۔ ہمارے نزدیک اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی ہونا چاہیئے کہ اگر اسلام نہ ہوتا تو ان قوموں کا جو اب مسلمان کہلاتی ہیں کیا حشر ہو سکتا تھا اور ان ہی قوموں پر کیا منحصر ہے ہمیں خود اپنی نسبت یہ سوال کرنا چاہیئے کہ اگر اسلامی تہذیب دنیا میں جلوہ فگن نہ ہوتی تو ہماری کیا کیفیت ہوتی آئیں احسانمندی کی رو سے ہم پر واجب ہے کہ عربی علوم وفنون نے ہمارے علوم وفنون پر جو حیرت انگیز اثر ڈالا ہے اس کو فراموش نہ کریں اگر عربوں نے فلسفہ ارسطو کا اپنی زبان سے ترجمہ نہ کیا ہوتا اور پھر عربوں کی معرکۃ الآراء تالیفات وتصانیف لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر ہم تک نہ آئی ہوتیں تو ہمیں اس فلسفہ کی اصل یونانی کتابوں کے حصول سے بہت مدت پیشتر ہی اس کا علم کیونکر ہو سکتا چند سو سال قبل ہی کا زمانہ لیجیئے یورپ کے تشنگان علوم کا چشمۂ شیریں اندلس کے عربی اسلامی دار العلوم تھے اور سچ پوچھو تو آج بھی جبکہ اسلام رو بہ تنزل ہے ہم اسلام کے سیاسی علوم سے بہت کچھ اخذ کر سکتے ہیں۔ فقط۔

(ب) منقول از اخبار مدینہ بجنور ۹ رمارچ ۱۹۱۶ء

پیغمبر اسلام سے ایک جرمنی ڈاکٹر کی عقیدت

جرمن کے مشہور ڈاکٹر کوخ نے ایک مضمون اخبار النصیحت میں لکھا تھا جس کا اقتباس ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ تاکہ یہ ظاہر ہو کہ حدیث شریف کی جو تعلیم ہے وہ ایسی معقول ہے کہ ہر ایک سلیم الفطرت انسان خواہ وہ کسی مذہب وملت

کا ہو اس کو قبول کرے گا۔

ڈاکٹر مذکور لکھتا ہے کہ جس وقت سے مجھ کو نوشادر کا داء الکلب کیلئے بے حد مفید علاج ہونا دریافت ہو گیا ہے اس وقت سے میں عظیم الشان نبی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاص طور پر قدر و منزلت کرتا ہوں اس انکشاف کی راہ میں مجھ کو انہیں کے مبارک قول کی شمع نور نے روشنی دکھائی میں نے ان کی وہ حدیث پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس برتن میں کتا منہ ڈالے اس کو سات بار دھو ڈالو چھ مرتبہ پانی سے اور ایک مرتبہ مٹی سے۔ یہ حدیث دیکھکر مجھے خیال آیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عظیم الشان پیغمبر کی شان میں فضول گوئی نہیں ہو سکتی۔ ضرور اس میں کوئی مفید راز ہے اور میں نے مٹی کے عنصروں کی کیمیائی تحلیل کرکے ہر ایک عنصر کا داء الکلب میں الگ استعمال شروع کیا۔ اخیر میں نوشادر کے تجربہ کی نوبت آتے ہی مجھ پر منکشف ہو گیا کہ اس مرض کا یہی علاج ہے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مٹی سے برتن دھونے کی رغبت کیوں دلائی اس کی وجہ یہ ہے کہ نوشادر ہمیشہ مٹی میں موجود رہتا ہے۔ اور اگر آپ نے محض نوشادر ہی سے برتن دھونے کی ہدایت فرمائی ہوتی تو بسا اوقات اس کا ملنا غیر ممکن ہوتا اس لئے مٹی جو ہر وقت اور ہر جگہ پائی جاتی ہے برتنوں کی صفائی کے لئے بہترین ذریعہ صفائی تھی اور اسی طرح آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث الحمی من فیح جھنم فاطفوا حرھا بالماء پر اطبا ہنسا کرتے تھے حالانکہ آپ کی غرض اس ارشاد سے یہ تھی کہ صفراوی بخار کا علاج آب سرد سے کرو۔ چنانچہ اب تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ بخار کا علاج صرف ٹھنڈا پانی ہی نہیں ہے بلکہ برفآب ہے غرضکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بہت سی

حدیثیں فن طب کی جان اور اصل الاصول ہیں اور تحقیق و تفتیش ان کی صداقت کاملہ کا اظہار کرتی ہے۔ میں اس پیغمبر کا ادب و احترام کرتا اور کہتا ہوں کہ ابتدائے آفرینش آدم سے ابتک کوئی طبیب و حکیم دنیا میں آپ کا ہم پلہ پیدا نہیں ہوا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

(ج) منقول از اخبار وحدت ۲ فروری ۱۹۲۵ء ج ۲

قرآن تمام آسمانی کتابوں میں بہترین کتاب ہے

ڈاکٹر موریس نے جو فرانس کے نامور اہل علم مستشرق اور ماہر علوم عربیہ ہیں اور جنھوں نے گورنمنٹ فرانس کے حکم سے قرآن کریم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا اپنے ایک مضمون میں جو "لا بارول فرانسس رومان" میں شائع ہوا تھا ایک اور فرانسیسی مترجم قرآن موسیو سالمان ریناش کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے۔ قرآن کیا ہے؟ قرآن اگر کوئی ایسی منقبت ہوسکتی ہے جس میں کسی طرح کا نقص نہ نکل سکتا ہو تو وہ اس کی فصاحت و بلاغت ہے وہ عظیم الشان فضیلت جس پر تیس کروڑ (چالیس کروڑ مؤلف) انسان فخر کر رہے ہیں وہ یہی ہے کہ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لئے جو کتابیں تیار کی ہیں ان سب میں یہ بہترین کتاب ہے اس کے نغمے انسانی خیر و فلاح کے متعلق فلاسفۂ یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں اس میں آسمان و زمین کے بنانے والے کی حمد و ثنا بھری ہے خدا کی عظمت سے اس کا حرف حرف لبریز ہے جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں اور ہر ایک چیز کی اس کی استعداد کے مطابق رہنمائی کی ہے (پیام امین)

(د) منقول از اخبار وحدت ۸ ر فروری ۱۹۲۵ء ملے ۲۶ ج ۲

مسٹر آرنلڈ وہائٹ نے اسلامک ریویو ماہ مئی ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے:۔

"وہ اسباق جو ہم عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید سے یہودیوں کے توسط
سیکھتے ہیں (نصف یورپ ایک یہودی یعنی جناب مسیح اور بقیہ نصف ایک یہود
یعنی جناب مریم کی پرستش کرتا ہے) ہمیں بنی نوع انسان کے ساتھ انسانیت سے پیش
آنا اور تمام لوگوں کے خیالات کا احترام کرنا سکھاتے ہیں لیکن قرآن نے جس کو ا
ہمارے یہاں کے فرزند نے لکھا مسلمانوں کو نہ صرف زبردست جنگ آرائی سکھائی
پرائیویٹ زندگی میں ہمدردی، خیرات، فیاضی، شجاعت اور مسلمان نوازی کا سبق ہے"

(ه) منقول از اخبار وحدت ۸ ر فروری ۱۹۲۵ء ملے ۲۶ ج ۲

بابا نانک نے لکھا ہے۔ توریت زبور انجیل ۔ ترے پڑھ سُن ڈٹھے وید ا
قرآن کتاب کل جگ میں پروان (جنم ساکھی کلاں صفحہ ۱۱) (توریت زبور انجیل اور
وغیرہ تمام پڑھکر دیکھ لئے قرآن شریف ہی قابل قبول اور اطمینان قلب کی کتاب
نظر آئی) ... کتاب ایمان دی سچ کتاب قرآن (اگر سچ پوچھو تو سچی اور ایما
کتاب جس کی ملاقات سے دل بلغ بلغ ہو جاتا ہے قرآن شریف ہی ہے)

(و) منقول از اخبار وحدت ۸ ر فروری ۱۹۲۵ء ملے ۲۶ ج ۲

پروفیسر اڈورڈ جی براؤن ایم ۔ اے ۔ ایم ۔ بی نے اپنی تالیفات دوا
لٹریری ہسٹری آف پرشیا" (تاریخ ادبیات ایران) میں ژند اوستا اور قر
کا مقابلہ کرتے ہوئے صفحہ ۱۰۲ میں لکھا ہے۔ میں جوں جوں قرآن پر غور کرتا اور ا
کے مفہوم و معانی کے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں میرے دل میں اس کی قدر و

زیادہ ہوتی جاتی ہے لیکن ژند اوستا کا مطالعہ بجز ایسی حالتوں کے کہ اس کو علم الاوثان یا تحقیق لسانی یا اسی قسم کے دیگر اغراض کے لئے پڑھا جائے طبیعت میں تکان پیدا کرتا اور بار خاطر ہو جاتا ہے۔

(ز) منقول از اخبار وحدت ۸ر فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ ج ۲

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی جلد ۱۶ صفحہ ۵۹۹ میں لکھا ہے۔ قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں بہت سی آیات دینی و اخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں مظاہر قدرت تاریخ الہامات انبیا کے ذریعہ اس میں خدا کی عظمت مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے بالخصوص حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے خدا کو واحد اور قادر مطلق ظاہر کیا گیا ہے۔ بت پرستی اور مخلوقات کی پرستش کو (جیسا کہ جناب مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھکر پوجا جاتا ہے) بلا لحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔

(ح) منقول از اخبار وحدت ۸ر فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ ج ۲

ڈاکٹر کینن آئزک ٹیلر نے ۱۸۷۷ء میں بحیثیت صدر نشین کلیسائے انگلستان ایک تقریر کی تھی جو اسی زمانہ میں لنڈن ٹائمز میں شائع ہوئی تھی اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو لنڈن کا جھنڈا اڑاتا ہے جو تعلیم دیتا ہے کہ انسان جو نہ جانتا ہو اس کو سیکھے جو بتاتا ہے کہ صاف کپڑے پہنو اور صفائی سے رہو جو حکم دیتا ہے کہ استقلال و استقامت لازمی فرض ہے بے شبہ دین اسلام کے تمام اصول ارفع ہیں اور اسکی خصوصیات شائستگی اور تمدن سکھلاتی ہیں۔

(ط) منقول از اخبار وحدت ۸ ر فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ جلد ۲

ہربرٹ لکچرز میں یہ فقرات موجود ہیں۔ اسلامی قانون قابل تعریف اصول پر مشتمل ہے اور زیادہ قابل تعریف یہ امر ہے کہ اسے ان اصول کی تعلیم و انجام دہی میں زبردست حمائل میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ "شریعت اسلام نہایت اعلیٰ درجہ کے مستقل احکام کا مجموعہ ہے جن فضائل و اعمال کی اس میں ہدایت کی گئی ہے وہ ایسے عمدہ پاکیزہ اور شائستہ ہیں کہ کسی مشہور مسیحی مبلغ کی باتیں بھی انکا مقابلہ نہیں کر سکتیں

(ی) منقول از اخبار وحدت ۸ ر فروری ۱۹۲۵ء ۲۶ جلد ۲

مسٹر راڈول جس نے قرآن شریف کا ترجمہ شائع کیا۔ لکھتا ہے "جتنا بھی ہم اس کتاب (قرآن) کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی نفرت و ناپسندیدگی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے لیکن فوراً ہمیں مسخر کر لیتی متحیر بنا دیتی اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے اس کا طرز بیان باعتبار اسکے مضامین و اغراض کے عفیف عالی شان اور ہیبت ناک ہے اور جابجا اس کے مضامین سچی اور نہایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا نہایت قوی تعلق رہے گی"

تمت

رسالہ بتمامہا تمت الجلد الثالث الذی بتمامہ تم اصل الکتاب فنحمد اللہ الذی بحمدہ تم الکتاب * واللہ عندہ حسن الثواب * وزمان الختام * اول شہر اللہ المحرم الحرام سنہ [illegible] من ہجرۃ سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ العظام وصحابتہ الکرام مدی اللیالی والایام * ابداً ابداً لا انقضاء ولا انصرام * فقط

مطبوعات مکتبہ اشرف العلوم دیوبند

نَوَادِرُ النَّوَادِرْ جو حضرت اقدس رح کی آخری تصنیف اور گویا آپ کی ایک ہزار سے زائد تصانیف ومواعظ وغیرہ کا خلاصہ وعطر ہے جسمیں تمام تصانیف میں سے اہم مضامین کا خود حضرت اقدس رح نے انتخاب کر کے یکجا جمع کر دیا ہے مگر بہت قلیل مقدار میں طبع ہوئی اور اسی وقت ختم ہوگئی تھی۔ نایاب ہونے کے بعد اہل اشتیاق نے پچاس پچاس روپیہ میں اس کا ایک نسخہ خریدا۔ تقریبًا ایک ہزار صفحات کی کتاب ہے۔ دوبارہ طباعت اس زمانہ میں آسان نہ تھی مگر حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مکتبہ کو توفیق عطا فرمائی کہ یہ گوہر نایاب پھر تیار ہوگیا اور قیمت صرف بارہ روپیہ رکھی گئی مگر نسخے اب بھی اُس کی طلب کے اندازہ سے کم طبع ہوئے ہیں اسلئے منگانیمیں جلدی کریں

آدابُ الشیخ والمرید شیخ اکبر ابن العربی کے ایک رسالہ کا ترجمہ تصوف کی روح ہے عرصہ سے نایاب تھا۔ اب تیار ہوگیا ہے۔ **قیمت** دو آنہ (۲ر)

صفائی معاملات بیع وشراء۔ اجارہ وغیرہ معاملات کے مسائل ضروریہ۔ جدید الطبع ۴ر

قصد السبیل تصوف کی حقیقت اور اُس کا پورا دستور العمل حضرت رح کے مجوزہ معمولات برائے سالکین۔ جدید الطبع۔ قیمت صرف ۴ر

پردہ شرعی کا مکمل نصاب حضرت اقدس رح کے تین رسالوں کا مجموعہ جو پردہ کے متعلق ہیں باضافہ حواشی۔ القول الصواب۔ القار السکینۃ۔ تثبات الستور لذوات الخدور۔ آخر الذکر رسالہ ابتک کتابی صورت میں شائع نہ ہوا تھا اب تیار ہوگیا۔ قیمت ۱۲ر

افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ | سیاسیات حاضرہ کے متعلق حضرت اقدس کے دس مستقل رسائل اور بہت سے متفرق مضامین کا مجموعہ ۱۲/

حقوق العلم طالب علم اور علماء کے لئے پورا دستور العمل عجیب و غریب اصول قیمت ۱/

الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ یعنی مظلوم عورتوں کی رہائی کے لئے شرعی قواعد تعلیم مفقود و مجنون جو اپنی بیبیوں کے حقوق ادا نہ کریں انکی عورتوں کیلئے شرعی تخلص جدید الطبع قیمت عہ ۱/

انتباہات مفیدہ | نئی تعلیم اور نئی روشنی کے اثر سے جو شبہات قرآن و حدیث اور احکام شرعیہ پر کئے جاتے ہیں انکے جوابات کیلئے عجیب اصول ۱۲/

اغلاط العوام | عام لوگوں میں جو غلط مسائل یا خیالات مشہور ہیں ان کی اصلاح ۲/

اصلاح الخیال | نئی تعلیم کے اثر سے پیدا شدہ شبہات کے جوابات پر یہ رسالہ عرصہ سے نایاب تھا اب تیار ہے۔ ۲/

مسئلہ | **الکسیر فی اثبات التقدیر** تقدیر و تدبیر پر عارف باللہ امام ابن عطاء اللہ اسکندری کے عجیب و غریب رسالہ کا اردو ترجمہ ہے جو حضرت حکیم الامت نے اپنے شیخ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کے حکم سے بزمانہ قیام مکہ معظمہ کیا تھا۔ عرصہ سے نایاب تھا اب الحمد للہ تیار ہو گیا۔ عہ ۱۲/

نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب | حیوۃ المسلمین
بلا جلد قیمت عہ مجلد قیمت عہ

القول البدیع فی اشتراط المصر للتجمیع ۱/

شہادۃ الاقوام علی صدق الاسلام
غیر مسلموں کے ہر طبقہ نصاریٰ و ہنود وغیرہ نے اسلام کی حقانیت اور اسکی خوبیوں کے متعلق جو اقرار کئے ہیں انکا مجموعہ۔ یہ کتاب مسلمانوں کے قلب میں اسلام کی قدر و عظمت بڑھانے والی اور غیر مسلموں کو قبول اسلام کی طرف بہترین دعوت دینے والی ہے ابتک مستقل کتابی صورت میں شائع نہوئی تھی مکتبہ نے رسالہ النور سے اسکو جمع کر کے خوبصورت سائز میں چھاپی ہے ۲/

امداد الفتاویٰ مکمل مبوب | یہ کتاب تقریباً دس جلدوں میں ہے اور حضرت کی تصانیف میں بہت اہم کتاب ہے، ابتک سب بلا ترتیب و تبویب شائع ہوئی تھی وہ بھی نایاب ہو گئی۔ مکتبہ نے اسکی تبویب کرا کر کتاب شروع کرادی ہے اگر مسلمانوں نے اس مکتبہ کی مطبوعات کو شائع کر کے اعانت کی تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد اسکی اشاعت کی سعی کیجاویگی قیمت کا اندازہ تقریباً

ملنے کا پتہ:- **ناظم مکتبہ اشرف العلوم دیوبند ضلع سہارنپور**

مکتبہ اشرف العلوم دیوبند

حجۃ الاسلام مجدد الملۃ حکیم الامۃ سیدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ کی
تصانیف و مواعظ باتفاق علماء و صلحاء اس زمانہ میں اصلاح خلق کے لئے اکسیر اعظم ہیں
مرض کا اصل علاج اور مسلمانوں کی علمی عملی اخلاقی معاشرتی تمدنی اصلاحات کے لئے نہایت
شافی ہیں کوئی دینی اور اسلامی ضرورت نہیں جس پر آپ کی کوئی تصنیف نہ ہو ضرورت ہے کہ انکی
زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جاوے مسلمانوں کی کوئی انجمن کوئی مدرسہ بلکہ کوئی گھر ان سے
خالی نہ رہے۔ لیکن افسوس کہ یہ بیش بہا تصانیف کچھ تو پہلے سے کمیاب و نایاب تھیں۔ کچھ جنگ کے
طویل سلسلہ اور سامان طباعت کی گرانی بلکہ نایابی نے نایاب کردی۔ اُن کی دوبارہ اشاعت
و بقاء کے لئے ایک سلسلہ بنام مکتبہ اشرف العلوم دیوبند میں جاری کیا گیا جس نے سال بھر
میں تقریباً تین ۳ چالیس نادر و نایاب کتابیں تیار کیں اور بہت سی زیر طباعت ہیں سب سے
زیادہ اہم امداد الفتاوی مبوب مکمل ہے جس کی ہو کر کتابت شروع ہو چکی ہے۔ لیکن کتابوں کی
طباعت اس پر موقوف ہے کہ لگا ہوا سرمایہ لوٹے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جو حضرات تبلیغ و اصلاح
کی اہمیت کو محسوس کرتے اور اس سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ ان کتابوں کی اشاعت کی طرف توجہ
فرماویں جس کی ایک آسان تجویز یہ ہے کہ ایسے سو حضرات مکتبہ کے مخصوص معاون اور
خریدار ہو جاویں جو مکتبہ سے شائع ہونے والی کتاب کے کم از کم دس نسخے خرید کر خواہ اپنے اہل تعارف
میں فروخت کردیں یا ثواب کے لئے مفت تقسیم کردیں یا تجارتی فائدہ اٹھاویں کیونکہ اُن حضرات
کو مکتبہ ہر کتاب پر ۲۵ فیصدی رعایت بھی دے گا۔ اس تجویز سے لگا ہوا سرمایہ جلد واپس
ہو کر آئندہ کام کی سہولت کے علاوہ خود اصل مقصد یعنی تبلیغ و اشاعت کا بڑا فائدہ ہے
کہ کتاب تیار ہوتے ہی ایک ہزار نسخے لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جاویں گے۔ واللہ الموفق والمعین

خاکپائے خدام اشرفی احقر محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ

... القرآن	از حضرت حکیم الامت

...غیرہ کے آداب و احکام ۶ر

... قوم علی	اسلام اور قرآن کی حقانیت پر غیر مسلموں کی شہادتیں
...الاسلام	

...علمائے یورپ اور ہنود و یہود وغیرہ کی طرف
...مختلف زبانوں میں شائع ہوئی۔ جمع کردہ
...حکیم الامت۔ بلا جلد [illegible]۔ مجلد [illegible]

...المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ	از تصانیف

...حکیم الامت جس میں اسلام کے احکام
...حدیث کی عقلی حکمتیں اور فلاسفی نہایت
...سے لکھی گئی ہیں۔ مدت سے نایاب
...میں [illegible]
...ہے۔ بلا جلد [illegible]۔ مجلد [illegible]

...بھر کے خاص خاص ایام | یعنی رسالہ
...و فضائل | از اہل سنۃ
...تعلیم السنۃ از حضرت حکیم الامت۔ جو
...سے نایاب تھا۔ ۶ر

...معاملات | بیع و شراء، اجارہ و ملازمت
...شرعی احکام | از حضرت حکیم الامت [illegible]

حیلۂ ناجزہ | مظلوم عورتوں کی مشکلات کا شرعی حل [illegible]

خطبات الاحکام | سال بھر کے ہر جمعہ کے لئے علیحدہ خطبہ جس میں ضروری احکام شرعیہ اور ان کے متعلق قرآن وحدیث کی نصوص درج کی گئی ہیں۔ [illegible]

جزاء الاعمال | اچھے اور برے اعمال کے نتائج وثمرات جو دنیا ہی میں ظاہر ہو جاتے ہیں ان کا مفصل بیان از حضرت حکیم الامت ۵ر

حقوق الاسلام	طبع عمدہ اعلیٰ	۳ر
حقوق الوالدین	"	۳ر
[illegible]		۳ر
شوق وطن		[illegible]
فروع الایمان		[illegible]
اغلاط العوام		[illegible]
حق السماع		[illegible]
دعاوی مرزا		[illegible]
آداب الاخیار		[illegible]
خاتمۃ بالخیر		[illegible]

ملنے کا پتہ۔ ادارہ اشرف العلوم [illegible] کراچی

حکیم الامت

مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تص[illegible]
عصر حاضر میں باتفاق علماء وصلحاء اصلاح امت کے لئے اکسیر کا ح[illegible]
ان کی اشاعت اور گھر گھر میں پہنچانا ایک اہم دینی خدمت ہے سنہ ۱۳۶۵ھ م[illegible]

اشرف العلوم دیوبند

اس غرض کے لئے قائم کیا گیا کہ اس میں حضرت ممدوح کی تصانیف ا[illegible]
کو سیرت و صورت کے لحاظ سے بہتر بنا کر ضرورت کے مواقع میں حوا[illegible]
کیا جاوے۔ مگر زمانہ جنگ و سامان طباعت کے قحط کا تھا اس
طباعت نہ ہو سکی۔ تاہم تقریباً چالیس کتابیں اس سلسلہ کی د[illegible]
ادارہ نے شائع کی۔ اور بقیہ کی اشاعت میں سرگرم ہے۔ لیکن آپکی
کہ عام مسلمان اور خصوصاً حضرت کے متوسلین ادارہ کی شائع کردہ کت[illegible]
[illegible] امداد فرماویں۔

[illegible] کو خاص کمیشن بھی دیا جاتا ہے۔ جس سے
[illegible] فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں۔

مہتمم اشرف العلوم
[illegible]